بسم اللہ الرحمن الرحیم

محفوظہ جمیع حقوق

THE LIFE OF CHRIST

Translated By
Rev Talib-u-Din B.A

حیات المسیح

مترجمہ و مولفہ

علامہ طالب الدین صاحب بی۔اے

پنجاب ریلجیس بک سوسائٹی

انارکلی لاہور

www.noor-ul-huda.com
www.muhammadanism.org/urdu

May 20, 2011

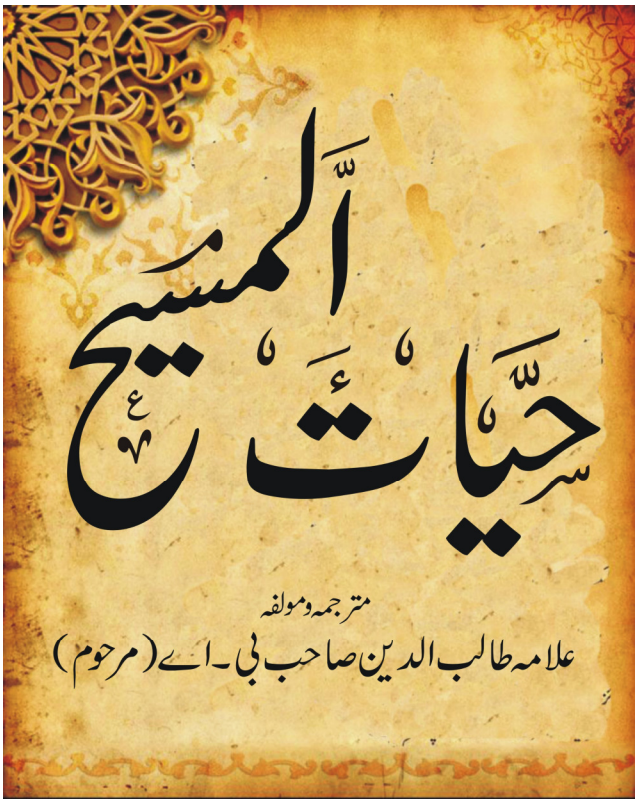

1966

فہرست

باب	مضمون
۱	آمد آمد کی خبر
۲	آغوشِ مادر اور خاموش تربیت
۳	قوم اور زمانہ کی حالت
۴	تیاری کی آخری منزلیں
۵	اُس کے کام کے حصے گمنامی کا سال
۶	دُوسرا سال۔ قبول عام مسیح کی تعلیم اور اُس کی تاثیر
۷	مخالف کا سال
۸	کام کا خاتمہ

حیات المسیح

پہلا باب۔ آمد آمد کی خبر

جہاں کو روشن کرنے والے سورج نے ابھی رات کی تاریکی کو اپنی کرنوں سے دور نہیں کیا تھا ۔ کہ ہیکل کے کارگذار اپنے اپنے کام میں مصروف ہونے کی تیاری کرنے لگے ۔ وہ اپنے دستور کے مطابق ہر صبح ایک مکان می جمع ہوا کرتے تھے۔ تاکہ ان میں سے ہر کاہن قرعہ کے وسیلے سے دن بھر کے لئے اپنی خاص خدمت پر مقرر کیا جائے ۔ یہ طریقہ اس واسطے اختیار کیا گیا تھا۔ کہ وہ حسد کی آگ سے محفوظ رہیں اور چھٹائی بڑائی کا خیال ان کی یگانگی میں رخنہ ڈالنے پائے۔ قرعہ چار مرتبہ ڈالا جاتا تھا۔ دو دفعہ ہیکل کا دروازہ کھلنے سے پیشتر اور دو دفعہ دروازہ کھلنے کے بعد، پہلا قرعہ ڈالنے کے وقت وہ آگ کا شعلہ اپنی روشنی دیا کرتا تھا۔ جو چراغ سحری کی طرح مذبح پر جلتا ہوا اپنی کرنیں چاروں طرف پھیلاتا تھا۔ دوسرا قرعہ اس وقت ڈالا جا تا تھا۔ جبکہ صبح صادق رات کی تاریکی کا پردہ اٹھا کر اپنے جمال جہاں آرا سے دنیا کو روشن کرتی تھی۔ اس موقع پر وہ لوگ اپنی اپنی خدمت پر مقرر ہوتے تھے۔ جو قربانی چڑھانے اور سونے کے شمعدان کے آراستہ کرنے اور بخور کے مذبح کے سنوارنے میں کام کرتے تھے۔ اس کے بعد برہ لایا جاتا تھا۔ تاکہ بڑے غور سے دیکھا جائے کہ آیا وہ قربانی کے لائق ہے۔ یا نہیں اور اگر اس میں ضروری صفتیں پائی جاتی تھیں ۔ تو اس پر سونے کے پیالے سے پانی ڈال کر اور اس کا منہ مغرب کی جانب کرکے اسے مذبح کے شمالی حصے پر باندھ کر رکھ دیتے تھے۔ اس پر راز طریقے کی نسبت یہ روایت جاتی تھی۔ کہ ابرہام نے بھی اضحاق کو اسی طرح قربان کرنے کے لئے باندھا تھا۔ د

اور پھر جب قربانی مذبح کے لئے تیار کی جاتی تھی۔ تو اس عرصہ میں مقرری کاہن پاک جگہ کو آراستہ کر دیتے تھے۔ تاکہ وہاں بخور جلایا جائے جو کہ اسرائیل کی قبول کی ہوئی دعاو□ں کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ اس موقع پر تیسری دفعہ چٹھی ڈالی جاتی تھی اور اس کا یہ مقصد ہوتا تھا۔ کہ اس کے وسیلے سے وہ شخص چنا جائے جو بخور جلانے کی خدمت کو انجام دے ۔ یہ کام عمر بھی میں صرف ایک مرتبہ نصیب ہوا کرتا تھا۔ اس وقت تمام کاہن دعا مانگتے اور اپنے عقیدے کا اقرار کیا کرتے تھے۔ جس دن کا ذکر ہم کر رہے ہیں۔ اس دن چٹھی ایک ایسے کاہن کے نام نکلی جو اس دنیا کے سفر کی کم ازکم ساٹھ منزلیں طے کر چکا تھا۔ وہ زکریا ہ کاہن تھا۔

اگرچہ وہ اس سے پہلے کبھی بخورجلانے کی خدمت کے لئے منتخب نہیں ہواتھا۔ توبھی ہیکل کے خادم اس سے ناآشنا نہ تھے۔ کیونکہ کاہنوں کا ہرگروہ سال میں دو دفعہ ہییکل کی خدمات میں مصروف ہوا کرتا تھا۔اور کاہن لادیوں کی طرح بڑھاپے کے سبب سے معزول نہیں کئے جاتے تھے۔ پھر بھی کئی باتوں کے سبب سے اس مین اوردیگر کاہنوں میں بڑا فرقپایا جاتا تھا۔ مثلاً اس کا گھران بڑے بڑے شہروں میں نہ تھا۔ جوکاہنوں کی سکونت گاہ سمجھے جاتے تھے۔ وہ ایک چھوٹے سے گاؤں کا رہنے والا تھا جو اس کی کوہستانی علاقے میں آباد تھے۔ جویروشلیم کے جنوب میں واقع تھا۔مگروہ ہر طرح سے عزت کے لائق تھا۔ کیونکہ اوّل توکاہن ہونا ہی بڑے فخر کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ اورپھر جب کوئی کاہن کسی دوسرے کاہن کی لڑکی سے شادی کر لیتا تھا۔تواس کی عزت اوربھی بڑھ جاتی تھی۔ لوقا 1:58-59-1-6-65-66، سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ زکریاہ اپنے علاقہ میں نزدیک ودورخوب مشہورتھا۔ اس کے پڑوسی اس کے معاملات میں دلچسپی لیتے اوراس کے ساتھ کمال تعظیم سے پیش آتے تھے۔ وہ اوراس کی بیوی الیشبع ان احکام اورفرائض کے بجا لانے میں دل وجان سے کوشاں تھے۔ جن کا بجا لانا ان پر فرض تھا۔

لیکن زکریاہ لا ولد تھا۔ کیونکہ اس کی بیوی بانجھ تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے اس معاملے میں کئی سال تک دست دعا درازکیا ہوگا۔ اورالیشبع نے اپنی بے اولادی سے بارہا غم کھایا ہوگا۔ کیونکہ عورت کے رحم کا بند ہونا ان دنوں بڑی بے حرمتی کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ ہر خاتون یہ امید رکھتی تھی کہ شاید میرے ہی بطن سے مسیح پیداہو اوراسرائیل کی امیدیں برآئیں۔

لیکن اس وقت زکریاہ کے دل میں اولاد کا خیال نہ تھا۔ بلکہ اس وعظیم خدمت کے خیال میں جو اس کے سپردکی گئی تھی محورہوگا۔ اسے بخورجلانا تھا۔ اوراس وقت وہ اسی کے دھیان میں مگن تھا۔ مگربخور جلانے سے پہلے سے اپنے دوستوں یا عزیزوں میں سے دواورشخصوں کو مدد کے لئے چننا تھا۔ ان میں سے ایک کا کام یہ تھا۔ کہ وہ بخورکے مذبح کو صاف کرکے یایوں کہیں کہ گذشتہ شام سے جوکچھ مذبح پر بچ رہا تھا۔ اسے ہٹاکر اورسجدہ کرکے چلا جائے اوردوسرا سوختنی قربنی کے مذبح پر سے دہکتے ہوئے کوئلے لے کر ان کو بخورکے مذبح پربچھائے اورپھروہ بھی سجدہ کرکے نکل جائے۔

یہ دونوں شخص اپنا اپنا کام کرکے چلے گئے ۔ اب زکریاہ اکیلا سونے کا بخوردان ہاتھ میں لئے پاک جگہ میں کھڑا تھا جو سات شاخوں والے شمعدان کی روشنی سے نورانی ہورہی تھی۔ اس کے سامنے اوراس پردے کے پاس جو پاک ترین جگہ کے سامنے لٹک رہاتھا۔ سونے کا مذبح رکھا تھا۔ جس پر دہکتے ہوئے کوئلے چمک

رہے تھے۔ اس کی دہنی طرف نذر کی روٹیوں کی میز پڑی تھی۔ اوراس کی بائیں جانب سونے کا شمعدان دھرا تھا۔ اب زکریاہ خاموش کھڑا اس اشارے کا انتظار کر رہا تھا۔ جو یہ خبر دیا کرتا تھا۔ کہ مذبح پر بخور ڈالنے کا وقت آگیا ہے ۔ کاہن اوردیگر اشخاص مذبح سے الگ ہو کر اوراوندھے منہ گر کر چپ چاپ دعا مانگ رہے تھے۔ اورجب تک بخور کو آگ نہ لگی ، زکریاہ وہیں کھڑا رہا اوراگر ایک رویا اس پر ظاہر نہ ہوتی تو وہ بھی سجدہ کر کے نکل آتا مگر اس عجیب رویا کے سبب سے وہیں کھڑا رہا اوروہ رویا یہ تھی ۔ کہ اس نے سونے کے مذبح اورشمعدان کے درمیان ایک فرشتے کو دیکھا۔ آگے کبھی کسی کاہن کو بخور جلاتے وقت اس قسم کی رویا کا نظارہ نصیب نہیں ہوا تھا۔ تو بھی جس وقت کوئی کاہن خدا کے حضور جایا کرتا تھا۔ تو لوگوں کے دل خوف سے کانپ اٹھتے تھے۔ اوراگر اس کے آنے میں ذرا دیر ہو جاتی تھی۔ تو وہ اوربھی گھبرانے لگ جاتے تھے۔

زکریاہ یہ رویادیکھ کر ڈرگیا اورجب فرشتے نے اسے اس کی دعائیں اورامیدیں یاد دلائیں ، اور کہا کہ وہ اب پوری ہوں گی ۔ تو وہ حیرت کا پتلا بن گیا ۔ اسے بتایا گیا کہ جو لڑکا اس کے ہاں پیدا ہوگا، اس کا نام یوحنا ، خدا مہربان ہے۔ رکھا جائے گا اوراس کے سبب سے نہ صرف ماں باپ بلکہ غیروں کے دل بھی شادمان ہوں گے۔ وہ خدا کے حضور میں بزرگ اورسمسن اورسیموایل کی طرح عمر بھر کے واسطے خدا کا نذیر ہو گا اورماں کے پیٹ ہی سے الہی خدمت کے لئے مخصوص کیا جائے گا۔ وہ ایک طرح سے سمسون اورسیموایل سے بھی بڑھ کر ہو گا۔ کیونکہ اس میں خدا کی قدرت بیرونی اورباطنی ہر دو صورت میں نمایاں ہو گی کیونکہ وہ اسی وقت سے جبکہ زندگی کا دم اس میں پھونکا جائے گا روح القدس سے بھر جائے گا۔

سمسمون کی طرح خدا کی قدرت سے مامورہو کر ان درختوں کی جڑ پر کلہاڑا رکھے گا۔ جن کی بیخ کنی خدا کو منظور ہے اورسیموایل کی طرح بہت سے بنی اسرائیل کو خدا کی طرف رجوع کرے گا اوریوں ان دونوں بزرگوں کی خوبیوں سے بہرہ ور ہو کر جیسا کہ الیاس کوہ کرمل پر ان سے مامورہوا وہ بنوت کے مطابق الیاس کی طاقت کے ساتھ مسیح کے ظاہر ہونے سے پہلے نمودار ہو گا اورالیاس کے دوبارہ آنے کے علامتی معنوں کو پورا کرے گا اوراس صورت میں یہ نیا الیاس خداوند کے لئے ایک گروہ تیار کرے گا۔

اب جس طرح وہ فرشتے کی شکل دیکھ کر دریائے حیرت میں ڈوب رہا تھا۔ اسی طرح اس کے الفاظ سن کر تعجب سے بھر گیا اورکچھ مدت تک ان کا مطلب سمجھنا اس کے لئے مشکل ہو گیا۔ البتہ ایک خیال جو مدت سے اس کے دل میں جاگزین تھا۔اب پھر دل میں کھٹک رہا تھا۔ اوروہ بیٹے کا خیال تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ اس بڑھاپے میں یہ کہاں ممکن ہے؟ پس اس کم اعتقادی کے باعث اس نے جو کچھ فرشتے سے سنا تھا۔ اس کا نشان

مانگا، اس کو یہ نشان دیا گیا کہ وہ گونگا ہو گیا پر چونکہ یہ نشان بے اعتقادی کی دعا کا نتیجہ تھا اس لئے اس اسے ایک طرح زکریاہ کی سزا سمجھنا چاہیے ۔ پر وہ ایک دوسرے معنی میں اس جماعت کے لئے جو ہیکل میں منتظر کھڑی تھی اور الیشبع کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو زکریاہ سے واقف تھے اور خود زکریاہ کاہن کے لئے بھی اسکی نوماہ کی تنہائی اور گوشہ نشینی میں ایک حقیقی نشان تھا۔ ہاں ایک ایسا نشان تھا جو اس وقت جب کہ اس کی زبان کھولی گئی آگ کے شعلے کی طرح چمک اٹھا۔ زکریاہ کو ہیکل میں معمول کے برخلاف زیادہ دیر لگی۔ لوگ دعا مانگ چکے تھے اور اب پاک جگہ کی طرف کھڑے دیکھ رہے تھے۔ آخر کار زکریاہ پاک جگہ سے باہر آیا اور ان سیڑھیوں پر کھڑا ہوا جو ہیکل کے اسارے سے کاہنوں کے صحن کی طرف جاتی تھیں۔ اور وہاں کاہنی برکت کے کلمات ادا کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ پہلے وہ برکت دی جاتی تھی۔ جو گنتی 6:24-26، میں قلمبند ہے اور پھر نذر کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ اور تپاون کے ساتھ حمد و ستائش کے مزامیر خوش آوازی سے شروع کئے جاتے تھے۔ قربانیوں کے ٹکڑے مذبح پر حسب ترتیب چنے گئے تھے۔ اور کاہن سیڑھیوں پر صف باندھے تھے ۔ نیز عابدوں کی جماعت منتظر کھڑی تھی ۔ زکریاہ بولنا چاہتا تھا ، پر بول نہیں سکتا تھا کیونکہ ابھی اس نے محسوس نہیں کیا تھا۔ کہ گویائی کی طاقت مجھ سے بالکل جاتی رہی ہے۔ لیکن لوگوں نے اسکی خاموشی سے جان لیا کہ اس نے ہیکل میں کوئی رویا دیکھی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کاہن اور دیگر اشخاص تتر پتر ہو گئے ۔ بعض عفل کو اور بعض یریحو کو اور بعض اپنے اپنے گاؤں کی طرف چلے گئے،مگر خدا نے اپنے وعدہ کو جو فرشتے کے وسیلے سے کیا تھا۔ وقت معینہ پر پورا کیا۔

اب الیشبع کو حاملہ ہوئے قریباً پانچ ماہ گذر گئے تھے۔ کہ ایک اجنبی قاصد اس کی رشتہ دار مریم کے پاس جو ملک گلیل میں رہا کرتی تھی۔ ایک عجیب پیغام کے ساتھ آیا ۔ وہ قاصد جبرئیل تھا۔ اس وقت وہ سونے کے مذبح اور شمعدان کے درمیان جہاں شوکت اور جلال بڑی سنجیدگی سے اپنا جلوہ دکھاتے تھے ۔ نمودار نہ ہوا بلکہ شہر ناصرت میں ایک غریب شخص کی جھونپڑی میں ظاہر ہوا۔ اس غیر معمولی نظارے کو دیکھ کر مریم پر خوف چھا گیا ہوگا پر وہ اس عجیب قاصد کی صورت سے اس قدر متحیر نہیں ہوئی جس قدر اس کلام سے جو اس قاصد کے منہ سے نکلا ، اور جس کے وسیلے سے ایسی بے نظیر برکت کی خبر اس کو دی گئی جو کبھی اس کے خواب و خیال میں نہ آئی تھی ۔ "سلام تجھ کو" البتہ یہ الفاظ تو کچھ غیر معمولی نہ تھے کیونکہ سلام کرتے وقت عموماً یہی الفاظ استعمال کئے جاتے تھے۔ اور نہ کوئی ایسی عجیب بات الفاظ "خداوند تیرے ساتھ ہے" سے ظاہر ہوتی تھی کیونکہ اس سے ان چھٹکاروں کا سماں جو زمانہ ماضی میں فرشتے کی امداد

سے وقوع میں آئے تھے۔ آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ مگر یہ کہنا کہ خدا کی طرف تجھ پر فضل ہوا ہے ۔ کسی بہت ہی بڑی نعمت کی خبر دیتا تھا۔ اوراسی خیال نے اسے حیرانی میں ڈال دیا پر یہ حیرت غالباً اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ اپنے افلاس کو دیکھ کر یہ کہتی تھی۔ کہ مجھ ایسی بے بس و بے کس کو کب ایسی برکت مل سکتی ہے ۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنی ذاتی اوراندرونی غریبی کو فروتنی سے محسوس کررہی تھی۔ جب وہ اس حیرت افزاءکلام کو جو فضل الٰہی کا پتہ دیتا تھا۔ سن کر حیران ہوئی تو فرشتے نے اس فضل کی تفصیل بیان کی اوربتایا کہ وہ کس طرح حاملہ ہوگی ۔ اوراس لڑکے کا نام جو اس سے پیدا ہوگا کیا رکھا جائے گا اورکہ وہ نام کس طرح اس کے کام پر دلالت کریگا۔ فرشتے نے اس کی لا محدود عظمت کو بھی اس پر ظاہر کیااوربتایا کہ وہ خدا بیٹا کہلائے گا اور اس میں وہ امید برآئے گی جس کا وعدہ[1]، داؤد کے ساتھ کیاگیا تھا یعنی اُس میں داؤد کے خاندان کی بادشاہی

[1] جو لوگ مسیحی نہیں وہ مسیح کے مجسم ہونے اوراس دنیا میں معجزانہ طور پر آنے سے ہمیشہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ اور چونکہ ہمیں امید ہے کہ کتاب حیات المسیح ہمارے داو□ ئ دکے ساتھ کیا گیا تھا یعنی اس میں داؤد کے خاندان کی بادشاہی ہمیشہ تک قائم رہیگی ۔ اوراس کی کوئی انتہا نہ ہوگی، یہ کوئی ایسی بات نہ تھی۔ ہندو بھائیوں اور مسلمان دوستوں کے مطالعہ سے بھی گذرے گی لہٰذا ہم ان کے لئے چند سطور اس امر پر تحریر کرنا چاہتے ہیں۔ گوایک ایسی لائف آف کراسٹ میں جس کا مقصد فقط یہ ہے کہ خداوند مسیح کی انسانی زندگی کے واقعات کو ترتیب وقت کے مطابق ناظرین کے سامنے رکھے تاکہ وہ اس کے مطالعہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اس قسم کی بحث کے لئے جگہ نہیں ، پر ہم مختصر طور پر چند خیالات ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ مفصل بحث کے لئے جرمنی کے مشہور عالم نیانڈر صاحب کی "لائف آف کراسٹ کا ملاحظہ کرنا چاہیے جو سٹراس وغیرہ معترضوں کے جواب میں تحریر کی گئی ہے"۔

اگر ہم مسیح کی پیدائش اور تجسم کے اصل مقصد کو سمجھ لیں جو یہ تھا کہ بنی انسان میں اخلاقی تبدیلی پیدا ہوااور بنی آدم کی ترقی کا ایک نیا سلسلہ جاری ہو تو خدا کا مجسم ہونا اور معجزانہ طور پر اس دنیا میں آنا خلاف عقل معلوم نہ ہوگا۔ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ مسیح کی انسانی زندگی تاریخی واقعات کے سلسلہ میں منسلک ہے بلکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ تمام تاریخ منشائے الٰہی کے مطابق اس طور پر مرتب کی گئی تھی۔ کہ یہ عجیب وغریب واقعہ جب سرزد ہوااس وقت اس میں اپنی مقرری جگہ لے۔ تاہم یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عدم المثل واقعہ دنیوی تاریخ میں سے پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ ایک اعلیٰ عنصر ہے جو دنیا کی اصلاح اور درستی کے لئے ہے۔

وہ اوپر سے داخل ہوا جو شے انسان کے فطری سلسلہ سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ ضرور ہے کہ انسانیت کے نقص اور خرابیوں سے بھی حصہ لے اور اس پر اس کے عیوب کی مہر لگی ہوئی ہو۔ پس یہ ناممکن ہے کہ وہ شخص جو انسانیت کی ایک نئی نسل پیدا کرنے کو مقرر ہوا ہے اور جو دوسرا آدم بننے والا ہے۔ وہ خود انہی گناہوں اور خرابیوں میں مبتلا ہو جن سے نجات سے دینے کے لئے وہ نمودار ہوا ہے۔ پس اگر ہم مسیح کو بنی آدم ہیں سے ایک عام آدمی نہ سمجھیں بلکہ ایک نئی نسل کا بانی تصور کریں تو اس کا تجسم ناممکن معلوم نہ ہوگا۔ یہ عقل کی گواہی ہے اور جب ہم حقیقی واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ جو خیال ہم کو عقلاً صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس کے وقوع میں آنے پر تاریخ بھی گواہی دیتی ہے مثلاً متی اور لوقا کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ خداوند مسیح پیدائش کے معمولی قواعد کے مطابق اس دنیاہیں نہیں آیا۔ اب جو لوگ اس تواریخی گواہی کو رد کرتے ہیں۔ وہ مجبور ہیں کہ دو دعووں میں سے ایک دعولے کو اختیار کریں ۔ ایک یہ ہے کہ متی اور لوقا کا بیان بالکل بناوٹی ہے اور دوسرا یہ کہ کوئی نہ کوئی بات اس کی جڑیں ضرور ہوگی پر جس پر مسیحی مورخوں نے مسیح کے معجزانہ طور پر پیدا ہونے کا دعویٰ قائم کرلیا۔

جو لوگ پہلا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب مسیح کے شاگردوں نے اس کی نادر سیرت اور اس کی عجیب تعلیم کو دیکھا اور سنا تو اس کے بعد اس فکر میں میں لگے کہ اس کی پیدائش کا ایک ایسا فوق العادت بیان تجویز کریں جو اس کی عظمت کے شایاں ہو مگر یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ کیونکہ وہ عبارتیں جو اس بیان کو پیش کرتی ہیں۔ بالکل سادہ اور ہر طرح کے تصنع سے پاک ہیں اور پھر یوسف کی پریشانی اور اس کی دلی حالت کا وہ نقشہ جو متی کے بیان میں پایا جاتا ہے۔ اس خیال کا سخت مخالف ہے وہ نقشہ بالکل ایسا ہے جیسا کہ اس وقت کھنچا جاتا ہے جب انسانی غیرت مشتعل ہوتی ہے۔

اور دوسرا دعویٰ کرنے والے لوگ کوئی اصلی واقعہ جس کی بناء پر انجیلی بیان رقم کیا گیا پیش نہیں کر سکتے۔ بجز اس کے جو ایک گندے اور ناقص خیال پر مبنی ہے اور جس سے دینی خیالات کی جڑ کٹتی اور الٰہی پروردگاری کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں اس قسم کی بناوٹ یہودیوں میں نہ پیدا ہو سکتی تھی۔ اور نہ ان کے درمیان رواج پا سکتی تھی۔ اگر ہندوؤں کے درمیان اس قسم کی کہانی گھڑی جاتی تو ناممکن نہ تھا۔ لیکن پھر بھی طرز بیان کی وہ صورت نہ ہوتی جو کہ ہم انجیلوں میں پاتے ہیں۔ ہندو طرز اپنی مصنوعی خاصیت کو فوراً ظاہر کر دیتی ہے۔ مگر یہودیوں کے درمیان اس قسم کی کہانی کا دخل پانا بالکل ناممکن تھا۔ مثلاً وحدت الٰہی کی تعلیم جس کے وہ دل و جان سے پابند تھے اس کی مانع تھی پھر یہودی بیاہ کے بیاہ کے رشتہ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اور عورت کے تنہا رہنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے نہ وہ مسیح کی الوہیت کو بخوبی سمجھتے تھے۔ پس یہ تمام باتیں مانع تھیں۔ کہ اس قسم کی کوئی بات یہودیوں کے وہم سے پیدا ہو یا ان کے قلم سے نکلے تاوقتیکہ فی الحقیقت واقع نہ ہوئی ہو۔

اور نہ اضحاق اور سمسون اور سموئیل کی نظریں پیش کرکے یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ مسیح کی پیدائش کا حال بھی کچھ کچھ ان بزرگوں کی پیدائش کے حال کی مانند ہو گا یا ان کی پیدائش کے بیان نے انجیل نویسوں کے ذہن کو ایک نئے بیان کے اختراع کرنے میں مدد دی کیونکہ یہودی تاریخ میں ان بزرگوں کی تاریخ کا حال بالکل مختلف صورت رکھتا ہے۔ ان کی مائیں بانجھ تھیں مگر مریم بانجھ نہ تھی اور نہ ان بزرگوں کی پیدائش ان کو قانون قدرت سے مستثنیٰ ٹھہراتی۔

بعض دفعہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔ کہ اگر وہ معجزانہ طور پر پیدا ہوا تھا۔ تو اس کے نزدیکی رشتہ دار اس پر ایمان کیوں نہ لائے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں کہ تعجب نہیں کہ شروع میں اس کے تمام رشتہ دار اس واقعہ کو برحق سمجھ کر اس سے بڑی بڑی باتوں کی امید رکھتے ہوں گے۔ مگر چونکہ تیس برس کا عرصہ گذر گیا اور انہوں نے کوئی عجائبات اس سے نہ دیکھے اور جب وہ اپنے آپ کو ظاہر کرنے لگا تو اس وقت بھی وہ ایس مسیح ثابت نہ ہوا جیسا وہ اپنے ذہن میں سمجھے بیٹھے تھے تو انہوں نے اس کو قبول نہ کیا مگر اس کی ماں اس کی فوق العادت پیدائش کے سبب اس پر ایمان رکھتی تھی اور یہ اس موقعہ سے بخوبی ثابت ہے جبکہ اس نے قانائے گلیل میں اس سے معجزہ دکھانے کی درخواست کی حالانکہ اب تک اس نے کوئی معجزہ نہ دکھایا تھا۔ اگر وہ اس کی معجزانہ قدرت کی قائل نہ ہوتی تو کبھی ایسی درخواست نہ کرتی۔ واضح ہو کہ اس معجزے کے لئے مریم کی درخواست کا ذکر وہ انجیل نویس کرتا ہے جو اس کے معجزانہ طور پر پیدا ہوانے کا مطلق ذکر نہیں کرتا۔

اسی جگہ ایک اور بات کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ معترض یہ بھی کہا کرتے ہں کہ یوحنا نے اس کی غیر معمولی پیدائش کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اس کے جواب میں پہلے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس رسول کو اپنی انجیل میں یہ دکھانا منظور تھا کہ مسیح جو مجسم ہو کر اس دنیا میں آیا اس کی انسانی زندگی میں کوئی کس طرح باپ کے اکلوتے کا جلال ظاہر ہوا۔ پر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی انجیل میں کوئی بات نہیں پائی جاتی جو اس واقعہ کے برخلاف ہو بلکہ اشارے ملتے ہیں جو اس کی تائید کرتے ہیں مثلاً وہ تعلیم جو کلمے کے متعلق اس کی انجیل میں پائی جاتی ہے کہ یوحنا اس کی معجزانہ پیدائش کا قائل ہے اور پھر ہم لدیکھتے ہیں کہ اسی کی انجیل میں مسیح یہ کہتا ہے کہ "جو جسم سے پیدا ہوا ہے وہ جسم ہے"۔

پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مسیح کے روبرو اس کے مخالف کہا کرتے تھے "کیا یہ یوسف اور مریم کا بیٹا نہیں"؟ اس بات کو سن کر مسیح نے اپنے فوق العادت پیدائش کا دعوے کیوں نہ کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنے دعووں کا ثبوت میں ایک ایسا واقعہ پیش نہیں کرنا چاہتا تھا جو گزر چکا تھا اور جس کا ثابت کرنا مشکل بلکہ ناممکن تھا۔ پس وہ اس واقعہ کی طرف اشارہ کرنے کی جگہ یہ بہتر سمجھتا تھا کہ 'لوگ اس کے کاموں اور اس کی تعلیم سے جن کو وہ دیکھنے اور سنتے تھے قائل کئے جائیں پس وہ ایک ایسے واقعہ کا حوالہ نہیں دینا چاہتا تھا جس کو وہ دیکھ نہیں سکتے تھے۔

پھر دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اکثر غیر قوموں لہ میتھیالوجی (علم الاصنام) سے نظریں ڈھونڈ لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان قصوں نے انجیل نویسوں کو مسیح کی معجزانہ پیدائش کا حال گھڑنے میں مدد دی ہو گی۔

ہم اوپر دکھا چکے ہیں کہ اس قسم کے قصہ کہانیاں یہودی دماغ میں راہ نہیں؛ پا سکتے سکتے تھے پر ہم یہاں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ میتھولاجیکل اور انجیل بیان ہیں جو مشابہت پائی جاتی ہے اس کے اصل حل تک پہنچنے کے لئے اس رشتے پر غور کرنا چاہیے کہ جو کہ متھیالوجی کے نیچرل مذہب اور انجیلوں کے الہامی اور تواریخی مذہب میں پایا جاتا ہے۔ متھیالوجی میں دیوتاؤں کے بیٹوں اور ان کے پیدا ہونے کا خیال اور اس ادراک سے پیدا ہوتا ہے جو بت پرستی کی بطالت سے ناقص ہو جاتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اس خیال کا بھی محکوم ہوتا ہے پر انجیل میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہی خیال تواریخی صداقت پر مبنی اور سادگی سے ملبس ہے اور بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ اپنے تئیں ظاہر کرتا ہے۔

اب جو بات بت پرست قصوں کی تہ میں نہاں ہے وہ یہ ہے کہ انسان میں ایک زبردست خواہش پائی جاتی ہے جسے وہ اپنی روح سے جدا نہیں کر سکتا وہ خدا کی صحبت اور اس کے وصل کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اس کی روح اور خدا کے بابین جو بعد پایا جاتا ہے وہ دور ہو جائے اور ایسا اتصال ذات الٰہی کے ساتھ حاصل ہو کر اس کی زندگی بالکل تبدیل

ہمیشہ تک قائم رہیگی اوراُس کی کوئی انتہا نہ ہوگی ، یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس کو تسلیم کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ جو لوگ اسرائیل کی عظیم اُمید کے برآنے کی راہ دیکھ رہے تھے وہ اُسی قسم کے نادراظہار کے منتظر تھے، اورنہ نام کے پیش ازقت بتلائے جانے میں کوئی انہونی بات پائی جاتی تھی کیونکہ مریم جانتی تھی کہ کئی بزرگوں کا نام اُن کی پیدائش سے پہلے بتلایا گیا ہے اوراُسی طرح مسیح موعود کا نام بھی پہلے ہی سے بتلایا جائے گا۔ اُس کے دل میں بے اعتقادی کی روح نہ تھی۔ وہ خدا کے وعدوں کوسچا جانتی تھی اوراگر اُس نے فرشتے سے سوال کیا تواس خیال سے کہ وہ اپنے آپ کو ہیچ اورناچیز سمجھتی تھی اورچاہتی تھی کہ اس کو زیادہ ہدایت کی جائے کہ وہ کس طرح سے پورے طورپر اپنے آپ کو خدا کے ہاتھ میں سونپ دے۔ فرشتے نے خدا کی برکت کے وعدہ کاباقی حصہ بھی اُس پر ظاہر کیا اورروح القدس کے نازل ہونے اوراُس پر سایہ کرنے کی بشارت اُس کودی۔ یہ بات اُس کے لئے غیر مانوس نہ تھی کیونکہ یہودی اُس بات کے قائل تھے کہ بڑے بڑے واقعات میں روح القدس کاکام کرتا ہے گویہ ممکن ہے کہ وہ اُس کے تشخص کے بھید کوپورے طورپر نہیں سمجھتے تھے، پر وہ یہ بھی مانتے تھے کہ روح القدس کی مدد اورطاقت صرف بزرگوں اوراہل علم وفضل کوحاصل ہوتی ہے، پھر جبرئیل نے اس فضل کاجومریم ہونے والا تھا اُس کو یہ نشان دیا کہ جوکچھ خدا نے اپنی رحمت سے الیشبع کے حق میں کیا تھا وہ سب کچھ اُس کوخود بخود بتادیا۔

یہ نشان ایک طورپر اُس کے لئے رہنمائی کاکام کرگیا یعنی شروع ہی سے اُس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اورفتہ رفتہ بڑھتا گیا کہ میں اُس عورت کےپاس جاؤں جوہر بات میں میرے ساتھ طبیعت اورمزاج میں

ہو جائے۔ مسیحی مذہب انسانیت کے اور الوہیت کاایسا میل مسیح میں دکھاتا ہے اب اگراس حقیقت کے اشتیاق میں پرانے مذہبوں نے وہ قصے اور کہانیاں گھڑلیں جو انجیل بیان کے ساتھ نہایت ہی خفیف سی مشابہت رکھتی ہیں تو کچھ تعجب نہیں۔

پر یہ بات یاد رکھنے کے قائل ہے کہ انجیلوں کے بیان اور پرانے بت پرست مذاہب کے بیان میں بڑافرق پایا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ بت پرست مذاہب کے بیان خدا کے ساتھ نیچرل اسباب کو بھی عجیب واقعات کے برپا کرنے میں شامل کرتے ہیں اور یوں وہ طری طاقتوں کو خدا کا ہم پلہ بنادیتے ہیں اوراسی لئے ان کی شرح بھی نیچرل اصول کی بناپر ہو سکتی ہے مگر مسیحی مذہب جب مسیح کی معجزانہ پیدائش کاذکر کرتا ہے تو نیچرل اسباب کو دخل نہیں دیتا بلکہ سب کچھ براہ راست خدا کی مرضی اور قدرت سے منسوب کرتا ہے۔

روحانی یگانگی رکھتی ہے اوراُسے اپنا حال سناکر اپنے دل کو ٹھنڈا کروں اوراُس سے برکت آمیز کلمات سنوں۔ پس اُس کا اٹھنا اورجلدی سے اپنے رشتہ دار کے پاس جانا بہت موزوں تھا۔

الیشبع نے اُس کنواری ماں کو بڑے تپاک سے قبول کیا ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ الیشبع نے وہ تمام باتیں جو اُس کے بیٹے کی پیدائش اوراُس کے کام سے علاقہ رکھتی تھیں اپنے شوہر سے معلوم کی ہونگی۔ پس وہ جانتی تھی کہ مسیح اب آنے والا ہے کیونکہ یوحنا جس کی خبرزکریاہ کو دی گئی تھی اُس کا پیش رو تھا، پر وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کب آئے گا اورکس کے گھر پیدا ہوگا لیکن جونہی اُس نے مریم کے سلام آوازسنی، بچہ اُس کے پیٹ میں اچھل پڑا۔ بچہ کا پیٹ میں اچھلنا ایک نشان تھا جس سے سب یہودی خوب واقف تھے اورجب یہ نشان وجود میں آیا تو الیشبع نے فوراً پہچان لیا کہ یہی مریم جو میرے نزدیکی رشتہ داروں میں سے ہے خداوند کی ماں ہے، وہ روح القدس سے بھر گئی اوربآوازبلند بول اٹھی "تو عورتوں میں مبارک اورتیرے پیٹ کا پھل مبارک ہو"۔ یہ وہ دعائے خیر تھی جو بچوں والیاں بچوں والیوں کو دیاکرتی تھیں اوریہاں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ راستہ تیارکرنے والے کی ماں اُس کی ماں کو جس کے لئے راستہ تیارکیا جانا تھا دعا دیتی تھی۔

تین ماہ تک مریم الیشبع کے یہاں رہی مگر جب الیشبع کے دن نزدیک آئے تو اس نے دیکھا کہ اب الیشبع کے پڑوسی اوررشتہ داراس کے پاس آئیں گے اوراس کی خوشی میں شامل ہوں گے مگر ایسے مجمعومیں حاضر ہونا میرے لئے زیبا نہیں ،اگرچہ وہ خوب جانتی تھی کہ جوکچھ میرے ساتھ ہوا ہے اس کا کیا مطلب ہے توبھی جب اس نے یوسف کے پاس اس ماجرے کا ذکر کیا ہوگا تو یہ تذکرہ اس کے لئے گویا اس تلوارکا پہلا زخم ہوا ہوگا جس کی نبوت شمعون نے بعد میں اس طرح کی "بلکہ خود تیری جان بھی تلوارسے چھد جائے گی اور ہم دیکھتے ہیں کہ یوسف کے دل سے اس وقت تک بدگمانی دورنہ ہوئی جب تک خدا نے اس کو نہ بتایا کہ جو مریم کے رحم میں ہے وہ روح القدس سے ہے۔اس آگاہی سے پہلے وہ حیران وپریشان نظرآتا تھا اورکبھی مریم کو چھوڑدینے کا ارادہ کرتا تھا مگراس کے پورا کرنے میں لجلدی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ اگراس سے قطع تعلق کرنا چاہوں تو مجھے دستور کے مطابق طلاق دنیی پڑے گی اوراگر مجھے ایسا کرنا ہی پڑا توچپکے سے دو گواہوں کے سامنے طلاق نامہ اس کے حوالہ کردوں گا، لیکن اس کو دنیا کی انگشت نمائی کا نشانہ بناوں گا۔ جس طریقہ سے وہ الہٰی ارادونسے آگاہ کیا گیا اس کی امید اس کو مطلق نہ تھی۔ چنانچہ خواب کے وسیلے سے خدا نے اس کو ساری باتیں بتا دی۔ اس کے بعد تمام شکوک کا غباریک بارگی اسکے دل سے دورہوا گیا۔ کیونکہ جب یہ آوازاس کے کان میں آئی "اے یوسف ابن داود" تو وہ فرشتہ کے پیغام کے لئے تیارہوگیا اورپھر جب مسیح کا نام

پیشتر سے بتایا گیا تو اس نے اس خبر کو بھی خیالات مروجہ کے عین مطابق پایا اور پھر یسوع نام کی یہ تشریح کہ وہ اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچائے گا، مسیح موعود کے اصل کام پر دلالت کرتی ہوئی معلوم ہوئی اور چونکہ یہ خبر اس کو خواب میں ملی تھی لہذا اس نے اسے بے تامل قبول کر لیا۔ تین چیزیں تھیں جو کہ خدا کی خاص رحمت کا نشان سمجھی جاتی تھیں اور ان میں سے ایک اچھا خواب تھا۔ اب جب اس خواب کے وسیلے سے یوسف کے دل کی تمام کدورت دور ہو گئی اور اس نے محسوس کیا کہ پیدا ہونے والے یسوع اور اس کی کنواری ماں کے متعلق اب میرا فرض یہ ہے کہ جس قدر جلد ہو سکے میں مریم سے نکاح کر لوں جس سے نہ صرف ظاہری نیک نامی بنی رہے گی بلکہ ہم دونوں کی اخلاقی محافظت بھی ہو گی۔

اسی اثنا میں زکریاہ کے گھر میں وہ عجیب واقعہ ہوا جس کی راہ مدت سے دیکھی جارہی تھی یعنی یوحنا پیدا ہوا۔ یہودی خاندانوں میں سب سے زیادہ سنجیدہ اور سب سے زیادہ خوشی کا موقع وہ ہوتا تھا جبکہ لڑکے کا ختنہ کیا جاتا تھا۔ اس رسم کے وسیلے سے شریعت کا جوا بچے کے کندھے پر آپڑتا تھا اور وہ ان تمام فرائض کا ذمہ دار اور حقوق کا مستحق ٹھہرتا تھا جس پر یہ ضابطہ دلالت کرتا تھا۔ راوایت تھی کہ جب یہ رسم وقوع میں آتی ہے تو باپ سردار کاہن کی جگہ لے کر خود اپنے بچے کو خدا کے حضور شکرگزاری اور محبت کی راہ سے نذر کرتا ہے۔ یوحنا کا ختنہ حسب معمول آٹھویں دن کیا گیا اور جب نام رکھنے کا وقت آیا تو زکریاہ اور الیشبع کے دوستوں اور عزیزوں نے اس کو اس کا باپ کا نام دنیا چاہا۔ اس موقع پر لڑکے کی ماں نے کہا کہ اس کا نام زکریاہ نہیں بلکہ یوحنا رکھا جائے گا۔

واضح ہو کہ ختنے سے پہلے کلمات دعائیہ استعمال کئے جاتے تھے اور جب ختنہ ہو چکا ہو چکا چکتا تھا تو پھر مے کے پیالے پر برکت مانگی جاتی تھی اور دعا کے ساتھ لڑکے کا نام رکھا جاتا تھا اور جو دعا اس وقت مانگی گئی وہ کچھ اسی قسم کی ہوگی جو اب بھی یہودیوں میں مانگی جاتی ہے "ہمارا خدا اور ہمارے باپ دادوں کا خدا اس بچے کو اس کو اس کے باپ کے لئے برپا کرئے اور وہ اسرائیل میں زکریاہ ابن زکریاہ کہلائے۔ زکریاہ اس وقت خاموش بیٹھا تھا کیونکہ بول نہیں سکتا تھا پر وہ اس نشان کو پورا ہوتے دیکھ رہا تھا جو ہیکل میں اس کو دیا گیا تھا اور جب اس سے لڑکے کے نام کی بابت پوچھا گیا تو اس نے بھی تختی منگا کر وہی نام بتایا جو الیشبع نے بتایا تھا۔ اس بات کو دیکھکر حاضرین متعجب ہوئے، مگر اس ست بھی زیادہ تعجب کی بات یہ تھی کہ اسی دم اس کی زبان کھل گئی اور وہ بولنے اور خدا کی حمد کرنے لگا۔

ہیکل میں اس کے الفاظ سے بے اعتقادی پائی جاتی تھی مگر اب جب اس کی زبان کھلی تو وہ حمد و توصیف کے گیت گانے لگا اور جو کلمات اب اس کی زبان سے برآمد ہوئے وہ یقین اور ایمان سے معمور تھے۔ ان باتوں کو دیکھ کر آس پاس کے رہنے والوں پر دہشت چھا گئی اور یہودیہ کے تمام ملک میں ان باتوں کا چرچا پھیل گیا اور سب سننے والوں نے دل میں سوچ کر کہا۔

"پھر یہ لڑکا کیسا ہونے والا ہے"

دوسرا باب

آغوش مادر اور خاموش تربیت

پیدائش۔ جس زمانہ میں مسیح پیدا ہوا ان دنوں قیصر اگستس روم کا بادشاہ تھا اور روم کے تخت پر متمکن ہونا گویا تمام مہذب دنیا کی عنان حکومت کو ہاتھ میں لانا تھا۔ پس یہ کہنا بے جا نہیں کہ اگستس ذرا سے اشارے سے تمام عالم کو تہ بالا کر سکتا تھا۔ وہ اپنی دولت اور بے انتہا اختیار پر نازاں تھا اور چاہتا تھا کہ انہیں اور بھی رونق دے اور اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے وہ اس فکر میں تھا کہ اس آرزو کو پورا کرنے کے لئے وہ اس فکر میں تھا کہ ایک ایسا رجسٹر تیار کیا جائے جس میں تمام ممالک[1] کی آبادی کو شمار اور آمدنی کی تفصیل درج ہو۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے وہ حکم جاری کیا جو مقدس لوقا کی انجیل میں اس طرح قلمبند ہے۔ "ان دنوں میں ایسا ہو کہ قیصر اگستس کی طرف سے یہ حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں"۔ اس اسم نویسی یا مردم شماری کا مطلب یہ تھا کہ آیندہ اسی کے مطابق محصول اور جزیہ لیا

---

[1] لوقا صرف ہم کو یہ بتایا ہے کہ "قیصر اگستس کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ ساری دنیا کے لوگوں کے نام لکھے جائیں۔ یہ پہلی اسم نویسی شام کے حاکم کورنیس کے عہد میں ہوئی"۔ وہ یہ نہیں بتایا کہ کون سے سال اور کون سے مہینے میں ہوئی اور اس کی انجام دہی میں کون سے طریقے اختیار کئے گئے اور نہ یہ بتایا ہے کہ اس اسم نویسی کیا مقصد تھا آیا یہ صرف لوگوں کے شمار سے واقفیت پیدا کی جائے یا اس کے ساتھ ان کی جائداد اور ملکیت کا بھی تخمینہ معلوم ہو تاکہ پھر ان پر ٹیکس لگایا جائے۔ وہ ان باتوں کا اس لئے کچھ ذکر نہیں کرتا کیونکہ اسے ان باتوں سے کچھ سروکار نہ تھا۔ وہ صرف یہ بتانا چاہتا ہے کہ یوسف اور مریم کس طرح بیت الحم میں آئے جہاں مسیح پیدا ہو۔ ہم اس بحث کو لوقا کے اس مقام سے علاقہ رکھتی ہے۔ بقیہ نوٹ صفحہ ۲۱) درج نہیں کر سکتے کیونکہ جگہ کی قلّت ہم کو اجازت نہیں دیتی۔ پر ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی دلچسپ بحث کو دیکھنا چاہے تو انڈریوز لالف آف کرسٹ کو پڑھے یا عمدہ تفسیروں کا ملاحظہ کرے۔ انڈریوز صاحب اس بحث کو تین حصوں میں تقسیم کرکے ہر حصہ پر غور کرتے ہیں وہ حصے یہ ہیں۔

(۱) اس اسم نویسی کی کیا غرض تھی اور کہاں کہاں وقوع میں آئی۔

(۲) اس بات کا ثبوت کہ یہ اسم نویسی فی الحقیقت لوقا کے بیان کے مطابق وقوع میں آئی اور۔

(۳) کہ کورنیس کے ساتھ اس کا کیا تعلق تھا۔

جائے۔جن ممالک پر اس فرمان کی اطاعت فرض تھی ۔ ان میں سے ایک فلسطین تھاجس کا بادشاہردویس شہنشاہ روم کے با جگزاوں میں شامل تھا ۔اس حکم سے تمام ملک میں ہل چل پڑگئی کیونکہ یہودیوں کا یہ قدیم دستورتھا کہ اسم نویسی کے وقت جہاں وہ رہا کرتے تھے وہاں اپنے نام نہیں لکھوایا کرتے تھے بلکہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے نام لکھوانے کے لئے ان جگہوں کو چلے جاتے تھے جو ان کے باپ دادوں سے علاقہ رکھتی تھیں ۔

جن لوگوں کو قیصر حکم مختلف جگہوں کو کھینچ لئے جاتا تھا ان میں یوسف اورمقدسہ مریم بھی شامل تھے یہ دونوں مقدسین ناصرت سے بیت لحم کی طرف روانہ ہوئے ۔ سو میل کا کھٹن سفر ان کے سامنے تھا تو بھی وہ اس سفر کو جو مشکلات اورتکلیفوں کے سبب سے دوزخ کا نمونہ تھا ، اختیارکرنے کو تیارتھے تا کہ اپنے شہر میں جا کر اصل رجسٹر میں اپنے نام درج کرائیں ۔گو اس وقت وہ تنگی کپنجہ میں گرفتارتھے اوران کو سیدھی سادی وضع سے غریبی ٹپکتی تھی مگر بیت لحم کو جانا ظاہر کر رہا تھا اکہ شاہی خون ان کی رگوں میں حرکت کر رہا ہے ۔ بادشاہ کا حکم ان دونوں کودھکیلتے ہوے ان کوا منزل مقصود کی طرف لئے جاتا تھا اوروہ دشوارگزارراستے کی سختیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے دن بدن آگے بڑھتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک دن چٹانی چڑھائی طے کرکے اپنی منزل پرجا پہنچے ۔ مگر اس وقت یوسف طرح طرح کی فکرونمیں ڈوبا ہوا تھااورمریم تھکان کے مارے بے دم ہوئی جاتی تھی اورجب سرائے[1] میں داخل ہوئے تو دیکھاوہ مسافروں سے پھری پڑی ہے اوران مسافروں کو بھی وہی مقصد اس جگہ کھینچ لا یا تھا۔ جویوسف اورمریم کے سفرکا موجب ہوا تھا۔ سرائے میں کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ۔ اورنہ شہرمیں کوئی ایسا دوست تھا جوآؤ بھگت کرتا اورنہ کوئی ایسا ہمدرد تھا جوان مسافروں کے لئے اپنے گھرکا دروازہ کھولتا اوردسترخوان بچھاتا ۔آخر اس بے کسی اوربے بسی کی حالت میں اصطبل کے ایک گوشہ پرجہاں مسافروں کے گھوڑے اورخچر بندھے تھے۔ قناعت کی، اسی رات

---

[1] علماء خیال کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں فلسطین کی؛ سرائیں کچھ اسی طرز کی ہونگی جس طرز کی اب ملک آرام ہیں پائی جاتی ہیں ۔ ان کے سامنے ایک صحن ہوت تھا جودیواریں سے گھرا ہوا ہوتا تھا جو بہت بلند نہیں ہوتا تھا۔بڑی بڑی سراوں میں کئی کوٹھڑیاں پائی جاتی تھیں۔ صحن میں جانور باندھے جاتے تھے اور کوٹھڑوں میں مسافر رہتے تھے ۔مسافراپنے جانوروں کوآپ سنبھالتے تھے ۔اپنا کھانا اور اپنا بستراپنے ساتھ لاتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ ان سراؤں میں اور ہمارے ملک کی سراوں میں جو بڑے بڑے دیہات اور قصبوں میں پائی جاتی ہیں بہت فرق نہ تھا ہوٹل ج؛ن میں سجے ہوئے کمرے اورآسائش کے سب مکلّف سامان اور لذیذ کھانے جس وقت چاہیں اسی وقت چاہیں اسی وقت مل جاتے ہیں جدید تہذیب کا نتیجہ ہیں لیکن فلسطین (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳) میں بعض جگہ توکل سرائے اور بعض جگہ اس کا صرف وہ حصہ جہاں جانور اور مویشی باندھے جاتے تھے۔ غار میں بھی ہوتا تھا۔ جسٹن شہید جو کہ سکم کا رہنے والا تھا۔اور فلسطین سے بخوبی واقف تھا۔ بتاتا ہے کہ بیت الحم کی سرائے کا اصطبل جس میں مسیح پیدا ہوا ایک غار میں واقع تھا، جو سرائے سے بہت دور نہ تھا۔ اس غار پر ایک گرجا بنا ہوا تھا۔ جو "دی چرچ اینڈ کانونٹ آف دی نیٹوٹی (The church and convent of the nativity) کہلاتا ہے۔ اسی کے پاس ایک اور غار ہے جہاں قدیم مسیحی آباؤں میں سے جیروم نے اپنی زندگی کے پچھلے تیس برس دعا و مناجات اور روزے مطالعہ میں صرف کئے۔

اوراسی جگہ مریم کا پہلوٹھا بیٹا پیدا ہوا۔ اب چونکہ نہ تو کوئی ایسی عورت پاس تھی جو اس مشکل وقت میں اس کی مدد کرتی اورنہ کوئی پلنگ یا کھٹولا موجود تھا۔ جس پر اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو لٹاتی لہذا اسے ،چیتھڑوں میں لپیٹ کر چرنی[1] میں رکھ دیا۔ سٹاکر صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک میں وسط جرمنی کے مشہورتجارتی شہرائس لیبن میں ، نہ گیا تب تک یہ عجیب سماں پورے پورے طورپر میری سمجھ میں نہ آیا۔ جب میں آئس لیبن کی سرائے میں پہنچا تو میں نے اس کمرے کو دیکھا جہاں مارٹن لوتھر پیدا ہوا تھا۔ اس کے ماں باپ بھی کسی کام کے لئے یہاں آئے تھے ۔ اوروہ بھی تنگدستی کے چنگل میں گرفتارتھے اورجب یہ سرائے ایک بڑی بھیڑ سے پُراورشوروغوغا سے گونج رہی تھی۔ عین اس وقت وہ شخص پیدا ہوا جو یورپ کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے والا تھا۔

مسیح کی پیدائش کے بعد صبح کو سرائے میں پھر شورغل کا بازارگرم ہوا۔ بیت الحم کے باشندے حسب معمول پھر اپنے کاروبارمیں مصروف ہوئے ، کوئی نہیں جانتا تھاکہ گزری رات ایک ایسی بات وقوع میں آئی ۔ جوتمام دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے ہرایک بچہ جواس دنیا میں آتا ہے۔ گویا رازسربستہ کی طرح یا یوں کہیں کہ بند ڈبیا کی طرح ہوتا ہے۔ جس میں طرح طرح کے امکانات کے جواہر بند ہوتے ہیں۔ بے شک یوسف اورمریم اس بھید سے واقف تھے۔ اورجانتے تھے، اورجانتے تھے، کہ مریم جوایک غریب گھرانے میں پیدا ہوئی اورایک غریب نجارسے بیاہی گئی ہے ، اوراعزازسے ممتازکی گئی ہے۔ کہ اپنی قوم کے مسیح موعود اور دنیا کے نجات دہندہ کی اورجس کے اعتبارسے خدا کے بیٹے کی ماں کہلائے ۔

---

[1] دیکھئے لوقا کیسی سادگی سے دنیاکے نجات دہندے کی پیدائش کا بیان کرتا ہے۔ ایک لفظ بھی اس کے بیان میں ایسا نہیں پایا جاتا جس سے اس قسم کی کوشش ظاہر ہو کہ گویا وہ مسیح کی پست حالی کو خارجی اچنبھوں اور عجیب نظاروں سے ملبس کرنا چاہتا ہے۔ پچھلے زمانوں کو کے غیر الہامی اور غیر مستند احوال بھی موجود ہیں جن کو اپاکرفل کہتے ہیں۔ ان کے ساتھ اگر اس بیان کا مقابلہ کیا جائے۔ تو فوراً معلوم ہو جائے گا۔ کہ اس میں اور ان میں آسمان وزمین کا فرق ہے بے شک ان کو جن کے دل منور نہیں یہ بات ناممکن معلوم ہوتی ہے۔ کہ مسیح جوابن خدا تھا دنیا میں آئے اور اس کی پیدائش کے وقت نیچر تہ وبالا نہ ہو اور جابجا جنبش نہ آئے۔ فیرر صاحب ایک کتاب کا جو مقدس یعقوب کی انجیل کہلاتی ہے۔اور اپاکرفل کتابوں میں شامل ہے ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کتاب میں ایک باب ہے جس میں مسیح کی پیدائش کے متعلق کئی عجیب باتیں قلمبند ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب وہ پیدا ہوا تو قطب آسمانی بے حس وحرکت ہو گیا اور تمام جانور خاموش ہو گئے۔ بھیڑیں ہو گئے۔ بھیڑیں جو تتر بتر ہو رہی تھیں۔ جہاں تھیں ، وہیں کھڑی ہو گئیں۔ گڈریے نے انہیں مارنے کو اپنا ہاتھ اٹھایا مگراس کا ہاتھ وہیں رہ گیا۔ بروں نے ندی پر پانی پینے کے لئے سر جھکایا پر نہ پیا، کیونکہ بے حرکت ہو گئے۔ غرضیکہ جو شے آگے بڑھ رہی تھی اس کی رفتار آناً فاناً رُک گئی۔ مگر الہامی انجیلوں میں نیچر کے عمل کے دفعتہ ساکن ہو جانے کا کوئی اشارہ نہیں پایا اور نہ ان میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ سورج کے آس پاس عجیب قسم کے روشنی نمودار ہوئی اور نہ یہ کہ دنیا میں کئی جگہ پر راز جلوہ نما ہوا اور مریم دروازہ سے بالکل آزاد ہی اور بیل اور گدھے نے جھک کر یسوع کو سجدہ کیا جبکہ وہ چرنی میں پڑا ہوا تھا۔ اور اس پیدا ہونے کے بعد اپنی ماں سے کہا کہ میں خدا بیٹا ہوں وغیرہ۔ ہماری انجیلوں کا ان فضول باتوں سے محفوظ رہنا ان کی سچائی اور ان کے مصنفوں کی کی دیانتداری کا پکا ثبوت ہے۔

ایک قدیم نبوت کے مطابق اسے اسی جگہ پیدا ہونا تھا۔ وہ نبوت یہ تھی کہ اے بیت الحم افراتاً ہر چند کہ تو یہوداہ کے سرادروں میں شامل ہونے کے لئے چھوٹا ہے تو بھی تجھ میں سے وہ شخص نکل کے مجھ پاس آئیگا۔ جو اسرائیل میں حاکم ہوگا۔ اگرچہ ان دو جانوں کو متکبر مزاج اگستس کا حکم بیت الحم کی جانب جو جنوب کی طرف واقع تھا۔ کھینچ لایا تھا، تو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ساتھ ہی ساتھ ایک اور ہاتھ بھی کام کررہا تھا۔ اور وہ ہاتھ اس کا تھا جو اپنے ارادوں کو پورا کرنے کے لئے شہنشاہوں اور بادشاہوں، بڑے بڑے مدبروں اور پارلیمنٹوں کے ارادوں کو اپنے بس میں رکھتا ہے۔ خواہ وہ اسے جانیں یا نہ جانیں۔ اسی نے فرعون کے دل کو سخت کیا۔ اسی نے خورس کو غلام کی طرح اپنے قدموں میں بلایا۔ اسی نے زاد اوربنوکدنضر کو اپنا چاکر بنایا۔ پس وہ اس قابل تھا کہ اگستس کی حرص اور تکبر کو اپنے اغراض کے پورا کرنے کی خاطر اپنی حکمت کے مطابق کام میں لائے۔

مختلف پرستار۔اگرچہ مسیح نے بڑی پستی اور خاموشی سے زندگی کی سٹیج پر اپنا قدم رکھا۔ اگرچہ باشندگان بیت الحم نے نہ جانا کہ ہمارے درمیان کیسا عجیب واقعہ سرزد ہوا ہے۔ اگرچہ شہنشاہ روم اس بات سے بالکل بے خبر تھا۔ کہ باغ عالم مینایک نیا گل کھلا ہے۔ جس کی خوشبو سے تمام دنیا مہک اٹھے گی اور آج وہ بادشاہوں کا بادشاہ پیدا ہوا ہے۔ جو نہ صرف سلطنت روم پر حکمران ہوگا۔ بلکہ اس کی بادشاہی کا سکہ ان ممالک میں بھی رائج ہوگا جہاں رومی عقاب نے اب تک پر نہیں مارا۔ اگرچہ بنی آدم کی تاریخ موجزن دریا کی طرح شورمچاتی ہوئی یعنی معمولی طرز پر جارہی تھی۔ اور اس نادر واقعہ سے جو سرزد ہو چکا تھا۔ نا آشنا تھی تو بھی کئی لوگ ایسے بھی تھے جو اس عجیب واقعہ سے واقف تھے جس طرح الیشبع کے رحم میں جب اس کے خداوند کی ماں اس کے نزدیک آئی تو لڑکا اچھل پڑا تھا۔ اسی طرح جب وہ جو نئی دنیا کو اپنے ساتھ لایا اور نمودار ہوا تو جا بجا پرانی دنیا میں جو اب مٹنے والی تھی۔ لوگوں کے درمیان آنے والے بادشاہ اور نجات دہندے کے متعلق طرح طرح کے نشانات اور خیالات پیدا ہوئے۔ چنانچہ جو لوگ اس کی راہ دیکھ رہے تھے اور روحانی بینائی اور باطنی پاکیزگی کے سبب ان نشانات کو دیکھنے اور سمجھنے کی لیاقت رکھتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ کچھ روشنی چمک اٹھی کہ جو آنے والا تھا وہ آگیا ہے۔

جن لوگوں نے سب سے پہلے اس بچہ کی زیارت کی اور اس کے سامنے سربسجود ہوئے۔ وہ چوپان تھے، جس بے مثال واقعہ سے عالیجاہ بادشاہ اور زمانے کے بڑے بڑے نامور لوگ بے خبر تھے۔ اہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ آسمانی شہزادے اس میں اس قدر محو اور مگن تھے کہ انہوں نے علوم غیب اٹھا ڈالے تاکہ اپنی خوشی

کے جوش کو ظاہر کریں اور اس جلیل القدر واقعہ کا مطلب سمجھائیں۔ اور وہ جیسے لوگوں سے ملنا چاہتے تھے۔ ویسے لوگ ان کو مل گئے اور وہ گڈریے تھے جو گیان دھیان میں مصروف اور دعا و مناجات میں مشغول ہو کر ان کھیتوں میں اپنے گلے چرا رہے تھے۔ یہ لوگ یہودی تاریخ بعض عجیب واقعات کا مظہر ہونے کی وجہ سے روحانی حقیقتوں کے پھولوں کا گویا ایک گلدستہ بنے ہوئے تھے۔ جس میں سے تازہ تازہ خیالات خوشبو کی طرح اٹھتے تھے۔ انہیں کھیتوں میں یعقوب اپنی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ یہیں روت ،بوعز کے نکاح میں آئی ۔ اسی جگہ داؤد نے جو عہد عتیق میں مسیح کا علامتی نمونہ تھا اپنی جوانی کے دن کاٹے تھے۔ سو یہ گڈریے ان یادگاروں کے مرکز میں اپنے دل کی مخفی ضرورتوں کا مطالعہ کرتے ہوئے آنے والے نجات دہندے کے بارے میں تازہ سبق لے رہے تھے۔ اس علم میں ان کے کی لیاقت ان فریسیوں پر سبقت لے گئی تھی۔ جو ہیکل کی شاندار عبادت میں اپنی زندگی بسر کیا کرتے تھے۔ اور نہ ہی وہ فقیہ اس امر میں ان کے ہم پلہ تھے جو پرانے عہد نامے کی نبوتوں کی ورق گردانی تو کیا کرتے تھے۔ مگر اس عمیق بحر میں جو موتی چھپا ہوا تھا اس کے دیکھنے کی آنکھ نہ رکھتے تھے۔ فرشتے ان گڈریوں کو بتایا کہ دنیا کا نجات دہندہ چرنی میں پڑا ہے۔ اور وہ یہ خبر پاتے ہی فی الفور اس طرف روانہ ہوئے تاکہ اس کے دیدار سے آنکھیں روشن کریں۔ ان گڈریوں کو ان مفلس اور غریب لوگوں کے نمائندے سے سمجھنا چاہیے جو کچھ عرصہ کے بعد بکثرت اس کے پیرو ہوئے۔

گڈریوں کے بعد شمعون ، اور انّاآئے جنہیں ان لوگوں کے نمائندے سمجھنا چاہیے جو مقدس نوشتوں کو بڑے عجز و شوق سے پڑھا کرتے اور ان کے معانی کو بھی سمجھتے تھے۔ ان دنوں اس قسم کے لوگ مسیح کے ظہور کے منتظر تھے اور ان میں سے کئی ایک نے بعد میں اس کی پیروی اختیار کی اور اس کے وفادار اور جان نثار شاگرد بنے۔ پیدائش سے آٹھ روز بعد معمول کے مطابق اس کا ختنہ کیا گیا اور اس طرح شریعت کے تابع اور عہد میں شامل اور اپنا نام اپنے خون سے لکھ کر اپنی قوم کے شمار میں داخل ہوا اور جب تھوڑی مدت بعد مریم کی طہارت کے ایاّم پورے ہوئے تو مسیح کو بیت الحم سے یروشلیم میں لائے تاکہ ہیکل میں خدا کے حضور نذر کریں۔ یہ کیسا عجیب سماں تھا ۔ گویا اس وقت ہیکل کا خداوند ، خداوند کی ہیکل میں داخل ہو رہا تھا۔ کاہنوں نے شاید کبھی کسی زائر کو ایسی کم التفاتی سے نہ دیکھا ہوگا جیسا مریم اس کے بچے کو دیکھا ،کیونکہ مریم اپنے ساتھ وہ قربانی نہیں لائی تھی جو عموماً ایسا موقعوں پر چڑھائی جاتی تھی۔ وہ فقط قمریوں کا ایک جوڑا لائی تھی جو کنگالوں کی قربانی سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ ہیکل کے کارگذاروں نے اسے نہ پہچانا پر بعض اہل بصیرت نے جن کی آنکھوں پر اس گندم نما جو فروش کے چمکیلے نظاروں کی جھلک سے چکا چوندی کا پردہ نہیں

چھا یا تھا اسے پہچان لیا۔ تنگ دستی کا پردہ ان سے اس کے جلال کو نہیں چھپا سکتا تھا۔ ان اہل نظرمیں سے ایک شمعون تھا جس نے اپنی بے شما ردعاوؤں کے جواب میں یہ وعدہ پایا تھا۔ کہ جب تک وہ مسیح کو نہ دیکھ لے تب تک اس دنیا ئے فانی سے کوچ نہ کریگا۔ اورجب اس نے مریم اوراس کے بچے کو دیکھا توفوراًیہ خیال بجلی کی طرح اس کے دل میں سے گزرگیا کہ یہی بچہ وہ نجات دہندہ ہے جس کے ے اشتیاق دیدارمیں مدت سے چشم براہ ہوں۔ اس نے اسے اپنی گود میں لیا اورغیرقوموں کے نوراوراسرائیل کے جلال کو دیکھ کر خدا کا لشکر ادا کیا۔ وہ اپنا کلام ہنوزختم نہ کرنے پایا تھا۔ کہ ایک اورگواہ ان موجود ہوا۔ یہ ایک خدا پرست بیوہ تھی جس کا نام اناّ تھا۔ جو مدت سے ہیکل ہی میں رہا کرتی تھی۔ اس کی آنکھیں دعا اوردروزاے کے سرمہ سے ایسی صاف ہو گئی تھی۔ کہ اس کی نظر ظاہری صورت کو دیکھنے سے اندرونی حقیقت کی تہ تک بآسانی پہنچ سکتی تھی۔ اس نے بوڑھے شمعون کی گواہی کی تائید کی اورس رازسے دیگر بند گان خدا کو جو اسرائیل کی نجات کی انتظاری میں تھے۔ آگاہ کیا، اب یہ چرواے اوریہ عمر رسیدہ مقدس تو اس جگہ کے نزدیک ہی رہا کرتے تھے۔ جہاں یہ نئی طاقت دنیا میں داخل ہوئی مگر اس عجیب واقعہ نے دوردرازممالک مینبھی اثر پذیر دلو ں پر عکس جا ڈالا ۔ جب مجوسی اسے دیکھنے آئے تو اس وقت غالباً وہ ہیکل میں جا چکا تھا۔ اوراس کے ماں باپ اسے بیت الحم کو واپس لے گئے تھے۔ تاکہ وہیں بودوباش اختیارکریں اورناصرت کو واپس نہ جائیں۔ یہ مجوسی ان ممالک کے رہنے والے تھے۔ وہ گویا گنجینہ علوم کے محافظ تھے جس میں سائنس اورفلسفہ اورطب شامل تھے اوردینی رازوں کے خزانوں کی کنجیاں بھی انہیں کے سپرد تھیں۔ ڈے سیٹس اورسوٹائینس اوریوسیفس جیسے نامورمورخ بتاتے ہیں کہ جن ممالک سے یہ لوگ آئے تھے۔ وہاں ان دنوں اس بات کا انتظارعالمگیر تھا کہ ملک یہودیہ میں ایک بادشاہ پیدا ہونے والا ہے اورہمیں قابل منجم کپلر کے حساب سے معلوم ہوا ہے۔ کہ انہیں ایاّم میں سطح آسمان پر ایک چند روزہ مگر نہایت چمکتا ہوا ستارہ[1] نمودارہوا تھا۔ اب یہ ، مجوسی

---

[1] اس ستارے کی نسبت جو کچھ مشہور منجم کپلر نے کہا ہے۔ اس سے زیادہ یہ واقف ہونے کے لئے فیرر اور انڈریور صاحبان کی کتابوں کو دیکھنا چاہیے۔ ان میں یہ مفصل ذکر پایا جاتا ہے۔ کہ کس طرح کپلر نے ۱۶۰۳ء اور ۱۶۰۴ء کے دور میں پہلے زحل اور مشتری کا قرآن معلوم کیا اور پھر یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد مریخ بھی ان سے آملا اور پھر زحل اور مشتری کے درمیان ایک نیا ستارہ دیکھا جو اپنی چمک دمک میں زہرہ سے بھی کہیں بڑھ کر تھا۔ یہ قرآن قریباً آٹھ سو سال کے بعد وقوع میں آتا ہے اور حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن دنوں ہمارا خداوند پیدا ہوا ان دنوں یہ قرآن واقع ہوا تھا۔ اور یہ ستارہ بھی جو کپلر نے زحل اور مشتری کے مابین دیکھا اس وقت غالباً دکھائی دیا ہو گا۔ مجوسیوں کے ستارے کی نسبت تین رائیں مروج ہیں۔ اوّل یہ کہ اس ستارے سے وہ قرآن مراد ہے۔ جو کپلر صاحب کے حساب کے مطابق مسیح کی پیدائش سے ذرا پہلے واقع ہوا۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن میں فقط دو سیارے ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں۔ مگر مل کر ایک نہیں ہوتے۔ اس کے جواب میں وہ لوگ جو قرآن والی تھیوری کو مانتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں، کہ یونانی لفظ ستارے کے لئے بھی آتا ہے۔ دوسرا خیال یہ ہے کہ وہ ستارہ وہی تھا۔ جو زحل اور مشتری کے درمیان دکھائی دیا اور

علم نجوم کے بڑے شائق تھے۔ اور مانتے تھے، کہ غیر معمولی اظہار جو سطح آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سطح زمین پر بھی کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہو گا۔ پس ممکن ہے کہ انہوں نے اس ستارے کو جس کی طرف ان کی توجہ ہوئی ہو گی اور اس عالمگیر انتظار کو جو ان کے ممالک میں پایا جاتا تھا۔ کہ پہلو یہ رکھ کر زیادہ جوش حاصل کیا ہو کہ چلیں اور چل کر دیکھیں، کہ جس بات کی انتظاری مینے قراری ہو رہی ہے۔ وہ ابھی پوری ہوئی ہے یا نہیں، ناممکن نہیں کہ اس کے ساتھ ہی اپنی ذاتی محتاجی اور بے کسی کو بھی پہچانا ہو اور آسودگی کی خبر عالم غیب سے پائی ہو۔ پس ممکن ہے کہ گو ان کی تلاش کا آغاز محض ایک علمی شوق اور تصور پر مبنی ہو سکتا ہے۔ تو بھی خدا نے انہیں کامل صداقت کی راہ دکھائی۔ خدا ہمیشہ اسی طرح کیا کرتا ہے۔ مثلاً ہم ناکاملوں کو لعنت ملامت کرنے کی جگہ وہ ہمارے ساتھ ایسی زبان میں ہم کلام ہوتا ہے جو ہم سمجھ سکتے ہیں خواہ اس کا مطلب ادھورے طور پر ہی ظاہر ہو، اور یوں وہ ہمیں کامل صداقت، کی طرف لے چلتا ہے جس طرح اس نے اسٹرالوجی (علم نجوم) سے دنیا کو اسٹرانومی (ہیت) تک پہنچایا اور مہوسوں کی کیمیا گری کے پہنچہ سے رہا کر کے حقیقی علم کیمیا (کمسٹری) کا دروازہ دکھایا اور جسا طرح "ریولول آف لرننگ" کے بعد آفتاب ریفارمشن کو طلوع کیا اسی طرح اس نے لوگوں کے علم سے کیا جو پہلے نصف سے زیادہ لغو اور باطل ہو گا یعنی اسی کے وسیلے سے انہیں دنیا کے نور کے حضور لے گیا۔ ان کا آنا گویا اس بات کی نبوت تھا کہ آنے والے زمانوں میں کس طرح غیر قومیں اس کی تعلیم اور نجات کو قبول کریں اور کیونکہ اپنی دولت اور حکمت اپنا علم اور فلسفہ اسکے پاؤں پر نثار کر ڈالیں گے۔

یہ لوگ تو اس کے گہوارے کے اردگرد اس لئے جمع ہوئے تھے کہ اس کے ساتھ سر نیاز خم کریں۔ چنانچہ گڈریئے اپنی سادی سی ہیئت کے ساتھ اس کے حضور سرنگوں ہوئے۔ شمعون اورانا اس گہری تعظیم کے ساتھ جو صدیوں کی دانائی اور دینداری سے پر تھی اس کے سامنے سربسجود ہوئے اور مجوسیوں نے بڑے بڑے نذرانوں اور مایہ علم کے ہدیوں کے ساتھ ڈنڈوت کی۔ ادھر یہ لوگ اس کے در پر سجدے کر تے ہیں ادھر ایک اور شخص نمودار ہوتا ہے جس کے چہرے سے دغا اور خونریزی کے آثار ظاہر ہیں۔ یہ ہیرودیس ہے جو اس ملک کا بادشاہ ہے اور اس وقت درحقیقت ایک اجنبی کمینہ اور غاصب آدمی تھا اس کی ماں عربی تھی اور باپ ادومی تھا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ تخت نشین ہوا تو ممبران سہڈرم نے کمال سے اس کو

تیسرا یہ ہے کہ وہ بالکل ایک نیا ستارہ تھا جو خدا نے اپنی قدرت سے انہیں دنوں معجزانہ طور پر خلق کر کے سطح آسمان پر ظاہر فرمایا۔ ڈاکٹر سٹاکر کی رائے جو متن میں درج ہے۔ زیادہ صاف اور مشکلات سے بری معلوم ہوتی ہے۔

آگاہ کیا کہ ہم بموجب استثنا 15:17 کے ایک اجنبی کو اپنا بادشاہ نہیں بنا سکتے ۔ ہیرودیس نے ان میں سے کئی ایک کو مروا ڈالا ۔ اس کی رعایا اس سے نفرت رکھتی تھی اوراگر وہ اپنے تخت پر قائم تھا تو رومیوں کے طفیل سے تھا اس میں شک نہیں کہ وہ ایک قاتل اورحریص اورشان و شکوہ کو پسند کرنے والا آدمی تھا مگر اس کے ساتھ ہی وہ ظالم اورفریبی اورمردہ اورپلید دل بھی رکھتا تھا ۔ اس کا ثانی سوا مشرقی ظالوں کے اور کہیں نہیں مل سکتا ۔ کوئی ایسا جرم نہ تھا جس کا مرتکب وہ نہ تھا ۔ اس کے محل خون میں تیر رہا تھا اپنی چہتی بیوی کو اس نے قتل کیا اپنے تین بیٹوں کا خون اس نے پیا اوراپنے کئی رشتہ داروں کو تلوار کے گھٹ پار اتا را ۔ ان دنوں بڑھاپے کا عالم تھا ۔ کبھی بیماری دکھ دیتی تھی اورکبھی نا کردنی افعال کی مذامت اس کو ستاتی تھی ۔ کبھی یہ خیال بے آرام کرتا تھا کہ لوگ مجھ کو پسند نہیں کرتے اورکبھی تخت کے دعوے داروں کی دعوے داری کا ڈرگلے کا ہاربن جاتا تھا ۔ مجوسی قاعدے کے مطابق پہلے دارالسلطنت کی طرف آے تا کہ دریافت کریں کہ جس کا ستا رہ انہوں نے سوال ہیرودیس سے کیا تو اس کے پردبر چھیا ں چلنے لگیں ۔ لیکن اس نے اپنے خیالات کو بڑی احتیاط سے شیطانی ریا کا ری کے پردے تلے چھپا رکھا اورکا ہنوں سے پتہ لے کر کہ مسیح بیت لحم میں پیدا ہو گا ان پر دیسیوں کو وہاں جانے کی ترغیب دی اور کہا کہ لوٹتے وقت ضرور مجھے وہ گھر بتاتے جانا جہاں وہ نیا بادشاہ سکونت پذیر ہے ۔ وہ اپنے خیال میں یہ سمجھے ہوئے تھا کہ میں اسے ایک ہی ضرب سے چکنا چورکر ڈالوں گا لیکن اس کے تمام خیالات بیکارنکلے کیونکہ مجوسی خدا سے آگہی پا کر دوسری راہ سے وطن کو روانہ ہوئے اور پھر کبھی ہیرودیس کے پاس واپس نہ آے ۔ یہ دیکھ کر ہیرودیس کے غضب کی آگ بھڑک اٹھی ۔ اوراس نے اپنے سپاہیوں کوا روانہ کیا کہ جا کر تمام بچوں کو جو دوبرس[1] سے نیچے تھے ،ہلاک کر ڈالیں پر اگر وہ پہاڑی چٹان کو

---

[1] اس ظالمانہ واقعہ کے بارے میں بعض لوگ اعتراض کرتے ہی کہ یہ واقع سرزد نہیں ہوا کیونکہ یہودی مورخ جوسیفس اس کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کرتا اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ ہیرودیس نے طرح طرح کے ظلم کئے جن کا شمار کرنا آسان نہیں ۔ پس اگر اس کی بے شمار ظالمانہ حرکات میں سے جوسیفس نے بعض کا ذکر نہ کیا تو کچھ تعجب کی بات نہیں اور یہ جواب تسلی بخش معلوم ہوتا ہے ۔ اصل میں متی کے الفاظ "دو دو برس کے یا ان سے چھوٹے "پڑھنے والے کو کسی قدر حیرت میں ڈال دیتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو بچے قتال کئے گئے تھے ان کی بے شمار کو پیش کرتے ہیں اور ان کے قتل کئے جانے کی خبر جا بجا پھیل گئی ہو گی پر ہم بعض علماء کے قیاسوں کو پیش کرتے ہیں جن کے مطابق لڑکون کا شمار بہت قلیل نظر آتا ہے ۔ انڈریوز صاحب ایک شخص کی رائے اسی کے لفظوں میں اس طرح رم کرتے ہیں "صرف وہی لڑکے اس شمار میں داخل تھے جہنوں نے دوسرا سال شروع کیا تھا" اور ایک اور عالم یہ کہتا ہے کہ فقط وہی لڑکے مراد ہیں جو تیرہ مہنے کے تھے بعض علما نے حساب لگا کر یہ رائے دی ہے کہ بیت الحم کے باشندئے ۵۰۰۰۰ ہزار کے قریب تھے لہٰذا وہ لڑکے جو قتل کئے گئے ۹۰ سے زیادہ نہ ہوں گے اور بعضوں نے بیت لحم کے باشندوں کی تعداد ۲۰۰۰ بتائی ہے اور مقتول لڑکوں کی تعداد ۱۵۰ اور بعضوں نے یہ کہا ہے کہ ان کا شمار دس یا پندرہ سے زیادہ نہ ہوگا جو سیفیس ہیرودیس کی نسبت تحریر کرتے ہوے یوں کہتا ہے "وہ (یعنی ہیرودیس) سب بنی آدم پر ظلم کرتا رہا تھا اور انسانیت سے بالکل بے بہرہ تھا" ۔ پس جس شخصنے اپنی بیوی کو قتل کیا اور اپنے بچوں کا خون پینے سے دریغ نہ کیا اور مرتے دم بھی غضبناک ہو کر یہ خواہش ظاہر کی کہ اس کے تمام امراء قتل کئے جائیں تا کہ ان کا جنازہ بڑی دھوم دھام سے اٹھے اگر ایسا شخص چند بچوں کو مرواڈالتا تو یہ ان لوگوں کے لئے

ہوائی ضربوں سے چکنا چورکر سکتا تو خدا کے ارادوں کو بھی کاٹ ڈالتا ۔ اس نے مرغ بلند پرواز کو شکارکرنے کے لئے اپنی تلوارگھونسلے ؛پر چلائی ، پر وہ پہلے ہی سے لڑ کے اڑگیا تھا یعنی لکویوسف مصر لے گی ااورہیرودیس کی موت تک وہیں رہا جب ہیرودیس ملک عدم کو روانہ ہوا تو وہ ناصرت کو واپس آیا اوروہاں رہنے لگا کیونکہ بیت لہم لجانے سے خدا نے اس کو روک دیا تھا وجہ یہ تھی کہ بیت لحم ہیرودیس کے بیٹے ارخلاوس کی حددو میں واقع تھا جو اپنے قاتل باپ کا ہم مزاج اورہم طبع بیٹا رتھا ۔ ہیرودیس کی خوبی آنکھوں کا اس بچے کی؛ طرف دیکھنا اس بات کی افسوس ناک نبوت تھی کہ دنیا کی طاقتیں اسے ستایئں گی اوراس کی زندگی کے درخت کو باغ عالم سے کاٹ ڈالیں گی ۔

ناصرت میں خاموش زندگی ۔مسیح کی پیدائش سے لے کر مصر جانے تک جو واقعات سرزد ہوئے وہ تو مفصل طورپر انجیلوں میں قلمبند ہیں لیکن ناصرت ست واپس آنے کے بعد اس تفصیل کا سلسلہ کٹ جاتا ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہی کہ اس کی عام خدکے آغازا تک جوکچھ واقع ہوا اس پر ایک پردہ سا پڑا ہے جو صرف ایک ہی مرتبہ اٹھایا جاتا ہے اس میں شک نہیں کہ ہمارے دل تو یہ چاہتے ہیں کہ؛ جس طرح ولسبط کے ساتھ مصر ست واپس آنے تک اس کی زندگی کے واقعات کا سلسلہ چلا آیا تھ اسی طرح اس کی پبلک خدمت کے شروع تک برابرچلا جاتا اوروقائع نویس خاموش نہ ہوتے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں جو سوانح عمریاں تحریر کی جاتی ہیں ان میں بچپن کے زمانہ کی دلچسپ حرکات وسکنات کو ابھری ہوئی جگہ دی جاتی ہے اوراس کی یہ وجہ ہے کہ جو واقعات اس عرصہ میں سرزد ہوتے ہیں وہ گویا اس بات کی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۹) جواس کی طالمانہ طبعیت سے بخوبی واقف تھے تعجب کا باعث نہ ہوتا پس ممکن ہے کہ یہودی مورخ جوسیفس جواس واقعہ سے نہت مدت بعد لکھنے لگا اس سے واقف نہ تھا اور اگر تھا تو بھی لازام نہ تھا کہ وہ اس کو ضرور لکھتا۔ بعض اشخاص نے اس کی خاموشی کے یہ بواعث پیش کئے ہیں۔

اوّل۔ کہ وہ ان باتوں کو جو سچی امیدوں سے وابستہ تھیں ظاہر کرنا چاہتا۔

دوئم۔ یہ کہ وہ کوئی ایسی بات اپنی تحریر میں درج کرنا نہیں چاہتا تھا جس سے مسیحی مذہب کی طرف توجہ کھینچی جائے۔ غالباً کہ یہ وجوہات صحیح ہیں اور اگر نہیں ہیں اور اگر ہیں تو بھی کچھ ہرج نہیں کیونکہ ہم متی کے بیان کو رد نہیں کر سکتے۔ صرف وہی لوگ اس کی معتبری پر شک لاتے ہیں جو ہر واقعہ کے ثبوت میں یہودی یا غیر قوموں کی تواریخ سے تائید طلب کرتے ہیں۔

غیر قوم مورخوں نے بھی اس کا ذکر اپنی کتابوں میں نہیں کیا اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ان کی دانست میں یہودیہ رومی مقبوضات ہیں ایک ادنی درجہ کا ملک تھا، اور اس کے بعض واقعات کو غیروں کے لئے کچھ دلچسپی نہیں رکھتے تھے رقم کرنا انہیں بہت ضروری معلوم نہ ہوا۔ اس شخص نے جس کا نام مکروبی اس تھا اور مسیحی نہ تھا یہ لکھا ہے کہ جب اگتس (شہنشاروم) نے سنا کہ آراوم کے ان دو دو برس کے لڑکوں میں جن لکے قتل کرنے کا حکم ہیرودیس نے دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔۔ ہیرودیس کا بھی ایک لڑکا تھا تو اس نے کہا کہ ہیرودیس کا بیٹا بننے کی نسبت اس کے سواروں میں شامل ہونا بہتر ہے۔

نبوت کرتے ہیں کہ؛ جس شخص کی زندگی سے وہ علاقہ رکھتے ہیں وہ آیندہ کیا ہوگا اورکیا کریگا یا یوں کہیں کہ چھٹپن کے واقعات ہونا ربروا کے چکنے چکنے پات ہوتے ہیں پس اگر کوئی ہم کو یہ بتا دے کہ مسیح کی زندگی کے اس عرصہ میں اس کی ایسی عادتیں تھیں ،ایسے ایسے اس کے دوست تھے تو شاید اس علم کے لئے اس کے خیالات اورالفاظ اورکام تھے تو شاید اس علم کے لئے ہم اپنی جان تک دینے کو تیارہو جاہیں لین ان تمام باتوں پر مہر لگی ہوئی ہے اورخاموشی کی دیوارپر سے جو اس چمنستان کو چاروں طرف دامن اشتیاق میں پھنیکا جاتا ہے جوا اپنے رنگ وبو سے مشتے نمونہ ازخروارے کا کام کرکے ہمیں اوربھی اس خواہش سے بھرجاتا ہے کہ اگر ممکن ہوتو کل باغ کی سیرکریں ۔لیکن خدا کو پسند آیا کہ اس باغ کے دروازے بند رہیں اورہم جانتے ہیں کہ خدا کی خاموشی اس کے بولنے سے کچھ کم عجیب نہیں ہوتی ۔

لیکن یہ بات انسان کی ذات میں داخل ہے کہ جب خدا کسی بات کو چھپاتا ہے اورآدمی اسے جاننا چاہتا ہے تو اس کی قوت واہمہ اپنا کا م وع کردیتی ہے او ر تھوڑے عرصہ میں خالی صفحہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے قیاسوں سے بھر دیتی ہے اسی طرح کلیسیا کے ابتدائی زمانہ میں ہوا کہ جعلی انجیلیں شائع کی گیئں تا کہ جس زامانہ کی نسبت اصل انجیلیں خاموش ہیں اس کے واقعات کی کیفیت رقم کریں اورہم دیکھتے ہیں کہ ان میں مسیح کی طفولیت کی باتیں اورکام کثرت سے قلمبند ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے بڑے کا م کو انجام دینے کے لئے انسا ن کی قوت متخیلہ کا فی نہیں اورجب ہم ان انجیلوں کو موجودہ اناجیل کے مقابل رکھ کردوانوں کا ملاحظ کرتے ہیں صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ حقیقت کیا ہے ۔ ایک کا م البتہ وہ انجیلیں کرتی ہیں اوروہ یہکہ جس جعل اوربناوٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ جھوٹی اورمروجہ اناجیل صحیح ہین ۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ گویا مسیح ادنے قسم کی کرامات اورغیر ضروری اچنھبے دکھاتا پھرتا ہے ۔ کہیں دکھا تا پھرتا ہے کہیں مٹی کے جانوربنا کر ہوا میں اڑاتا ؛ہے اور کہیں اپنے ہم جولیوں کو بکری کے بچوں میں تبدیل کر کے حاضرین کوتماشہ دکھا تا ہے ۔ غرضیکہ یہ قیاسی انجیلیں نکمی باتوں بلکہ کنرآمیز کا طومارہیں ۔

اوراس انسانی ناکامی سے ہم کویہ نصیحت ملتی ؛ہے کہ اس مقدس جگہ کے اند رواہمہ کی رسائی نہیں اوراکہ ہمارے لئے فقط اتنا جاننا کا فی ہے کہ مسیح دانا ئی اورقدوقامت میں خدا اورانسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا ۔ وہ ہوا کا پتلا نہ تھا بلکہ واقعی ایک حقیقی بچہ اورحقیقی لڑکا تھا اورنشوونما کے قدرتی قوانین کے مطابق بڑھتا اورسیاناہوتا گیا ۔ جسم اوردماغ معمول کے مطابق برابر برابر ترقی کرتے گئے ،۔جسم نے نشوونما

پا کر جوانمردی کا پھل دیا اوردماغ کے شگوفہ میں حکمت اردانائی کا میوہ لگااس کی خصلت کے ابتدائی حسن وجمال نے شروع ہی سے دیکھنے والوں کو اپنی خوبی اورپاکیزگی کا گرویدہ بنالیا۔

اب اگر چہ یہ صحیح ہے کہ اس معاملہ میں اپنی قوت واہمہ کو حدا اعتدال سے باہر نہ جانے دینا چاہیے تو بھی ہمیں اس بات کی ممانعت نہیں بلکہ یہ ہمارا عین فرض ہے کہ ہم اس زمانے کے اوضاع واطوار اوررسم ورواج کو مدنظر رکھ کر یا ان واقعات سے جو بعد میں اس کی زندگی میں سرزدہ ہوئے امدد پا کر اس کے زمانہ طفلی کو اس کے عرصہ خدامت سے ربط دیں۔ ایسا کرنے سے ممکن ہے کہ ہم کسی قدراس بات کا پتہ لگ جائے کہ اس کی طولیت کا عالم اوع شباب کا زمانہ کیسا تھا۔ اورکہ وہ کیسے تاثیرات کے درمیان اتنے برسوں تک خاموشی میں ترقی کرتا گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ جن خانگی تاثرات کے درمیان اس نے پرورش پائی وہ کیسے تھے۔ اس کا گھر ان گھروں میں سے تھا۔ جنہیں ملک کا فخر سمجھا چاہیے۔ یا یوں کہیں کہ اس کا مسکن خداپرست اورخرد مند اور مخت کش لوگوں کا گھر تھا۔ یوسف جو اس گھرانے کا سرگروہ تھا نہایت دینداراوربڑا بافراست آدمی تھا۔ مگر چونکہ اس کا ذکر خداوند مسیح کی سوانح عمری کے آخری ابواب مین بہت کم آتا ہے۔ اس لئے لوگ خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ کانگی ذمہ داری کابوجھ مسیح پر چھوڑکر راہی ملک بقا ہوگیا تھا۔ پس گمان غالب ہے کہ جن خارجی تاثیرات نے مسیح کی نشوونما میں حصہ لیا وہ بیشتراس کی ماں کی طرف سے آئی تھیں۔اس کی عظمت کا موازنہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ دنیا کی عورتوں میں سے وہی انتخاب کی گئی کہ مسیح کی ماں بننے کے عالی رتبہ سے ممتازکی جائے جوگیت اس نے اپنی اس خدا داد عزت اورمقدرت پرگا یا اس سے عیاں ہے کہ وہ بڑی پارسا عورت تھی جو شاعرانہ طبیعت اورحب الوحنی کی صفت سے بہرہ ور تھی۔ اسی گیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاک نوشتوں کا مطالعہ کرنے والی اورپرانے عہد کی دیندارعورتوں کی خصلت پر غورکرنے والی عورت تھی۔ کیونکہ یہ گیت عہد عتیق کے خیالات سے پُر اورحنہ کے گیت کے تصورات سے مملوہے۔ ہاں وہ ایسی عورت تھی۔ جوایک طرف زیورحلم سے آراستہ تھی۔ اوردوسری جانب یہ لیاقت بھی رکھتی تھی۔ کہ اس عزت جو اسے بخشی گئی تھی۔ بخوبی محسوس کرے پر وہ آسمان کی ملکہ نہ تھی۔ جیسا کہ باطل پرستی نے اسے بنانے کی کوشش کیہے بلکہ وہ ایک پاک اورمقدس اورپُر محبت اوربلند مزاج عورت تھی۔ اورکیا ان حمیدہ صفات کا ہالہ کافی نہیں؟ مسیح نے اس کی محبت کے زیر سایہ پرورش پائی اوراس محبت کا جواب فرزندانہ محبت میں ادا کیا۔

لیکن اس گھر میں اوربھی کئی لوگ رہتے تھے۔ اس کے کئی بھائی اورکئی بہنیں تھیں۔ان میں سے دویعنی یعقوب اوریہواده کے خطوط نئے عہد نامه میں مندرج ہیں۔ اوران کے مطالعه سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ کس خصلت کے آدمی تھے۔ شاید کہنا گستاخی نه ہوگا که ان کے خطوط میں کسی قدرسختی پائی جاتی ہے۔ اس سے یہ نتیجه نکل سکتا ہے که ایمان لانے سے پہلے وہ سخت گیراورہمدردی میں قاصر تھے۔ بہرحال یہ ثابت ہے که وہ اس کے جیتے جی اس پر ایمان نه لائےاورغالباً ناصرت میں کبھی اس کے ساتھ شیر وشکر نہیں ہوئے تھے۔ وہ غالباً بیشترتنہائی میں زندگی بسرکرتا تھا۔ اوراس کا وہ اندوہناك ناله جوان الفاظ سے ٹپکتا ہے۔ که بنی اپنے وطن اوراپنے گھر کے سوا اورکسی جگه بے عزت نہیں ہوتا۔ نه صرف اس بدسلوکی کی خبردیتا ہے۔ جواسے اپنے ایام خدمت مینپیش آئی بلکه اس زمانے کی سرد مہری پربھی اشارہ کرتا ہے۔

اس نے اسی مکتب میں اوشاید اسی فقه سے تعلیم پائی ہوگی جواس گاوں کے عبادت خانه سے علاقه رکھتا تھا۔ اس کی علمی استعداد بظاہر ایک غریب آدمی کی تعلیم سے زیادہ نه تھی اوراسی واسطے فقیه طنزاً کہا کرتے تھے۔ که وہ کچھ نہیں جانتا پرگواس نے کسی کالج میں تربیت نہیں پائی تھی۔ توبھی شروع ہی سے علم کی محبت اس کے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ اوروہ ہر روز گہری سوچ اورفرحت بخش خیالات کی لذت سے محظوظ ہوتا تھا۔ حقیقی علم کے دروازے کی کلید اس کے ہاتھ میں تھی یعنی وہ ایک وسیع دماغ اورمحبت سے بھرہوا دل رکھتا تھا۔ اورتین بڑی بڑی کتابیں ہر وقت اس کے سامنے کھلی رہتی تھیں یعنی بائبل، انسان اور کائنات۔

وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ پرانے عہد نامه کی تلاوت کیا کرتا ہوگا۔ اس کا کلام جوپرانے عہد نامے کے اقتباسوں سے بھرا ہوا ہے۔ ثابت کرتا ہے که یہ پاك نوشتے اس کی روح کی غذا اوراس کے دل کی تسلی کا باعث تھے۔ نے شروع جوانی میں جو مطالعه کیا وہ بعد میں بہت کام آیا، چنانچه ہم دیکھتے ہیں که وہ بڑی آسانی اور سرعت سے اس کلام کا کام میں لاتا ہے۔ تاکه اپنی منادی کواس سے زیب دے اوراپنی تعلیمات کواس کے وسیلے سے تقویت بخشے اوراپنے دشمنوں کا منه اس کی شہادت سے بندکرے اورشیطان کی آزمائشوں پراس کے زورسے غالب آئے۔ اس کے اقتباسوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ که وہ ان نوشتوں کی اصل عبرانی میں پڑھا کرتا تھا۔ نه که یونانی ترجمه جواس وقت عموماً استعمال کیا جاتا تھا۔ البته اس وقت عبرانی زبان کا رواج ملك فلسطین سے بھی اٹھ گیا تھا۔ اورجس طرح اب ملك اٹلی میں لاطینی یا ہندوستان میں سنسکرت مردہ زبانوں کے زمرے مینشامل ہے اسی طرح مسیح کے زمانے میں عبرانی تھی پرتوبھی ہم کہه سکتے ہیں۔ که اس کی دلی آرزو

یہی ہو گی کہ وہ کلام اللہ کو اصل زبان میں پڑھے جن لوگوں کو وسیع تعلیم حاصل کرنے کا موقعہ شروع میں نہیں ملا اور جنہوں نے خود باد جود طرح طرح کی مشکلات کے یونانی سمجھنے کی استعداد بہم پہنچائی ہے۔ تاکہ نئے عہد نامہ کو اصل زبان میں پڑھ سکیں ۔ وہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس نے کس طرح ایک گاؤں میں رہ کر اس قدیم زبان کو سمجھنے کا ملکہ پیدا کیا ہوگا اور کیسے ذوق و شوق کے ساتھ عبادتخانہ کے طوماروں کو لے کر یا اس نسخہ کو جو اس کے پاس ہوتا ہوگا ۔ کھول کر مقدس نوشتوں کی تلاوت کی ہو گی ۔ لجس زبان کو وہ عموماً سوچتے اور بولتے وقت کام میں لاتا تھا۔ وہ ارمنی تھی اور جو اسی قدیم زبان کی شاخ تھی۔ جس کی ایک شاخ عبرانی بھی ہے۔ اس کے جو الفاظ اس زمانہ تک پہنچے ہیں۔ ان میں کہیں کہیں اس زبان کے بعض جملے موجود ہیں مثلاً "تالیتا قومی "اور"ایلی ایلی لما سبقتنی " وغیرہ اور یونانی سیکھنے کا موقع اسی طرح اسے بھی حاصل تھا جس طرح سکاٹ لینڈ ہائی لینڈز کو انگریزمی یا پنجابیوں کو اردو سے کھنے کا حاصل ہے۔ غیرقوموں کا جلیل اس وقت یونانی بولنے والوں سے پُر تھا ۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ تین زبانوں سے بخوبی واقف تھا جن میں سے ایک عبرانی تھی جسے مذہبی معاملات کے اعتبار سے دنیا کی زبانوں میندینی زبان کہنا چاہے ے ، اس کے نوشتوں سے وہ بخوبی ماہر تھا۔ اوردوسری یونانی تھی۔ جو دنیاوی علوم و فنون کے خیالات کو ادا کرنے میں اپنا ثانی نہیں کررکھتی تھی۔ البتہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ یونان کے بڑے بڑے مصنفوں کی تصانیف سے بھی واقف تھا کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا اورتیسری ارمنی تھی جو عام لوگوں کی زبان تھی۔ جسے اس نے اپنے وعظ و نصیحت کے کام میں زیادہ استعمال کیا ۔

انسانی طبیعت کا علم اورکسی جگہ ایسی اچھی طرح حاصل نہیں ہوتا جیسا کہ دیہات میں ہوتا ہے ۔ ایک چھوٹے سے گاوں میں ہم پانے ہمسایوں کے مفصل حالات سے بلکہ ہر شخص کی زندگی کے نشیب وفراز سے بخوبی واقف ہو جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں ہم زیادہ لوگوں سے میل ملاپ رکھتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں بہت تھوڑوں سے اچھی طرح سے واقف ہوتے ہینکیونکہ شہروں میں صرف زندگی کی سطح دکھائی دیتی ہے۔ لیکن گاؤں میں سطح کا دکھاوا بہت گم ہوتا ہے۔ اوروہ باتیں جو دل کی تہ سے نکلتی ہیں ریا کاری کی ملمع سازی سے بری ہوتی ہیں۔ ناصرت بُرے باشندوں کے لئے مشہورتھا جیسا کہ اس ضرب المثل سوال سے سے مترشح ہے۔ کیا ناصرت سے کوئی اچھی چیز نکل سکتی ہے۔ مسیح کی ذات میں گناہ کا تخم نہ تھا پر اس قصبہ میں رہنے سے اس نے گناہ کی گرم بازاری کو خوب دیکھا یا یوں کہ جس بات سے اسے عمر بھر لڑنا تھا۔ اس کے زورشور کو اچھی طرح محسوس کیا اورپھر اپنے پیشے کے وسیلے سے بھی اسے انسانی

خصلت کو معائنہ کرنے کا موقع ملا ۔ وہ یوسف کی دکان میں بڑھئی کا کام کیا کرتا تھا۔ اوراس کی عجیب منادی سے متحیرہوکر کہتے ہیں۔ کیا یہ بڑھئی نہیں ہے۔ پر اس بات کی خوبی اورمطلب کی تہ تک پہنچنا کہ کیوں خدا نے سب بڑے بڑے عہدوں کو چھوڑکر اپنے بیٹے کے لئے ایک پست کام منتخب کیا آسان نہیں ہے؟ اتنا صاف ظاہر ہے کہ اس سے انسانی محنت اورمشقت کے سر پر ابدی شرافت کا تاج رکھا گیا ۔ اس سے مسیح نے سینکڑوں لوگوں کے دلی خیالات سے واقفیت حاصل کی اورجانا کہ انسان میں کیا ہے بعد میں اس کے حق میں کہا گیا کہ وہ انسان سے ایسا واقف تھا کہ اس بات کا محتاج نہ تھا ۔ کہ کوئی اس فن میں اسے درس دے۔

سیدنا مسیح کا بڑھئی کی دکان میں بیٹھ کر کام کرنا کئی نصیحت خیز اورحوصلہ افزاءباتیں ہمیں سکھاتا ہے۔

ہماری خوش قسمتی سے مرقس کی انجیل میں وہ الفاظ محفوظ ہینجو اس کے مخالف طنزاً کہا کرتے ہیں۔ کیا یہ وہی بڑھئی نہیں؟ یہ الفاظ جیسا ہم نے اوپر کہا بنی آدم کی محنتوں کو وہی زیب دیتے ہیں۔ جو بادشاہوں کو افسر شاہانہ سے حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے افلاس کے زخموں کے لئے مرہم کا کام دیا ۔ غریب مزدور کے حوصلے بڑھائے اورسب سے بڑھ کر بنی آدم کو یہ سبق دیا کہ انسانیت میں ایک جوہر ہے۔ جو آپ ہی آپ اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ اوراس بات کا محتاج نہیں کہ سونا چاندی اس کی رونق کو دوبالا کرے ۔

(۱)اب لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہمارا خداوند شروع ہی سے ایک غریب آدمی تھا۔ نہ صرف منادی کے تین سال میں وہ بے زرمعلوم ہوتا ہے بلکہ بچپن ہی سے دنیوی عیش وعشرت کے سازوسامان سے ناآشنا تھا۔ بڑے بڑے شہروں میں تو غالباً یونانی بڑھئی کام کیا کرتے تھے۔ اوروہ اپنے فن میں ماہر ومشتاق ہونے کے سبب سے فارغ البالی اورچین سے زندگی بسر کرتے تھے۔ لیکن یوسف فلسطین کے ایک قصبے کا بڑھئی تھا اوراگر روایت صحیح ہے تو اپنے کام مین پوری پوری مہارت بھی نہیں رکھتا تھا۔ سو وہ ایک عام درجہ کا آدمی تھا۔ جس کی آمدنی فقط خانگی ضروریات کے لئے کافی ہوتی ہوگی ، ایک ہر زمانہ میں دولت کے نہ ہونے سے بے چینی میں تڑپتے ہیں۔ اورجن کو س دنیا کا مال نصیب ہو جاتا ہے۔ ان کو دنیا کے لوگ خوش قسمت سمجھتے ہیں۔ ہم خوشی کو دولت کی باندی سمجھتے ہیں۔ پر اس غلط فہمی سے طرح طرح کی فکر اورقسم قسم کے حاسدانہ خیالات پیدا ہوتے ہیں ۔ اسی لئے مسیح نے قصداً غریبی کی حالت اختیارکی پر اس کی غریبی وہ غریبی نہ تھی۔ جوآدمی کو افکار کی چکی میں پیس ڈالتی ہے۔ اوراس کے خیال کو ہر وقت کھانے اورکپڑے کی دھن میں لگائے رکھتی ہے اورآخر کار اسے شرافت کے پایہ سے گرا کر رذیل اورپست ہمت بنا دیتی ہے ۔ اس کی

غریبی ایسی غریبی تھی ۔ جو اس دنیا میں بہت لوگوں کے حصے میں آتی ہے ۔ اس قسم کی غریبی میں البتہ عیاشی کی جگہ نہیں ملتی مگر زندگی کی تمام سادہ ضروریات بخوبی رفع ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ادومی خاندان جو اب داو□د کے تخت و تاج کا وارث بنا ہوا تھا۔ ان عیاشوں اوراوباشیوں میں ڈوبا ہوا ہوگا۔ جو دولت کی کثرت سے پیدا ہوتی ہیں مگر مسیح ان سے بری تھا اورزیبا بھی یہی تھا۔ کہ وہ جو تمام بنی آدم کا ہمدرد دوست اور نجات دہندہ اوربادشاہ بن کرآیا تھا۔ ایسی حالت اختیارکرتا جو بہت لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ اورہمیشہ آتی رہے گی۔

(۲)اورپھر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ انسان کی طبیعت ہمیشہ سستی کی طرف مائل ہے۔ وہ آرام طلبی کو امیری کا لازمی جزو یا خاصہ سمجھتا ہے۔ محنت و مشقت کو کم درجہ اشخاص کا حصہ جانتا ہے۔ بلکہ ہر طرح کی محنت پر حقارت اورذلت کا داغ لگاتا ہے۔ لیکن یسوع یہ دکھانا چاہتا تھا۔ کہ جو محنت دیانت داری سے کی جاتی ہے ۔ وہ انسان کے فخر کا باعث ہے۔ وہی زندگی کا نمک اورمردمی کا کمر بند ہے کیونکہ اسی کے طفیل سے انسان بے جانزاکتوں سے بچتا اوراسی کی بدولت اس کی روح ناپاک خیالات میں ڈوبنے سے محفوظ رہتی ہے یہی سبب تھا کہ مسیح نے محنت کش زندگی اختیارکی اوراپنے ہاتھوں سے کام کرنا، ہل بنایا اورجوئے تیارکرنا روا رکھا۔ اس کے مخالف اس کی پست حالی کو ٹھٹھوں میں اڑایا کرتے تھے۔ وہ سوچتے تھے کہ یہ ناممکن ہے کہ دنیا کا نجات دہندہ ایسے خاندان میں پیدا ہو یا ایسا تنگ دست ہو کہ اپنی روزی کمانے کے لئے نیچ لوگوں کی طرح اپنے ہاتھ سے کام کرے ، پر ہم دیکھتے ہینکہ سوسائٹی کو نئے سانچے میں ڈھالنے اورپرانی باتوں کو نئی بنانے کے لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ وہ جوان تبدیلیوں کو وجود میں لانے والا تھا۔ خود حقیقی خاکساری اورفروتنی کا نمونہ ہے۔

(۳)پھر مسیح کی زندگی کا وہ زمانہ جو گمنامی میں کٹا، جس کا حال انجیلوں میں قلمبند نہیں اورجس میں شاید بہت بڑے بڑے واقعا ت بھی سرزد نہ ہوئے ایک اورسبق ہمارے لئے رکھتا ہے اوروہ یہ کہ خدا ہماری زندگی کی اندرونی حالت پر نگاہ کرتا ہے نہ کہ ظاہری شان و شوکت اورخارجی سازوسامان پر، دنیا اپنی آنکھ ان لوگوں پر لگاتی ہے جو شجاعت میں نام پیدا کرتے ، جو علم و ہنر میں یکتائے زمانہ سمجھے جاتے اور عرصہ دارگیر میں سکندر کے ہم پلہ ہوتے اورحکمت و دانائی میں افلاطون وارسطو پر سبقت لے جاتے ہیں مگر ایسے بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ گویا سمندر میں سے ایک قطرہ اورپھر مرنے کے بعد صفحہ ہستی سے ایسے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔ کہ فقط کسی کسی کتاب کے چند اوراق کے سوا اورکسی جگہ ان کا پتہ

نہیں ملتا۔ ہاں چند دن کے بعد ان کتبوں کو بھی جو ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے ان کی تربتوں پر لگائے جاتے ہیں۔ کیڑا کھا جاتا ہے اوراگر بالفرض حروف نہ بھی مٹیں تو بھی کون ان میں سے جو قبرستان میں آتے ہیں ان کے کارناموں کو یاد کرکے ان پر آنسو بہاتے ہیں؟ لیکن خدا کی نظر میں نہ صرف وہی شخص پسندیدہ ہے جس کی زندگی اس دریا کی طرح ہے جو چٹانوں میں سے گزرتے وقت پتھروں سے ٹکرکھا کر شور مچاتا ہے۔ بلکہ وہ بھی جس کی زندگی ایسی خاموش ہے کہ آس پاس کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہونے کی ذرا تحریک نہیں پاتے مگر خدا اس شخص کی اندرونی زندگی کی حقیقی خوبی سے واقف ہے۔

(۴) ہم دیکھتے ہیں کہ بے قدری کی جاتی ہے ۔ تو وہ خود اپنے آپ کو ناچیز سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم جو ایک زرہ بے مقدار سے بھی حیثیت میں کم ہیں ۔ اس دنیا میں مصرف کے نہیں۔ پس وہ کھانے پینے اورمرجانے ہی کو سب کچھ جانتے ہیں ۔ مگر یسوع نے غریبوں کے طرز زندگی کو اختیارکرکے ثابت کر دیا کہ ممکن ہے کہ جو زندگی بظاہر ناچیز سمجھی جاتی ہے۔ وہی دنیا کی تاریخ میں انقلاب پیدا کرنے والی ہو اس نے ظاہر کر دیا کہ سچی اورصادق زندگی ہمیشہ بڑے بڑے واقعات کے شوروغل اوربڑی بڑی کامیابیوں کے مغوں سے ممتاز نہیں ہوتی بلکہ خدا کے بے شمار پیارے ان لوگوں مینبھی پائے جاتے ہیں جن کو دنیا ناچیز اورحقیر سمجھتی ہے پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ خداوند کی زندگی کے وہ سال جو بڑھئی کے کام میں صرف ہوئے اگرچہ خاموشی میں گزرے تو بھی حقیقی خوشی سے لبالب بھرے تھے۔ جب اس نے منادی کا کام شروع کیا اورلوگوں کی بے پروائی اورسخت دلی کے معائنہ سے غمگین ہوا اس وقت بھی وہ خوشی اورتروتازگی جو اسے ان دنوں حاصل تھی اپنا جلوہ دکھا جاتی تھی۔

شائقین سیروسیاحت بتاتے ہیں کہ جس جگہ مسیح نے پرورش پائی وہ ان جگہوں میں سے ہے جو دنیا میں اپنی خوبصورتی کے سبب بے مثال ہیں۔ ناصرت کوہستان زبلون کی ایک وادی میں واقع ہے جو اپنے نظاروں کا جوبن دکھا رہی اسی جگہ زبلون کا پہاڑگویا اپنی بلندی سے نیچے اتر کر اسدرلان کے میدان سے ہاتھ ملاتا ہے۔ ناصرت کے سفید گھر جن کی دیواروں سے تاک کی ٹہنیاں بغل گیر ہوتی ہیں۔ زیتون اورانجیر اورنارنج اورانار کے پُربہار جھرمٹوں میں لپٹے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کھیتوں کو تھوہر کی باڑیں جدا کرتی ہیں اورجا بجا رنگار رنگ پھولوں کی رنگینی ان کی خوش نمائی کو دوبالا کرتی ہے۔ گاوں کے پیچھے ایک پہاڑی کھڑی ہے جو قریباً پانسو فیٹ اونچی ہے۔ اس کی چوٹی پر سے دنیا کا عجیب نظارہ آنکھوں کو نصیب ہوتا ہے۔ شمال کی طرف گلیل کے پہاڑ جن میں برفانی ہرمون بھی شامل ہے۔ آسمان سے باتیں کرتے ہیں۔ کرمل کی چوٹی ،صور کا کنارہ ، بحیرہ

اعظم کا چمکتا ہوا پانی مغرب کی جانب دکھائی دیتا ہے۔ اورمشرق کی جانب کوہ تیبوراپنے جنگلات کے ساتھ مخروطی شکل اختیارکرتا ہوا سربلند ہوتا ہے۔ جنوب میں اسدرلان کا میدان پھیل رہا ہے جس کی دوسری طرف کوہستان افرائیم کا سلسلہ موجود ہے۔ خداوند مسیح کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اس قدرتی خوبصورتی سے کیا حظ اٹھا یا اورموسموں کی تبدیلی کو کس آنکھ سے دیکھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے لڑکپن میں انہیں کھیتوں کی سیرکرتے کرتے ان قدرتی خوبصورتیوں کا سرمایہ جمع کیا جوآگے چل کر تمثیلوں اوردرسوں کو سجانے کے کام آیا ۔ اسی پہاڑی پرآنے جانے کی عادت سے پہاڑوں میں جا کر رات رات بھر دعا مانگنے کی وہ عادت پختہ ہوئی جو اس کی زندگی میں جا بجا جلوہ نما ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جو تعلیم وہ دیا کرتا تھا۔ وہ اس کے ذہن میں اتفاقیہ طورپر نہیں آئی تھی۔ بلکہ اس کی تعلیمات کو ایک دریا کہنا چاہیے جس کا پانی کئی سال تک جمع ہوتا رہا اورجب وقت آیا تو بہہ نکلا۔ ہاں اس نے انہیں کھتیوں کے گوشوں اور انہیں پہاڑوں کے کناروں پر ان تعلیمات کو اپنی دعا اوردھیان کے زمانہ میں سوچا ہوگا۔

ایک اوربات کا ذکر باقی ہے جس نے اس کی تعلیم میں بڑا حصہ لیا ۔ بارہ برس کی عمر کو پہنچ کر وہ ہر سال اپنے ماں باپ کے ساتھ عید فسح کے موقع پر یروشلیم جانے لگا۔ ہماری خوش قسمتی سے پہلی مرتبہ کا حال انجیل میں قلمبند ہے اوریہی وہ موقع ہے جبکہ تیس برس کے عرصہ پر سے ایک دفعہ پردہ اٹھا یا جاتا ہے۔ جو لوگ اس وقت کو یاد رکھتے ہیں جبکہ وہ پہلی مرتبہ اپنے گاوں سے اپنے ملک کے دارالخلافہ کی طرف روانہ ہوئے ۔ قیاس کرسکتے ہیں کہ یسوع اس موقعہ پر کیسے جوش وخروش سے پرُکر ہوگا۔ اسے اسی میل کا سفر کرنا تھا۔ اورایسے ملک میں سے گزرنا تھا ۔ جس کا ہر میل تاریخی واقعات اورجوش انگیز یادگاروں سے پرُتھا۔ علاوہ اس کے وہ ایسے قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا جو قدم قدم پر ایسے مسافروں کے شمار سے بڑھتا جاتا تھا۔ جو بڑی عید کے سبب سے مذہبی جوش اورسرگرمی سے معمورتھے۔ اورجس شہر کو وہ جا رہے تھے۔ وہ ایسا شہر تھا،جسے ہر یہودی دل وجان سے پیارکرتا تھا۔ اوراتنا کہ اورکسی دارالخلافہ سے کبھی نہیں کیا گیا ۔ یہ شہر ایسی چیزوں اوریادگاروں سے پرُتھا۔ جو اس کے دل میں ہر قسم کی تحریک اوردلچسپی پیدا کرسکتی تھیں۔ عید فسح کے موقع پر کم ازکم پچاس ممالک سے یہودی مختلف بولیاں بولتے اورمختلف لباس پہنے ہوئے آتے اور یروشلیم میں جمع ہوتے تھے۔پس تعجب نہیں کہ وہ نئی نئی دلچسپ باتوں کے خیال میں ایسا مگن ہوا کہ جب واپس لوٹنے کا دن آیا تو مقررہ وقت اورجگہ تھی جس پر وہ فریفتہ ہوگیا ۔ اوروہ ہیکل تھی اورخصوصاً اس کا وہ حصہ جہاں اصحاب علم وحکمت لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس کے دل میں بے شمار سوالات جوش

زن تھے ۔ جن کا جواب وہ ان حکماء سے مطلب کرنا چاہتا تھا۔ یویوں کہیں تحصیل علم کی پیاس کو جو اس کے دل میں چمک رہی تھی ۔ اب آسودہ ہونے کا موقع ملا ۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں اس کے فکرمند ماں باپ نے اسے پایا جب کہ وہ اس کی تلاش مینیہ سمجھ کر یروشلیم کی طرف لوٹے کہ وہ کھو گیا ہے اورجب یہاں آئے تو دیکھا کہ بڑی توجہ کے ساتھ اس زمانہ کی حکمت کی باتیں سن رہا ہے اوروہ الفاظ جو اس نے اپنی ماں کے ملامت آمیز سوال کے جواب میں بیان فرمائے اس کے دل پر سے پردہ اٹھا دیتے ہیں اورہمیں تھوڑی سی دیر کے لئے اجازت ملتی ہے کہ ان خیالات کو ایک نظر دیکھ لیں جو ناصرت کے کھتیوں میں اس کے دل کو معمور کیا کرتے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ ابھی بچہ ہی تھا تو بھی ان لاکھوں آدمیوں پر سبقت لے گیا تھا۔ جو زندگی کی راہ سے ہر روزگزرتے ہیں پر ایک لمحہ کے لئے اس بات پر غورنہیں کرتے کہ زندگی کا کیا مطلب اور کیا مقصد ہے ، پروہ اسی وقت سے جانتا تھا ۔ کہ مجھے اپنی زندگی کے ایاّم میں اس کام کو انجام دینا ہے ۔ جو خدا نے میرے لئے مقررکیا ہے ۔ اورمیرے جینے کا یہی مدعا ہے کہ میں اسے پورا کروں ، چنانچہ یہ پُرجوش خیال تما م عمر اس کے دل میں جاگزیں رہا ۔ یہی خیال ہر فردوبشر کی زندگی کا اوّل اورآخر خیال ہونا چاہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خیال باربار بعد اس کی باتوں میں ظاہر ہوا اورآخر کاراس کی زمینی زندگی کے خاتمہ پر ان الفاظ میں گونج اٹھا کہ پورا ہوا۔

اکثر پوچھا جاتا ہے کہ کیا یسوع شروع ہی سے جانتا تھا۔ کہ میں مسیح ہوں اورنجات کے کام کے لئے مقررکیا گیا ہوں ۔ اگر ایسا نہیںتو کب اورکس طرح یہ علم اس کو حاصل ہوا؟ کیا یہ خیال اس وقت اس اس کے دل میں پیدا ہوا جبکہ اس نے اپنی ماں سے اپنی معجزانہ پیدائش کا حال سنایا خود بخود اس کے دل میں روشن ہو گیا؟ پھر کیا یہ خیال یکبارگی یا رفتہ رفتہ رونما ہوا؟ اس نے کب اپنے کام کا وہ نقشہ تیارکیا جس کے مطابق وہ اپنی خدمت کے شروع سے آخر تک بے ہچکچائے کام کرتا رہا؟ وہ کئی سال کے گیان دھیان کے بعد رفتہ رفتہ اس اس کے خیال میں آیا یا یکبارگی اس کی نظر سے گذرگیا؟ ان سوالات پر بڑے بڑے مسیحی علماء نے غورکیا ہے۔ اور مختلف جواب دینے ہیں پر اگر ہم اس کے جواب کو جو اس نے اپنی ماں کو دیا نظر اندازنہ کریں تو ہمیں ماننا پڑے گا۔ کہ کوئی وقت ایسا نہ تھا۔ جبکہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ میں کس کام کے لئے آیا ہوں۔

ضرور ہے کہ یروشلیم میں باربارآنے نے اس کی عارضی نشوونما پر بڑا اثر ڈالا ہو۔ اوراگر وہ ہیکل کے مکتبوں میں اکثرآیا جایا کرتا تھا۔ تو اس نے بہت جلد دریافتکر لیا ہوگا کہ ربیوں کی مشہورحکمت کیسی تنگ ہے۔ غالباً انہیں سالانہ موقعوں پر اس نے معلوم کیا کہ مذہب کی حالت ردی ہو رہی ہے۔ تعلیم اورتعمیل

دونوں کامل صلاح کی محتاج ہیں اوریہیں اس نے ان رسموں اوران شخصوں کو دیکھا ہوگا جن پرکچھ عرصہ کے بعد اس نے پاک غیرت سے معمور ہوکر سخت حملہ کیا۔

اب ہم ان خارجی اسباب کو دیکھ چکے ہیں۔ جن کے درمیان مسیح نے پرورش پائی اورجوانی کی طرف قدم اٹھایا۔ اس تاثیر کی نسبت مبالغہ کرنا جوان اسباب نے اس کی نشوونما میں کی بڑاآسان کام ہے۔ پریاد رکھنا چاہیے کہ جس قدرکسی شخص کی طبیعت زیادہ اعلیٰ اورخود رو ہوتی ہے۔ اسی قدروہ اپنی نشوونما میں خارجی اسباب وشرائط پرکم انحصاررکھتا ہے۔ اس کی ذات ان اندرونی چشموں سے سیراب ہوتی ہے۔ جو اس کے اندرپوشیدہ ہوتے ہیں۔ اوراس میں وہ لیاقت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ جو اس کی ذات کے مطابق خود پھوٹ کرپھول جاتی اوربیرونی اسباب کی پرواہ نہیں کرتی۔ پس یسوع خواہ کسی حالت میں رکھا جاتا بہرحال اپنی بڑی بڑی خاصیتوں کے سبب سے ویسا ہی شخص بنتا جیسا کہ ناصرت میں رہ کر بنا۔

تیسرا باب

قوم اور زمانہ کی حالت

اب ہم مسیح کی زندگی کے اس حصہ کے نزدیک آپہنچے ہینجس کا مفصل حال انجیلوں میں قلمبند ہے۔ مسیح اب کنج تنہائی کو چھوڑکر دینا کے سامنے آتا اوراپنا اصل کام اختیارکرتا ہے۔ پس اس موقعہ پر زیبا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس قوم کے رسم ورواج پر غورکریں جس کے درمیان اسے کام کرتا تھا اورنیز یہ دریافت کریں کہ اسے اپنی خدمات کے متعلق کون سے مقاصد مدنظر تھے۔ بزرگوں کی زندگیوں کے وسیلے سے کوئی نہ کوئی نئی طاقت اس دنیا میں داخل ہوتی ہے۔ پس ان کے سوانح عمری تحریرکرنا گویا دوباتوں کو رقم کرنا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ کونسی نئی بات ان کے وسیلہ سے اس دنیا میں داخل ہوئی اوروہ کیوں کر پرانی طاقتوں سے شیروشکر ہوکر بعد کے زمانے کا حصہ بن گئی۔ پس ضرورہے کہ ہر ایک شخص کے سوانح عمری کی تاثیرات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے پہلے ہم اس نئی طاقت کی ماہیت کے سمجھنے کی کوشش کریں جو اس کی زندگی سے صادر ہوئی، اورنیز اس بات پر غورکریں کہ جس زمانہ مینوہ طاقت نمودارہوئی اس وقت دنیا کی کیا حالت تھی۔ اگرہم دوسری بات کو نظراندازکردیں توپہلی بات کی خصوصتیں سمجھ میں نہ آئینگی اورنہ ہی یہ عقدہ حل ہو گا۔ کہ کس طرح اس نئی طاقت کو دنیا نے قبول کیا کیا صدائے خوش آمدید بلند کرکے اس دنیا نے اسے سینہ

سے لگایا یا دشمنی اورعداوت کا پہلو اختیارکر کے اسے رد کرنا چاہا۔ خدواند مسیح ایسی نئی طاقت اپنے ساتھ لایا تھا جس کا کام یہ تھا۔ کہ انسانی تاریخ کو ایک نئے سانچے میں ڈھال کر نئی صورت میں تبدیل کرے۔ پس جب تک ہم ان لوگوں کے حالات سے واقف نہ ہوں جن کے درمیان اس نے بودوباش اختیارکی تب تک نہ ہم اس کی خصلت کو اورنہ اس بات کو جان سکتے ہیں۔ کہ جس بڑی بخشش کو وہ اپنے ساتھ لایا اس کو تاریخی واقعات کی لڑی میں پڑنے کے لئے اسے کون کون سی مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔

جب ہم عہد عتیق کی آخری کتاب کا آخری ورق بند کرکے عہد جدید کو کھول کر اس کا مطالعہ شروع کرتے ہیں۔ تو ہمارے دل میں یہ خیال گزرتا ہے کہ گویا ہم انہیں لوگوں کے درمیان چلتے پھرتے اوراسی قسم کی رسوم کا دوردیکھ رہے ہیں۔ جو ہم نے ملاکی کی کتاب میں چھوڑی تھیں۔ لیکن یہ خیال سراسر غلط ہے کیونکہ ملاکی اورمتی کے درمیان چارسوسال کا فاصلہ ہے۔ اورجو تبدیلیاں اتنے عرصہ کے اندرکسی ملک میں پیدا ہو سکتی ہیں وہ اس ملک میں واقع ہو چکی تھیں۔ جو زبان ملاکی کے زمانہ میں مروج تھی۔ وہ اب معدوم ہو گئی تھی اورنئی رسمیں نئے رواج نئے خیالات نئے طریقے اورنئے فرقے برپا ہو گئے تھے۔ غرضیکہ ملک ایسی کایا پلٹ گئی تھی کہ اگر ملاکی زندہ ہو کر اپنے ملک اوراپنے لوگوں کو دیکھتا تو حیرت کا پتلا بن جاتا اورمشکل سے ان کو پہچانتا۔

ملکی انتظام میں طرح طرح کی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔ مثلاً اسیری کے بعد یہودی قوم کا انتظام سردار کاہنوں کے ہاتھ آیا اوریہودیوں کا تما م ملک ایک دینی حکومت کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ کئی فتح مند بادشاہوں نے باربار اس پر حملہ کرکے ہر پہلے انتظام کو نیا لباس پہنایا۔ کچھ عرصہ کے لئے دلیر مکابیوں نے موروثی بادشاہی کے قدیم کے اختیارات کو پھر بحال اورآزادی کے لئے جنگ و جدل کرتے ہوئے کبھی شکست کھائی اورکبھی دشمن کو نیچا دکھایا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ایک ظالم نے زبردستی تخت نشینی اورحکمرانی کا لطف اڑایا۔ اوراب آخر میں عنان حکومت اہل روم کے ہاتھ آئی جن کا سکہ تمام مہذب دنیا میں جاری تھا۔ انہوں نے ملک کو پانچ حصوں میں تقسیم کرکے کچھ ایسی ہی حکومت جاری کی جیسی اب ہندوستان میں رائج ہے۔ گلیل اورپیریا چھوٹے چھوٹے راجاوں کے ہاتھ میں تھے۔ وہ ہیرودیس کے بیٹے تھے۔ جس کے عہد میں مسیح پیدا ہوا تھا۔یہ راجے قیصر روم کے ساتھ وہی علاقہ رکھتے تھے جو ریاست ہائے ہند کے سرداراورراجے شہنشاہ انگلستان کے ساتھ رکھتے ہیں۔ یہودیہ ایک رومی عامل کے اختیارمیں تھا۔ جو سریا کے رومی صوبہ کے فرمانروا کے ماتحت سمجھا جاتا تھا۔ رومی سپاہی یروشلیم کے گلی کوچوں میں پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ رومی

پھریرا ہر قلعہ کی چوٹی پر لہرا رہا تھا۔ رومی محصول لینے والے ہر شہر کے پھاٹک پر بیٹھے تھے۔ سنہڈوم (یہودیوں کی مجلس حکام) جسے یہودی اختیارات کا ایک آلہ کہنا چاہیے، برائے نام ذرا سا اختیار رکھتی تھی مگر درحقیقت اس کے صدر اور سردار کاہن رومیوں کے ہاتھ میں کٹ پتلی سے بڑھ کر نہ تھے۔ چنانچہ جیسا ناچ وہ نچاتے تھے ویسا ناچتے تھے۔ جس قوم کو دیگر اقوام سے ایک قسم کا امتیاز حاصل تھا اور جس کے سامنے دنیا کی تمام سلطنتوں کو سر تسلیم خم کرنا چاہیے تھا۔ اور جس کی حب الوطنی میں دینی اور قومی محبت کا ایک ویسا مادہ موجودہ تھا کہ دوسری قوموں کو ویسا کبھی نصیب نہیں ہوا وہ قوم اس وقت اپنے اعلےٰ پایہ سے گر کر ذلیل ہو رہی تھی۔

اور جب ہم مذہب کی طرف رخ کرتے ہیں۔ تو مذہبی عالم میں بھی بڑی تبدیلی اور عجیب طرح کا تنزل نظر آتا ہے۔ ظاہری کی صورت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تنزل کے عوض مذہب بڑے فروغ پر ہے۔ چنانچہ یہودی قوم جیسی اس وقت اپنے عقائد کی پابند تھی ویسی پہلے کبھی ہیں ہوئی تھی۔ ایک وہ وقت تھا کہ بت پرستی کنٹھ مالا بن کر گلے کو ہار ہو رہی تھی۔ مگر اسیری کے تلخ نسخہ نے اس بیماری کی ایسی بیخ کنی کی کہ اب ہر جگہ کے یہودی بجز خدائے واحد اور کسی کو عبادت کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔ انہوں نے بابل سے واپس آکر کاہنی عہدوں کو ازسر نو قائم کیا اور ہیکل کی عبادت اور عیدوں کی حفاظت میں ایسے مشغول ہوئے کہ رسول کی ادائیگی میں سرمو فرق نہیں آنے دیتے تھے۔ علاوہ بریں اسی عرصہ میں ایک اور طریق عبادت برپا ہوا جس نے ہیکل اور ہیکل کے کاہنوں کی بھی جوت مدھم کر دی۔ اسے سنیگاگ (عبادت خانہ) کہا کرتے تھے۔ اور اس کے کارپرداز ربی کہلاتے تھے۔ قدیم زمانوں میں سینگاگ کا وجود کہیں نہیں ملتا کیونکہ اس طریق نے اسیری کے بعد جنم لیا اور اس تعلیم کے پہلو میں پرورش پائی جو اس وقت کلام الٰہی کے لئے لوگوں کے دلوں میں موجود تھی۔ جہاں جہاں یہودی آباد ہوئے۔ وہاں یہ عبادت خانے بکثرت برپا ہوئے۔ ہر سبت کے روز یہ عبادت خانے خدا کے پرستاروں کی کثرت سے مونہا منہ بھر جاتے تھے۔ اور ربی حاضرین کو پند نصیحت کیا کرتے تھے۔ عبادت خانہ کے ساتھ ربیوں کا فرقہ بھی پیدا ہوا اور اس کا سبب یہ تھا کہ زبان عبرانی اس وقت بولی نہیں جاتی تھی۔ سو اس بات کی ضرورت تھی کہ پرانے عہد نامہ کا جو ایک سرے سے دوسرے سرے تک سال میں ایک مرتبہ ہمیشہ پڑھا جاتا تھا، مروجہ زبان میں ترجمہ کیا جائے، علم الٰہی کے مدرسے قائم کئے گئے جہاں ربی تربیت پاتے اور فن تفسیر میں مہارت حاصل کرتے تھے۔

لیکن باوجود اس ظاہر ی دینداری کی گرم بازاری کے مذہب دراصل تنزل کی طرف مائل تھا۔ یعنی خارجی رسوم کی تعداد تو ترقی پر تھی۔ مگر باطنی روح اورزندگی چراغ سحری کی طرح گل ہونے پر تھی گو پرانے زمانہ مینیہ قوم باربارگناہ کے پھندے میں گرفتارہوئی تو بھی ہمیشہ اس قابل تھی کہ اپنی تاریخ کے بد ترین زمانوں میں بھی ایسے جلیل القدراشخاص پیدا کرے جو زندگی کا اعلےٰ سے اعلےٰ نمونہ قائم رکھیں اوراس رابطہ کو مضبوط کریں جو ان کی قوم اورآسمانی بادشاہ کے درمیان موجود تھا۔ پس ہم دیکھتے ہینکہ وہ انبیاءجو صفاءصدق کی دولت سے مالا مال تھے۔ سچائی کو ہر طرح کی آلائش سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان کے سلسلہ میں ان چارصدیوں کے اندرجن کا ذکر اوپر ہوا کوئی بنی برپا نہ ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ ان کے مقدس کلام کی محافظت توایسی تعظیم سے کی جاتی تھی کہ اس تعظیم میں سے بسا اوقات بت پرستی کی بوآنے جاتی تھی۔ لیکن ایسے آدمی بہت ہی کم تھے۔ جن کے اندرروح پاک کا وہ نورہدایت درخشاں ہوتا جو نبیوں کے کلا م کا اصل مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

دین کے دائرہ میں جو فرقہ ان دنوں پیشوا سمجھا جاتا تھا۔ وہ فریسیوں کا فرقہ تھا فریسی اس بات پر زور دیا کرتے تھے۔ کہ خدانے قوم یہود کو دیگر اقوام سے امتیازخاص کے ساتھ جداکیا ہے۔ اب اگر یہ امتیازپاکیزگی میں ظاہر ہوتا تا اس پر زوردینا بہت عمدہ اورموزون ہوتا مگر چونکہ لباس اورخوراک اورزبان کے ظاہر ی امتیازات کی نسبت اس اخلاقی امتیازکا برقراررکھنا ایک مشکل کام تھا۔ اس لئے لباس اورخوراک کے بیرونی فرق و امتیازنے رفتہ رفتہ اس اصلی امتیازکی جگہ لے لی۔ فریسی حب الوطنی کے عجیب جوش سے پُر اورملکی آزادی کے لئے اپنی جان پرکھیل جانے کو تیارتھے۔ وہ غیروں کی حکمرانی سے دل ہی دل میں جلتے اوردوسری قوموں کو نظر حقارت سے دیکھا کرتے تھے۔ اوراس امید میں محو تھے۔ کہ ہماری قوم کوکچھ عرصہ کے بعد ایک خوش نما اورپُرجلال زمانہ نصیب ہو گا۔ مگر مدت تک اس راگ کو الاپنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مغرور ہو کر یہ سمجھنے لگ گئے کہ چونکہ ہم ابرہام کی نسل سے ہیں۔ اس لئے خدا کی نظر میں ہم ہی پسندیدہ ہیں اوراس بات کو بھول گئے کہ خدا کی نظر ہیں۔ ہم ہی پسندیدہ ہیں اوراس بات کو بھول گئے کہ خدا کی نظر مینجو ہے وہ نسبی شرافت نہیں بلکہ ذاتی خصلت ہے پس وہ یہودی رسموں کو بڑھاتے گئے اورانجام کاردعا اورروزہ اوروہ یکی کی خارجی رسوم نے اس اعلےٰ امتیازکی جگہ لے لی جوانسان اورخدا کی محبت میں جلوہ گر ہونا چاہے تھی۔

فریسیوں کے فرقہ کے ساتھ کئی فقیہہ بھی ملحق تھے۔ ان کو اس لئے فقیہہ کہتے تھے۔ کیونکہ پاک نوشتوں کی تشریح اورکتابت ان کے سپرد تھی۔ اوروہی لوگوں کے لئے وکالت کا کام کیا کرتے تھے۔ کیونکہ

یہودیوں کے ملکی قوانین کا مجموعہ پاک نوشتوں ہی میں داخل تھا۔ اس لئے علم فقہ علم الہیات کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا۔ عبادت خانونمیں کلام الٰہی کی شرح اکثروہی کیا کرتے تھے۔ اگرچہ ہر شخص کو اجازت تھی کہ اگر بولنا چاہے تو بولے، وہ نوشتوں کے ایک ایک لفظ اورحرف کی تعظیم کا دم بھرتے تھے۔ اورواقعی پرانے عہد نامے کے مذہبی اصول کو لوگوں کے درمیان پھیلانے اوراس کے بڑے بڑے اولوالعزم بہادوں میں بونے کا نمونہ ان کے سامنے رکھنے اورنبیوں کے کلام کو بیج کی طرح دلوں میں بونے کا عمدہ موقع ان کو حاصل تھا کیونکہ اس کام کو انجام دینے کے لئے عبادت خانہ ایک عمدہ مقام تھا۔ کیونکہ اس کام کو انجام دینے کے لئے عبادت خانہ ایک عمدہ مقام تھا۔ لیکن انہوں نے اس عمدہ موقع کو بالکل کھو دیا اورمذہبی حاکموں اور متکلموں کی پھیلی سی گروہ بننے پر اکتفائی اوراپنے اعلےٰ مرتبہ کو اپنے ذاتی اغراض کو پورا کرنے کا وسیلہ بنایا، اوران لوگوں کو جنہیں وہ روٹی کے عوض پتھر دیا کرتے تھے۔ جاہل اوربے علم سمجھ کر نظر حقارت سے دیکھنا شروع کیا۔ پاک نوشتوں مینجو جو باتیں روحانی اورزندگی بخش تھیں۔ اورانسانی بہبودی کے لئے اکسیر تھیں ان کو نظر اندازکر دیا۔ پشت درپشت مشاہیرمفسرین، کی تفسیریں بڑھتی گئیں۔ اوروہ تفسیری حاشیوں کو متن پر ترجیح دینےلگے۔ مزید برآں یہ خیال مروج ہوگیا۔ کہ صحیح تفسیر کو وہی رتبہ دیا جائے جو کلام اللہ کو حاصل ہے اور چونکہ بڑے بڑے مشہورمعلموں کی تفسیریں صحیح سمجھی جاتی تھیں۔ لہذا یہ نتیجہ ہوا کہ ہزارہا رائیں جو بائبل کی طرح مستند اوربیش قیمت سمجھی جاتی تھیں۔ روزبروزبڑھنے لگیں یہاں تک کہ ان کا شمار بہت زیادہ ہوگیا۔ رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر کوئی اپنی مرضی کے مطابق تشریح کرنے لگا اوریوں ہر قسم رائے کلام اللہ کی کسی نہ کسی آیت سے مربوط کرنا یا اس کو جائز قراردینے کے لئے الٰہی سند ڈھونڈھنا آسان کام ہوگیا۔

پس اس طرح فریسیوں کی ہر نئی ایجاد نے ناجائز ہونے کا رتبہ حاصل کیا اوران نئی ایجادوں کا شمار اس قدربڑھ گیا کہ زندگی کے دائرہ مینکوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ شخصی اورخاندانی غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو پر ان لوگوں کی نو ایجادیاں حکمران تھیں۔ ان کے شمار کی کثرت کے سبب سے ان کے سیکھنے کے لئے مدت العمر کی ضرورت تھی اوران فقیہوں کی تربیت کا بھی بڑا جزو یہی تھا۔ کہ وہ ان مختلف خیالات سے واقف ہوں اور بڑے بڑے ربیوں کے مفتیانہ کلام کا علم رکھیں۔ اور تفسیر کے ان طریقوں کو ضبط کریں جن کی بناپر ربیوں نے اپنے خیالات کو جائز ٹھہرایا تھا۔ یہی وہ بھوسہ تھا جس سے وہ عبادت خانہ میںآنے والوں کو سیروآسودہ کرنا چاہتے تھے۔ ضمیر کی گردن پر ایسی بے شمار چھوٹی چھوٹی باتوں

کو بوجھ ڈالتے تھے جن میں سے ہر ایک کو دس احکام کی مانند خدا کی طرف سے بتاتے تھے یہی وہ ناقابل برداشت بوجھ تھا۔ جس کی نسبت پطرس نے کہا کہ نہ ہم اورنہ ہمارے باپ دادا اسے اٹھا سکتے ہیں۔ یہی وہ بوجھ تھا جس نے خواب پریشان کی طرح پولوس کی ضمیر کو دبارکھا تھا۔ اس سے بہت سے بُرے نتیجے پیدا ہوئے۔یہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب رسوم کو وہی جگہ دی جاتی ہے جو اخلاق صداقت کا حق ہے تو اخلاق کی رونق کا نورہوتی ہے فقہقہ اورفریسی اس فن میں طاق تھے کہ اپنی خود رائی کے موافق شرح کرکے اورضمیری معاملات پر اپنی مرضی کے مطابق بحث کرکے بڑے بڑے اخلاقی فرائض کی بنیادی ہلا دیں اورنئے نئے دستوروں کی پابندی کے ستون برپا کریں۔ اس طرح یہ لوگ ہاتھی کے دانتوں کی طرح ظاہر میں کچھ اورباطن میں کچھ اورہی تھے۔ دیکھنے میں سراپا پاکیزگی مگر خلوت مینخود غرضی کے عاشق اورنفساتی خواہشات کے نشے میں چورتھے۔ اوریہی حال قوم کا تھا۔ وہ بھی قبر کی طرح اوپر سے آراستہ پر اندربدی کی عفونت سے سڑرہی تھی۔

ان کے مقابل ایک اورفرقہ مخالفت میں ڈٹا کھڑا تھا۔ وہ صدوقیوں کا فرقہ تھا۔ صدوقی بزرگوں کی روائتوں کو سند نہیں مانتے تھے بلکہ برعکس اس کے یہ چاہتے تھے۔ کہ بائبل کے فیصلے مستند سمجھے جائیں اور بغیر اس کے اورکسی رائے کی قدرنہ کی جائے اورنہ ہی وہ یہ چاہتے تھے کہ اخلاق کی جگہ خارجی رسوم کو دی جائے مگر اس مخالفت کا باعث مذہبی اصول کی پابندی نہ تھی بلکہ ان کی منکرانہ طبیعت اس کی موجد تھی۔ یہ لوگ سرمایہ ایمان سے خالی اورشیرگرمی اوردینوی مزاج سے پُر تھے۔ اگرچہ وہ اخلاقی صداقتوں کی تعریف میں بڑی سرگرمی دکھایا کرتے تھے۔ تو بھی ان کا عالم اخلاق کچھ اورہی تھا۔ ان کے اخلاق میں حقیقی جوش اور روشنی جلوہ نمانہ تھی۔ کیونکہ وہ الٰہی قدرت کی ان اعلےٰ منازل سے ناواقف تھے جہاں سے سچی اخلاقی زندگی کی مذیاں جاری ہوتی ہیں وہ فریسیوں کی دستورپرستی سے اپنی ضمیر کو زیربارکرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کا اصل سبب یہ تھا۔ کہ وہ چاہتے تھے کہ عیش وعشرت سے زندگی بسرکریں اورہر روزروزعید اورہر شب شب برات ہو۔ وہ فریسیوں کی اس خصوصیت کو ہنسی میں اڑایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے تیئں اوروں سے الگ رکھتے تھے۔ مگر صدوقی اس ایمان اوران قومی امیدوں سے بھی اپنے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جو فریسی فرقہ کا خاصہ تھیں۔ سووہ غیرقوموں کے ساتھ کھلم کھلا، ملتے جلتے ،یونانی تہذیب وشائستگی کی پیروی کرتے اورغیر ممالک کے مشاغل سے دل بہلاتے تھے۔ ملکی آزادی کے لئے لڑنا ان کو ناپسند تھا۔ اس فرقے کی ایک شاخ ان

خیالات میں اس درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ کہ ان کو ہیرو دی کہتے تھے۔ انہوں نے ہیرودیس غاصب کی مدد کی اوراب خوشامد کی وجہ سے اس کے بیٹوں کے منہ لگے ہوئے تھے۔

یہ صدوقی بیشتر اعلےٰ خاندانوں اوردولت مند گھرانوں سے علاقہ رکھتے تھے۔ اورفقیہہ اورفریسی زیادہ تر درمیانہ درجہ کے لوگوں مینسے تھے گو کئی ان میں سے بھی عالی خاندانوں سے علاقہ رکھتے تھے۔ ادنیٰ درجہ کے لوگوں اوردیہاتی باشندوں کو دولت نے امیروں سے جدا کر رکھا تھا۔ مگر وہ فریسیوں پر فریفتہ ہو کر انہیں کا دم بھرتے تھے۔ کیونکہ یہ قاعدہ ہے جاہل لوگ جس طرف گرم جوشی دیکھتے ہیں اسی طرف ہو جاتے ہیں۔ سب سے آخری درجہ پر ایک کثیر جماعت موجود تھی۔ جس نے مذہب اورمروجہ سوسائٹی سے ہر طرح کا رشتہ منقطع کر لیا تھا۔ وہ محصول لینے والے اورکسبیاں اورگنہگار کہلاتے تھے اورکوئی ان کی روحوں کی پروانہ کرتا تھا۔

ہم نے دیکھا کہ قوم یہود کی اس وقت دینی اوراخلاقی حالت نہایت ردی ہو رہی تھی۔ اب یہ سوال پیش آتا ہے۔ کہ کیا یہی لوگ خدا کے لوگ ہیں؟ ہاں یہی لوگ ابرہام اوراضحاق اوریعقوب کی اولاد اوروعدوں کے وارث تھے، اگرچہ ضلالت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اگر ہم اس زمانہ سے قطع نظر کر کے پیچھے کی طرف دیکھیں۔ تو کئی صدیاں پہلے قدیم بزرگوں کی نورانی صورتیں اوران بادشاہوں کے جلالی چہرے جو خدا کے ہم خیال اور ہم مزاج تھے۔ ہماری نظروں سے گزریں گے اورکئی دیندارزبورنویس اورسچے نبی دکھائی دیں گے۔ اورکئی ایسی پشتیں دیکھنے میں آئیں گی جو اپنے ایمان اورامید کے سبب مشہورتھیں اوراسی طرح اگرآئندہ زمانے کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں تو ادھر بھی بزرگی اورفضیلت کا دوردورہ نظرآئے گا۔ خدا کا وہ کلام جوآسمان نازل ہوا اور نبیوں کے وسیلے سے بیان کیا گیا۔ کبھی بے انجام نہیں رو سکتا تھا۔ اس نے فرما دیا تھا۔ کہ میرا کامل مکاشفہ اسی قوم کو عطا کیا جائے گااورانسانیت کا بے نقص اورکامل نمونہ اسی قوم میں سے نکلے گا اوراسی میں سے وہ چشمہ جاری ہو گا۔ جو بنی آدم کو نئی زندگی اورتازگی اورنئی طاقتیں دے گا۔ پس اس قول کے مطابق ابھی عجیب زمانہ ظاہر ہونے والا تھا یا یوں کہینکہ یہودی تاریخ کا دریا اس وقت کچھ عرصہ کے لئے ریگستانی خطوں میں جذب ہو کر غائب ہو گیا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پھر زوروشور کے ساتھ خدا کی مقررکردہ راہ میں بہنے کو تھا۔ اگرچہ اس وقت زمانہ کے ظاہری حالات کسی قدرناموافق سے معلوم ہوتے تھے۔ تو بھی خدا کا فرمان پورا ہونے کا وقت آپہنچا تھا۔ چنانچہ کئی خدا پرست دینداراس وقت آپس میں کہتے تھے۔ کہ کیا موسیٰ سے لے کر سب بنی ایک بزرگ کے آنے کی خبر دیتے ہوئے یہ نہینبتاتے رہے کہ وہ عین اس وقت آئے گا۔جبکہ اخلاقی تاریکی تاریک رات کے اندھیرے سے بھی بڑھ جائے گی۔ اورقومی ابتری انتہا درجہ کو پہنچ

جائے گی؟ وہ زمانہ ہائے گذشتہ کے کھوئے ہوئے جلال کو دوبارہ روشن کرے گا۔ یادرہے کہ بدترین زمانوں میں میں بھی نیک اشخاص کا وجود معدوم نہیں ہوتا لہذا اس وقت بھی یہودیوں کے خود غرض اوربداخلاق فرقوں میں بعض بعض صاحب دل باقی تھے۔ لیکن ایسے زمانوں میں حقیقی دینداری زیادہ ترکم حیثیت لوگوں کی جھونپڑیوں میں بسیراکرتی ہے۔ اورجس طرح ہم کوامید ہے کہ رومن کیتھولک کلیسیاءمیں بھی بہت ایسے لوگ ہیں۔ جو ان رسوم کوجومسیح اوران کے درمیان پردہ کرتی ہیں۔ ترک کرکے حیات کے چشمہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ اورروحانی مذاق کی امداد سے لغویات سے کنارہ کش ہوکرصداقت کومضبوطی سے پکڑلیتے ہیں۔ اسی طرح ہم یہ امید بھی رکھتے ہیں۔ کہ فلسطین کے عام لوگوں میں بھی کئی ایسے لوگ تھے۔ جو خدا کے کلام کو عبادت خانوں میں سن کریا اپنے گھروں میں پڑھ کر اپنے استادوں کی بھاری اوربے شمارتشریحوں کو نظر اندازکر دیتے ہوں گے۔ اورگذشتہ زمانوں کے جلا ل یعنی پاکیزگی کی رونق اورخدا کے کمال کو دیکھتے ہوں گے۔ جن کے نظارے سے فقیہہ محروم تھے۔

لیکن فقیہہ بھی نوشتوں کی پیشن گوئیوں سے بے پروانہ تھے۔ وہ بھی ایک طرح ان کی چھان بین میں لگے ہوئے تھے۔ اورفریسیوں کی توبہ ایک خصوصیت ہی تھی۔ کہ وہ مسیح کے آنے کی امیدوں پر فریضتہ ہو رہے تھے۔ مگر قباحت یہ تھی کہ انہوں نے اپنی بے ڈھب تشریحوں سے نبیوں کے کلام پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اورآنے والے زمانہ یعنی مسیح کے عہد کی شان وشوکت اورجاہ جلال کی ایک فرضی تصویر اپنے قیاس کے مطابق کھینچ رکھی تھی۔ مسیح کو خدا کا بیٹا اوراس کے آنے کو خدا کی بادشاہت کا آغاز سمجھا کرتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس بات کے بھی معتقد تھے کہ کہ جب مسیح آئیگا۔ تو وہ بڑے بڑے معجزوں اوراپنی قدرت سے یہودی قوم کو غلامی کی قید سے آزادکرکے دینوی عزت اورشوکت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچائے گا اوراس امید کے نشے سے بھی مسرورہو رہے تھے۔ کہ ہم جو چنی ہوئی قوم کے شریک ہیں، اس کی بادشاہی میں اعلیٰ منصبوں اور مرتبوں پر مامورکئے جائیں گے۔ برکبھی نہ نہیں سوچتے تھے۔ کہ یہ بھی ضروری امر ہے۔ کہ اس کی ملاقات کے لئے ہماری زندگی میں باطنی تبدیلیاں پیدا ہوں اوراس کا سبب یہ تھا۔ کہ دنیاوی جلال کی جھلک نے پاکیزگی اورمحبت کے روحانی عنصروں کو ان سے چھپا دیا تھا۔

جب اس قوم کے اصل مدعا یا انجام کے پورا ہونے کا زمانہ آیا تو یہودی تاریخ کی ایسی صورت تھی جیسی کہ بیان ہوئی اوراس صورت اس کام کو جسے مسیح موعود کو انجام دینا تھا۔ پیچ درپیچ الجھنوں سے بھر دیا۔ امید تو یہ ہوئی چاہیے تھی کہ جب مسیح آئے تو وہ تمام قوم کو گذشتہ نبیوں کے خیالوں اورروائتوں

کے حقیقی معانی سے بھرپورپائے اوراسے اپنے تابع کرکے اس سے ایسی امداد حاصل کرے جو جوش اورتاثیر سے پُرہو مگر ایسا نہ ہوا بلکہ برعکس اس کے یہ دیکھتے ہیں کہ جب وہ آیا اس وقت تمام قوم اپنے اعلیٰ تصورات کو کھو بیٹھی اوران کے عوض ادنیٰ خیالات پیدا ہوگئے تھے۔ پس وہ ایک ایسی قوم کے عوض میں جو پاکیزگی سے بہرہ وراورخدا کے مقررکردہ انتظام کے مطابق دوسری قوموں کو برکت پہنچانے کے لئے تیارہوتی اوراس کی پیروی اختیارکرکے درجہ کمال تک پہنچتی اورپھر تمام دنیا پر روحانی فتح پانے میں اس کی مدد کرتی وہ ایسی قوم سے دوچار ہوا جس سے ان باتوں میں سے کسی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ لہذا اسے پہلے اپنے ہی ملک کی اصلاح کا بیڑا اٹھانا اوران تعصبات کا نشانہ بننا پڑا جو سالہا سال کی پست حالی سے پیدا ہوگئے تھے۔

چوتھا باب

تیاری کی آخری منزلیں

اب جس وقت قوم کی یہ حالت ہو رہی تھی۔ اس وقت وہ جس کے آنے کی راہ لوگ اپنے اپنے خیال کے مطابق دیکھ رہے تھے۔ اس دنیا میں آیا۔ لیکن انہوں نے نہ جانا کہ وہ آگیا ہے اوروہ کب یہ خیال کر سکتے تھے کہ جس کی انتظاری کے متعلق ہم غوروفکر میں مصروف اوردعا و مناجات میں مشغول ہو رہے ہیں۔ وہ ناصرت جیسے حقیر شہر میں ایک بڑھئی کے گھر میں پرورش پا رہا ہے۔ اوردرحقیقت یہی ہورہا تھا۔ یعنی وہ یوسف کے گھر میں اپنے کام کے لئے تیاری کررہا تھا۔ وہاں وہ پرانے زمانے کی نبوتوں اورموجود حالات کو دیکھ کر اپنے کام کی عظیم وسعت کے سمجھنے میں مصروف تھا۔ وہاں اس کی آنکھیں ملک کا معائنہ کررہی تھیں۔ اور اس کا دل گناہ اورخرابی کی کثرت کو دیکھ کراس کے پہلو میں تڑپ رہا تھا۔ وہ اپنے اندران عظیم طاقتوں کو جنبش کرتے ہوئے محسوس کررہا تھا۔ جواس کے بے بھاری مقصد کی انجام وہی کے لئے ضروری تھیں۔ آخرکاریہ جذبہ شوق دریا کی طرح اُمڈ آیا اوروہ مجبورہوا کہ اپنے دل کا حال ظاہرکرے اورجس کام کے لئے آیا ہے اسے انجام دے۔

یسوع کواپنے اصل کام کی بجاآوری کے لئے صرف تین سال ملے اوراگرہم اس بات پر غورکریں کہ انسانی زندگی کے معمولی تین سال کس قدرجلد گذرجاتے ہیں۔ اوران کے خاتمہ پرکیسا تھوڑا کام ان سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ تو ہم محسوس کریں گے۔ کہ وہ سیرت عجیب وقسم اورعظیم قامت کی ہوگی اوروہ زندگی لاثانی

طورپر اپنے ارادوں کی یکتائی اورپختگی سے معمورہوگی۔ جس نے ایسے قلیل سے عرصہ میں دنیا پر ایسا گہرا اثر ڈالا ہے۔ جسے کسی تدبیر کا ہاتھ دورنہیں کر سکتا اوربنی آدم کے لئے صداقت اورمعرفت کی دولت کی ایسی میراث پیچھے چھوڑی جسے کوئی رہزن لُوٹ ہیں سکتا۔

عموماً مانا جاتا ہے کہ جب مسیح دنیا کے سامنے آیا اس وقت اس کے تصورات نشوونما پا کر ترتیب کے سانچے میں مرتب ہو چکے تھے اوراس کی سیرت کا ہر پہلو پختہ بن گیا تھا۔ اوراس کے ارادے ایسے راسخ اور پکے ہو گئے تھے۔ کہ وہ بے ہچکچاہٹ اپنے کام کو انجام تک پہنچانے کے لئے لگاتار کوشش کر سکتا تھا۔ تیس سال کے عرصہ میں کبھی ایک دم کے لئے اس راستے سے دائیں بائیں نہ پھرا، جس پر اس نے اپنے کام کے شروع میں قدم رکھا تھا۔ اوراس کا یہی سبب ہو گا کہ کام شروع کرنے سے پہلے تیس برس کے عرصہ میں اس کے تصورات اوراس کی سیرت اوراس کی تدبیریں اپنی نشوونما کی تمام منزلیں طے کرتی ہوں گی۔

اس کی زندگی کا جو حصہ ناصرت میں گزرا، اس میں بظاہر کسی طرح کوئی غیر معمولی خصوصیت نظر نہیں آتی۔ پھر اگر پردہ اٹھا کر دیکھا جائے تو تہ مینقسم قسم کے تصورات اورگونا گوں خیالات کی کثرت بڑے بڑے ارادوں اورتجویزوں کی شوکت اپنا رنگ دکھائے گی یا یوں کہیں کہ اس پاک اورسنجیدہ زندگی کی سطح کے نیچے بالیدگی کے تمام عمل جاری تھے جو انجام کاراس خوبصورت پھول اورخوش نما پھل میں نمودارہوئے جن کو اب تمام زمانہ حیرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس تیاری میں بہت ساوقت لگا۔ تیس برس تک خاموش رہنا اوراپنے اصل کام کو ہاتھ نہ لگانا واقعی ایک طویل زمانہ تھا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی اورکوئی بات اس کی زندگی میں اس خاموشی سے زیادہ شاندارنہیں جو وہ کام اورکلام دونوں میں ظاہر کرتا ہے۔ یہ خاصیت بھی اس میں ناصرت ہی میں پیدا ہوئی جہاں وہ خاموشی کے ساتھ اس وقت تک انتظاری کرتا رہا جب تک کہ تیاری پوری نہ ہوئی۔ وقت سے پہلے کوئی چیز اس کو تنہائی سے باہر نہیں لا سکتی تھی۔ چنانچہ نہ یہ زبردست خواہش کہ اپنے گھر سے نکل کر اپنے زمانہ کی خرابیوں اورغلطیوں کا مقابلہ کرے اورنہ یہ آرزو کہ اپنے ہم جنسوں کو فائدہ پہنچائے وقت سے پہلے اس کو باہر لائی۔

مگر جب وقت آیا تو اس نے بڑھئی کے اوزاروں سے ہاتھ اٹھایا اوراس لباس کو جو اپنی دکان میں پہنا کرتا تھا۔ اتارڈالا اوراپنے گھر اورناصرت کی دلکش وادی کو خیرباد کہہ کرنئے طریق زندگی پر قدم رکھا مگر ابھی سب کچھ تیارنہ تھا۔ کیونکہ اگرچہ اس کی انسانیت خاموشی کی حالت میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کر گئی تھی۔ تو بھی اپنے کام کو ہاتھ لگانے سے پہلے اسے ایک خاص قسم کی مدد کی ابھی ضرورت تھی۔

اوراسی طرح یہ بھی ضرور تھا۔ کہ اس کے تصوراورارادے ایک عجیب قسم کی آزمائش کی آگ کے وسیلے سے نہایت مضبوط وپختہ کئے جائیں۔ پس اس کی تیاری کے آخری دوباتیں یعنی بپتسمہ اورآزمائش ابھی وقوع میں آنے والی تھیں۔

اس کا بپتسمہ۔ واضح ہو کہ مسیح ناصرت کی خاموشی سے نکل کریک بیک لوگوں کے سامنے نہیں آیا۔ بلکہ اس کے آنے کے اطلاع پہلے دی گئی یایوں کہیں کہ ایک طرح سے اس کاکام اس کے ہاتھ لگانے سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ مسیح موعود کی آواز سننے سے پہلے قوم کو ایک مرتبہ پھر نبوت کی آوا زجو مدت سے خاموش ہو رہی تھی۔ نصیب ہوئی چنانچہ تمام ملک میں یہ خبر پھیل گئی تھی۔ کہ یہودیہ کے صحرا میں ایک مبشر نمودورہوا ہے۔ وہ نہ ان لکیر کے فقیروں کی مانند ہے جو مرے کھپے لوگوں کے خیالات کو عبادت خانوں میں سنا یا کرتے ہیں۔ اورنہ ان یروشلیم کے رہنے والے استادوں کی طرح ہے۔ جو مہذبانہ آداب میں تاک اورفصیح بیانی میں مشاق ہیں بلکہ ایک ایسا شخص ہے جو خوشامد کی آلودگی سے آزاد اوربدن میں قوی ہیکل ہے اوردل کی طرف مخاطب ہوکر بولتا ہے اورپھر ایسے اختیار کے ساتھ کہ گویا اپنے الہام کے متعلق کسی طرح کاشک وشبہ مطلق نہیں رکھتا۔ یوحنا بپتسمہ دینے والا اپنی ماں کے پیٹ ہی سے نذیر تھا۔ اس نے کئی سال صحرا میں کاٹے تھے۔ جہاں وہ بحیرہ مردار کے ساحلوں پر اپنے دل کے خیالات میں مگن ہوکر سیر کیا کرتا تھا۔ وہ پرانے نبیوں کی طرح بالوں کی پوشاک اورچمڑے کا کمربند پہنا کرتا تھا۔ اورنفس کشی کی شدت اس درجہ تک پہنچی ہوئی تھی۔ کہ وہ اچھے اچھے کھانوں کا محتاج نہ تھا۔ بلکہ ان ٹڈیوں اورجنگلی شہد پر گذارا کیا کرتا تھا۔ جو اس بیابان میں مل سکتے تھے۔

یوحنا کی نسبت جوکچھ کلام الٰہی میں لکھا ہے اس معلوم ہوتا ہے کہ وہ گوشہ نشین اورنہایت ریاضت کرنے والا اورنفس کش آدمی تھا۔ اس نے آباد جگہوں کو چھوڑکر بیابان میں رہنا اختیارکیا پر اس تنہائی سے اس کی یہ غرض نہ تھی کہ مشہوردیو جانس کلبی کی طرح بنی آدم سے بے پروا اورمتنفرہوکر کنج تنہائی میں جاچھپے یا اپنی نفسانیت سے تنگ آکر یا اس سے پناہ پانے کے لئے بھاگ جائے بلکہ اس کی صحرا نشینی کا یہ مقصد تھا کہ اپنے اوپر قابو پائے اوروہ صفتیں پیدا کرے جو خدا کے سچے نبی اورمسیح کے پیشرو کے لئے ضروری ہیں۔

یوحنا کی طبیعت میں جوش بہت تھا۔ پس اس نے بڑی محنت اورجنگ وجدل سے اپنے مزاج پر قابو پایا۔ اگر اس میں سلامتی یا شانتی نظر آتی ہے تو وہ بڑی دعا اورسچی توبہ سے حاصل کی گئی تھی۔ پر اس کی دعا اورتوبہ کی جگہ وہی بیابان تھا۔ اس فتح کی پیشانی پر جو اس کو نصیب ہوئی لڑائی کے ایسے آثارموجود تھے جو

ظاہر کرتے تھے کہ جنگل میں بڑی جدوجہد کے ساتھ غلبہ حاصل کیا ہے اورجو امن اس کی زندگی سے ظاہر ہوتا تھا۔ اس میں سے بھی اب تک اس بے آرامی اوربے چینی کے طوفان کی بو آتی تھی جو صحرا میں اس پر آئی۔ اسی طرح اس کی تعلیم سے بھی اس بیابان کا رنگ ظاہر ہو جاتا ہے۔ جہاں اس نے اپنے کام کی تیاری کی چنانچہ وہ اپنی تقریر میں بارہا پتھر اورسانپ اورسوکھے ہوئے یا بے پھل درختوں کی نظیریں پیش کرتا ہے۔

خداوند مسیح نے اسے اس کی طبیعت اورکام کے لحاظ سے جلتے ہوئے چراغ یا مشعل سے تشبیہ دی اورفے الحقیقت وہ ازسرتا پا ایک وعظ تھا۔ پس اس کا اپنے آپ کو آواز کہنا نہایت درست اورموزوں لقب تھا۔ اس کی ایک ایک حرکت سے یہی آواز کہنا نہایت درست اورموزوں لقب تھا۔ اس کی ایک ایک حرکت سے یہی آواز آتی تھی۔ کہ "خداوند کی راہ تیار کرو"۔ یہی شخص پیشروی کے کام کے لائق تھا کیونکہ اس میں الیاس کی روح بکثرت پائی جاتی تھی۔

مگر باوجود اس گوشہ نشینی کے وہ زندگی کے ہر پہلو سے بخوبی واقف اوراپنے زمانے کی تمام خرابیوں سے آگاہ تھا۔ مذہبی فرقوں کی ریا کاری کو خوب جانتا تھا۔ اورعام و خاص کی بدیاں بھی اس سے پوشیدہ نہ تھیں۔ علاوہ بریں وہ دل کو جانچنے اورضمیر کو ہلانے کی عجیب قدرت رکھتا تھا۔ قدرت رکھتا تھا۔ اوربے خوف و خطر ہر قسم کے لوگوں کے دلفریب گناہوں کو فاش کرنا جانتا تھا۔ لیکن جس بات کے سبب سے لوگ اس کی طرف زیادہ راغب ہوئے اورجس نے ملک کے ایک سرے سے دوسرے تک ہر یہودی کے دل میں ایک جنبش پیدا کردی۔ وہ اس کا پیغام تھا اوروہ یہ تھا۔ کہ مسیح کا وقت نزدیک آگیا ہے اوروہ بہت جلد خدا کی بادشاہی قائم کرنے والا ہے۔ یہ سن کر تمام یروشلیم اورسارا علاقہ اس کی طرف اُمڈ آیا کیونکہ یہ سبت کا سال تھا۔ اورلوگ زراعت کے کام سے فارغ تھے۔ پس طرح طرح کے لوگ آکر اس کی باتیں سنتے تھے۔ فریسی ہمہ تن گوش تھے کہ مسیح کی بابت کچھ سنیں بلکہ صدوقی بھی اس کی باتیں سن کر کروٹ بدلنے لگے۔ ادھر اُدھر کے تمام صوبوں سے ہزاروں لوگ اس کی منادی سننے کے لئے آئے اوربہت سے لوگ جا بجا اسرائیل کی نجات کے منتظر اوردست بدعا تھا۔ اس کے پاس جمع ہوئے تاکہ اس سے اس جوش انگیز وعدہ کی خبر سنیں ،مگر علاوہ اس پیغام کے یوحنا کے پاس ایک اورپیغام تھا جس نے مختلف دلوں میں مختلف قسم کے خیالات پیدا کئے یعنی اس نے اپنے سننے والوں کو یہ بھی بتایا کہ تم قوم کی مجموعی صورت میں مسیح موعود کی ملاقات کے لئے بالکل تیار نہیں اورتمہارا ابرہام کی نسل سے ہونا اس کی بادشاہی میں دخل پانے کے لئے کافی حق نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ اس کی بادشاہی راست بازی اورپاکیزگی کی بادشاہی ہے۔ پس مسیح کا پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ ان کو جو

ان صفات سے بے بہرہ ہیں اس طرح رد کرے گا۔ جس طرح زمنیداربھوسے کو خارج کرتا ہے۔ یا جس طرح باغ کا مالک درخت کو جو میوہ نہیں لاتا جڑ سے کاٹ ڈالتا ہے۔ اس نے قوم کے ہر فرقے اورہر شخص کو ہدایت کی کہ جب تک وقت ہے اسے غنیمت جانو اورتوبہ کروکیونکہ نئی بادشاہی کی برکتوں سے مخطوظ ہونے کی یہی ایک لازمی شرط ہے۔ پس اس اندرونی تبدیلی کو ایک خارجی رسم کے وسیلے سے ظاہر کرنے کے لئے اس نے ان سب کو جنہوں نے اس کے پیغام کو ایمان سے قبول کیا۔ دریائے یردن میں بپتسمہ دیا۔ کئی لوگوں کو خوف اور امید نے ہلا دیا۔ اورانہوں نے اس سے بپتسمہ پایا مگر بہت ایسے بھی تھے جو اپنے گناہوں کے فاش کئے جانے سے سخت ناراض ہوئے اوراسی ناراضگی اور بے ایمانی کی حالت میں اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں زیادہ ترفریسی شامل تھے۔ جن کے ساتھ وہ زیادہ سختی سے پیش آیا اورجو خاص کر اس سبب سے ناخوش ہوئے کہ اس نے اس بات کی چنداں قدرنہ کی کہ وہ ابراہام کی اولاد ہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق ان کا سارا دارو مدار اسی بات پر تھا۔

ایک روزیوحنا بپتسمہ دینے والے کے سننے والوں کے درمیان ایک شخص نمودارہوا جس کی طرف یہ بپتسمہ دینے والا بڑی توجہ سے دیکھنے لگا۔ اس کی آوازجو بڑے بڑے استادوں کو تنبیہ کرتے وقت کبھی نہیں لڑکھڑائی تھی۔ اس نو وارد شخص کی صورت دیکھ کر کانپنے لگ گئی۔ اور جب گفتگو کرنے کے بعد اس نے بپتسمہ پانے کی درخواست کی تو یوحنا نے پہلو تی کرنا چاہا کیونکہ وہ جان گیا کہ یہ شخص اس توبہ کے بپتسمہ کا محتاج نہینجو میں اوروں کو بے تامل دے رہا ہوں۔ اورنہ ہی یہ میرا حق ہے کہ میں اسے بپتسمہ دُوں۔ اس نووارد شخص کے چہرے پر کچھ ایسی شاہانہ عظمت اور پاکیزگی اور شانتی نمایاں تھی کہ یوحنا جیسا مضبوط شخص بھی تھر تھرا اُٹھا۔ اوراپنی نالائقی اورگنہگاری کو دیکھ کر نہایت پشیمان ہوا۔ یہ شخص یسوع تھا جو ناصرت سے اپنی دکان چھوڑکر سیدھا ادھر چلا آیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یسوع اوریوحنا کی ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اگرچہ ان کے خاندانوں مینباہمی رشتے داری کا تعلق پایا جاتا تھا۔ اوران کی زندگیوں کے باہمی رابطے کی پشین گوئی ہو چکی تھی۔ اس ناواقفی[1] کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ایک کا گھر گلیل میں اور

---

[1] یوحنا بپتسمہ دینے والے اور مسیح کی ناواقفی جو مسیح کے بپتسمہ کے وقت ظاہر ہوئی، ہمیشہ سے معرض بحث میں رہی ہے۔ واقعی یہ ناواقفی حیرت انگیز ہے کیونکہ دونوں کی مائیں آپس میں رشتہ دار تھیں۔ اور دونوں کو اپنے فرزندوں کے معجزانہ طور پر پیدا ہونے اور ان کے جداگانہ کام، اوراس کام کے باہمی تعلق کی خبر تھی۔ پس یہ کیونکر ہوا کہ اتنی مدت تک یوحنا مسیح سے ناواقف رہا؟ اس سوال کا جواب متن میں دیا گیا ہے کہ یوحنا کا گھر ناصرت سے بہت دور تھا۔ اور اس کی طبیعت بھی عزلت پسند واقع ہوئی تھی۔ مگر انڈریوز صاحب نے اپنی "لائف آف کرائسٹ" کتاب میں اس مضمون پر بحث کرتے ہوئے ایک اور وجہ بیان کی ہے جو نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ جس نے ان ماوں کو ان کے بچوں کی عجیب پیدائش اور کام کی خبر دی، اسی نے ان کے لبوں کو مہر خاموشی سے بند کر دیا تاکہ وہ کسی سے حتیٰ کہ اپنے بچوں سے بھی ان عجیب و غریب باتوں کا چرچا نہ کریں، تاکہ وہ خود بخود الٰہی انتظام اور ہدایت کے مطابق پرورش پا کر اور اس کی روح پاک سے معمور ہو کر اپنے اپنے کام اور باہمی تعلقات سے واقفیت پیدا کریں، پس ان ماوں کا کام صرف یہ تھا۔ کہ وہ اپنے بچوں کی پرورش دینداری کے اصول کے مطابق کریں اور باقی باتوں کے پورا ہونے کی نسبت خاموش رہیں اور انہیں خدا کے ہاتھ سونپیں۔

دوسرے کا یہودیہ میں تھا۔ اوران دونوں ملکوں کے درمیان بڑا فاصلہ حائل تھا اوراس کے سوا ایک بڑا سبب یہ بھی ہوگا۔ کہ یوحنا عجیب قسم کی عادتوں کا آدمی تھا اوراس کی زندگی کا اکثرحصہ جنگلوں میں صرف ہوا تھا۔ لیکن جب یسوع کے حکم کی تعمیل کرنے کے لئے یوحنا بپتسمہ دینے لگاتو اس وقت اس نے معلوم کیا کہ اس اجنبی کے عجیب رعب داب کا کیا مطلب ہے کیونکہ خدا کی ہدایت کے بموجب اس وقت اس کو وہ نشان بخشا گیا جس کے وسیلے سے اسے مسیح کو جس کا پیشروو ہ تھا پہچاننا تھا۔ چنانچہ روح القدس یسوع پر جبکہ وہ یردن سے دعا مانگتا ہوا باہرآیا نازل ہوئی اوراسی کے ساتھ ہی آسمان سے آوازآئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔

یوحنا پر یسوع کے دیدار سے جو تاثیر پیدا ہوئی وہ لفظوں کی نسبت کہیں زیادہ خوش اسلوبی سے یسوع کی مبارک صورت کا نقشہ کھینچتی اوراس کی سیرت کی ان خاصیتوں کا پتہ دیتی ہے۔ جو ناصرت میں رفتہ رفتہ ترقی پاکرآخرکارکامل ہوگئی تھیں۔

یہ بپتسمہ یسوع کے لئے ایک بڑا مطلب رکھتا تھا۔ عام لوگوں کے متعلق یہ ضابطہ دو مطالب رکھتا تھا۔ یعنی اس سے ایک تو پرانے گناہوں کو ترک کرنا اوردوسرے مسیح کے زمانے میں داخل ہونا مراد تھا۔ پر یسوع کے لئے گناہوں کو ترک کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ وہ بے گناہ تھا۔ پس اگراس معنی کے مطابق اس نے بپتسمہ پایا تو صرف اس طرح کہ اس نے اپنی قوم کی جگہ کھڑے ہوکر اس بات کا قرارکیا کہ میں اپنی قوم کے لئے محسوس کرتا ہوں کہ وہ پاکیزگی کی محتاج ہے مگراس کے بپتسمہ پانے کا اصل مطلب یہ تھا۔ کہ وہ خود اسی دروازے سے اس نئے زمانے میں داخل ہو جس کا بانی مبانی وہ آپ ہی تھا۔ گویا اس ضابطے کے وسیلے سے اس نے ظاہرکیا کہ وقت آپہنچا ہے کہ میں ناصرت کے کاروبارکو ترک کرکے اپنے خاص کام میں کام مصروف ہو جاوں۔

اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مسیح نے کیوں بپتسمہ پایا؟ اسے اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس سوال کا جواب ہم اوپر رقم کرچکے ہیں۔ مگر یہاں ایڈرشام صاحب ایک مختصر مگر نہایت معقول بیان لگا تو اس وقت اس نے معلوم کیا کہ اس اجنبی کے عجیب رعب داب کا کیا مطلب ہے کیونکہ خدا کی ہدایت کے بموجب اس وقت اس کو وہ نشان بخشا گیا جس کے وسیلے سے اسے مسیح کو جس کا پیشروو ہ تھا پہچاننا تھا چنانچہ روح القدس یسوع جبکہ وہ یردن سے دعا مانگتا ہوا باہرآیا نازل ہوئی اوراسی کے ساتھ ہی آسمان سے آوازآئی کی یہ

میرا پیارا بیٹا ہے۔لکھتے ہیں کہ مسیح نے اس بپتسمہ کے بارے میں ایک دفعہ پوچھا تھا کہ یوحنا کا بپتسمہ کہاں سے ہے آسمان سے یا آدمیوں سے ؟ اس سوال کے جواب میں سوال زیر نظر کا جواب چھپا ہوا ہے وہ یوحنا کے بپتسمہ کو خدا کی طرف سے سمجھتا تھا اورجوکچھ خدا کا مقررکیا ہوا تھا۔ اسے خوشی سے پوراکرنے کا تیارتھا۔

مگر روح القدس کا اس پر نازل ہونا اس کے بپتسمہ پانے سے بھی زیادہ پُر مطلب تھا۔ روح پاک کا نزول ایک بے معنی اظہارنہ تھا۔ اورنہ ہی وہ ایک ایسا نشان تھا جو فقط یوحنا کی خاطر دیا گیا تھا۔ بلکہ وہ اس خاص برکت کا ایک نشان تھا جو اس وقت یسوع کو بخشی گئی تھی تاکہ وہ اپنے کام کے لئے زیادہ طاقت حاصل کرے ، اوراس کی طبعی طاقتوں کی نشوونما کو تاج بن کر سجائے۔ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یسوع کی انسانیت اوّل سے آخر تک روح القدس کی محتاج تھی۔ ہم اکثر یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ اس علاقہ کے سبب سے جو اس کی انسانیت اورالوہیت مینپایا جاتا ہے۔ اسے روح القدس کی مددکی ضرورت نہ تھی۔ مگر حقیقت میں اس کی مددکی بڑی ضرورت تھی۔ کیونکہ الٰہی ذات کا آلہ بننے کے لئے اس کی انسانی ذات کو اس بات کی اشد ضرورت تھی۔ کہ اعلیٰ سے اعلیٰ برکت سے ممتاز ہو اورپھر ان برکتوں کے استعمال میں کسی طرح کی غلطی اس سے سرزدنہ ہو۔ ہم اکثر اس کے کلام کی حکمت اورخوبی کو اوراس کی عالم الغیبی کو جس سے وہ لوگوں کے خیالات کو جان لیتا تھا۔ اوراس کے معجزات کو اس کی الٰہی ذات سے منسوب کیا کرتے ہیں۔ لیکن انجیلوں میں یہ کام عموماً روح القدس سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ اب اس کا یہ مطلب نہینکہ ان باتوں کاتعلق اس کی الٰہی ذات سے کچھ بھی نہ تھا۔ مطلب یہ ہے کہ روح القدس نے اس کی انسانی ذات کو اس لائق بنایا کہ وہ ان باتوں کے متعلق اس کی الٰہی ذات کا آلہ بنے۔ یہ برکت اسے بپتسمہ کے وقت خاص طورپر بخشی گئی اوراس الہام کی روح سے مشابہت رکھتی تھی۔ جو یسعیا ہ اوریرمیاہ جیسے نبیوں کو ان موقعوں پر مرحمت ہوئی جبکہ وہ اپنی اپنی خدمات کی انجام دہی کے کے لئے بلائے گئے اورجن کا ذکر ان کی کتابوں مینپایا جاتا ہے۔ اوراسی طرح کی برکت اب بھی انہیں عطا کی جاتی ہے۔ جو خادم الدین کے عہدے پر سرفراز ہو کر اپنے آقا کی خدمت بجالاتے ہیں۔ لیکن فرق اتنا ہوتا ہے۔ کہ اوروں کو یہ روح محدود اندازہ میں دی جاتی ہے اوریسوع کو غیر محدود طورپر بخشی گئی تھی۔ اوراس میں خصوصاً معجزہ دکھانے کی طاقت بھی شامل تھی۔

مسیح کی آزمائش:بپتسمہ کے بعد روح کے نزول سے مسیح پر وہی حالت ہوئی جو بسا اوقات ان لوگوں کی زندگی میں نمودار ہوا کرتی ہے۔ جو اپنی خدمات کی انجام دہی کے لئے روح کا انعام پاتے ہیں۔ گو ان کی زندگیوں میں وہ حالت محدود طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہ حالت یہ تھی کہ اس کی تمام ہستی ازسرتا پا جوش کی آگ سے مشتعل ہو گئی۔ اس کی خواہشات واردات نے تازگی حاصل کی اور اس کے خیالات اس دھیان میں محو ہوئے کہ کون سے وسیلے اپنی خدمت کی بجا آوری کے لئے استعمال کرے۔ گو ایک طرح وہ کئی سال سے تیار ہو رہا تھا۔ اور مدت سے اس کا دل اپنے کام پر لگا ہوا تھا۔ اور اس کے سرانجام کی تجویزیں بھی سوچ چکا تھا۔ تو بھی یہ عین فطرت کے مطابق تھا کہ جس وقت الٰہی نشان ظاہر ہو اور یہ خبر دے کہ کام اب شروع ہونا چاہیے اور جس وقت وہ محسوس کرے کہ جن طاقتوں کے وسیلے میرا کام انجام پائے گا۔ وہ میرے قبضے میں ہیں۔ تو اسی وقت کچھ عرصہ کے لئے کنج تنہائی اختیار کرے تاکہ ایک مرتبہ پھر اپنے سارے کام پر نظر ڈالے۔ اس اس نے سست بننے کے لئے روح کے ہتھیاروں کو نہیں پہنا تھا۔ بلکہ جنگ کے لئے ، پس وہ یردن کا کنارہ چھوڑ کر روح القدس کی رہنمائی سے ایک بیابان میں داخل ہوا اور چالیس روز تک ریگستانی وادیوں اور پہاڑوں میں گشت کرتا رہا۔ وہاں اس کے دل میں ایسے خیالات اور ایسی تحریکیں پیدا ہوئیں۔ کہ وہ ان میں محو ہو کر اپنا کھان پینا بھی بھول گیا۔

ایک روائیت سے جو بہت پرانی نہیں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ آزمائش ایک پہاڑ پر واقع ہوئی جو کہ یریحو سے بہت دور نہ تھا۔ اور جو اس سبب سے کہ مسیح وہاں چالیس دن تک روزے کی حالت میں رہا۔ **قوارنٹے نیا** کہلاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ پہاڑ سبزے کے ہرے ہرے لباس سے بالکل محروم اور ایک خشک جنگل مینھریاں کھڑا بحیرہ مردار کے پانی کو جس میں کوئی جاندار مخلوق زندہ نہیں رہتا دیکھ رہا ہے۔ یہ جگہ اس پہاڑ سے کیسی مختلف تھی جہاں مسیح نے مبارکبادیاں اپنی زبان مبارک سے فرمائیں۔ وہ پہاڑ اچھے اچھے درختوں کے سبب سے بہت خوش نما تھا۔ اور اس کے پاس جھیل گنسرت کا پانی بلور کی طرح چمک رہا تھا۔ جس پہاڑ جس پر مسیح آزمایا گیا بے درخت ہونے اور بے رونقی کے سبب سے بد روحوں کے لئے ایک موزوں مسکن معلوم ہوتا ہے۔ پر یا در ہے کہ یہ ایک روایت ہی ہے۔

واضح ہو کہ یہ آزمائش ایک حقیقی واقعہ ہے۔ اگرچہ یہ بتانا بہت مشکل ہے۔ کہ آیا یہ آزمائش خارج میں واقع ہوئی یا صرف اس کا خیال ہی مسیح کے دل میں پیدا ہوا اوروہ اس پر غالب آیا۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ جنہوں نے ان آزمائشوں کو رقم کیا ہے۔ انہوں نے ان کا حال یا تو خود مسیح سے سنا ہوگا۔ یا ان سے جنہیں مسیح نے بتایا۔ ہمارے خداوند نے اس عجیب تجربہ کا حال ایسی صورت میں بیان کیا ہوگا۔ جس سے اس کا اصل مطلب بہت اچھی طرح سے واضح ہوگیا ہوگا۔ اورجس سے سننے والوں کو نہایت مفید سبق ملا ہوگا۔ پس جس بات کا سمجھنا ہمارے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مسیح کی آزمائش بڑی پُرزوراور شخصی اورحقیقی قسم کی تھی۔

چالیس دن کی افاقہ کشی نے خداوند مسیح کے بدن پر بڑا اثر کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ اس قسم کی فاقہ کشی کا خوگر نہ تھا۔ وہ اس دنیا میں اس لئے نہیں آیا تھا۔ کہ تنہائی کے گوشے میں گھسا رہے یا وہ اس لئے آیا تھا۔ کہ اس دنیا میں بنی آدم سے ملے اورجس طرح آدمی آدمی سے ملتا جلتا ہے۔ ویسا ہی ہر ایک سے راہ و ربط رکھے۔ اس نے کبھی روزہ کے متعلق بھی کوئی خاص حکم نہیں دیا۔ البتہ دو جگہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر کوئی روزہ رکھنا چاہے تو بے شک رکھے کوئی ممانعت نہیں (متی 18-16:16 19:9-)۔ اس کے الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہ کھانا پیتا آیا اوروہ کسی چیز کوحرام نہیں کہتا تھا، بلکہ ہر چیز میں اعتدال کو روا رکھتا تھا۔ وہ اپنے دوستوں کی بے ضرر ضیافتوں میں جاتا اوربنی آدم کے جلسوں میں شامل ہوتا تھا۔ اسی لئے اس کے دشمن اسے " اور شرابی " کہتے تھے۔ پس چالیس دن کے روزے کے باوجود دعا اورگیان دھیان میں مگن رہنے کے بھوک بڑی شدت سے اس پر غالب آئی ہوگی۔ اب اسی موقعہ پر آزمائش کرنیوالا بھی آن موجود ہوا۔ کیا وہ کسی بدشکل روح کی بدہیئت صورت میں دکھائی دیا نورانی فرشتے کے چہرے کے ساتھ نمودار ہوا؟ کیا وہ انسان کا بھیس بدل کر اس کے سامنے آیا یا صرف دلی خیالات کے وسیلے سے اس کے پاس آیا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جس کا جواب دینا جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہیں انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں۔ کہ یہ واقعات خواہ کسی صورت میں پیش آئے ہوں حقیقی واقعات تھے۔ کیونکہ جس بیان مینیہ واقعات قلمبند ہیں اس پر الہام کی مہر لگی ہوئی ہے اورہم اس کی حقیقت پر شک نہیں لا سکتے۔ تینوں آزمائشوں میں شیطان کی بے نظیر مکاری اورآزمائشوں کی عالمگیری اورخیال کا انوکھا پن اورانسانی طبیعت کے علم کی باریک بینی ایسی ہے۔ جو انسان کی ایجاد کے دائرے سے بالکل باہر ہے۔

لیکن پھر یہ سوال پیش آتا ہے کہ شیطان نے اس کو اس متبرک عرصہ میں جبکہ وہ روزہ رکھے ہوئے اور الٰہی گیان دھیان میں مشغول تھا۔ کیوں اورکس طرح آزمایا؟

اس بات کے سمجھنے کئے لئے یہ ضروری امر ہے۔ کہ جوکچھ یہودی قوم کی نسبت تحریر ہو چکا ہے ہم اس پر پھر غورکریں اورخصوصاً اس بات پر کہ مسیح کی آمد اوراس کی بادشاہی کی نسبت جو امیدیں ان کے دلوں میں تھیں وہ کس قسم کی تھیں؟ وہ ایسے مسیح کی انتظاری کرتے تھے۔ جسے ان کے خیال کے مطابق لوگوں کو اپنی کرامات سے حیرت کا پتلا بنانا اورایک عالمگیر سلطنت کی بنیاد ڈالنا تھا۔ اورجس کے کام کا مرکز یروشلیم کو بننا تھا۔ وہ سوچتے تھے کہ راست بازی اورپاکیزگی اس سے بعد کے زمانہ میں ہوں گی۔ پس انہوں نے مسیح کی بادشاہی کے الٰہی تصورکو بالکل الٹ دیا۔ وہ تصورتو روحانی اوراخلاقی خوبیوں کو پولٹیکل معاملات پر ترجیح دیتا تھا۔ مگران حضرات نے اس ترتیب کا کو خاک میں ملا دیا۔ اب جس بات میں مسیح کی آزمائش کی گئی وہ یہی تھی کہ اس کام کو پورا کرنے میں جو باپ نے اس کے سپرد کیا تھا۔ شیطان نے اس کو بہکانا چاہا اور کہا کہ تو پہلے اپنی قوم کی امیدوں کو توکسی قدرپورا کر، ہاں مسیح نے ضرورمحسوس کیا ہوگا۔ کہ اگر میں ایسا نہ کروں تو میری قوم کے لوگ مایوس ہو جائیں گے۔ اورمجھ سے ناراض اوربے ایمانی کے پنجہ میں گرفتارہو کر میری پیروی چھوڑدیں گے۔ پس اس کی مختلف آزمائشیں اسی ایک خیال کی مختلف صورتیں تھیں۔ مثلاً سیری اورآسودگی کے لئے پتھروں کو روٹی بنانے کی ترغیب اس غرض سے دی گئی کہ وہ اپنی معجزانہ قدرت کو جو اسے عطاہوئی تھی۔ ایسی اغراض کے پورا کرنے میں صرف کرے جو اس اعلیٰ غرض سے کہیں کمتر تھیں۔ جس کے پورا کرنے کے لئے وہ قدرت اس کو دی گئی تھی۔ اوریہ آزمائش ان آزمائشوں میں جو بعد میں اس پر حادث ہوئیں پہلی تھی۔ کیونکہ اس کے بعد بھیڑکا یہ درخواست کرنا کہ ہم کو ایک نشان دکھایا یہ کہنا کہ اگر تو صلیب پرسے اترآئے۔ تو ہم تجھ پر ایمان لائیں گے اسی قسم کی آزمائشیں تھیں۔

یہ پہلی آزمائش جو اس سے علاقہ رکھتی تھی یا یوں کہیں کہ اس کا تعلق اس حیوانی روح سے تھا جو انسان اورحیوان دونوں میں موجود ہے مگر یہ آزمائش ایک کھلی صورت میں پیش نہیں آئی بلکہ شیطان اسے مکاری کے برقع مینپیش کرتا ہے۔ شیطان دراصل مگر درپردہ یہ کہہ رہا تھا۔ کہ اسرائیل کو بھی ایک مرتبہ بیابان میں فروتن بننا اوربھوک کے چنگل میں گرفتارہونا پڑا لیکن خدا نے ان کو اس من سے جسے فرشتوں کی خوراک اور آسمانی روٹی کہنا چاہیے آسودہ کیا۔ اب کیا خدا کا بیٹا اس جنگل میں پانے لئے دسترخوان تیارنہ کرے۔ پس اگر تو چاہے تو بآسانی ایسا کرسکتا ہے۔ پھر دیرکرنے سے کیا فائدہ ؟ اگرہاجرہ کے لئے جبکہ وہ غم کے مارے بے

حال ہورہی تھی، فرشتے نے جائز سمجھا کہ اسے ایک کوآں دکھائے اوراوراگربھوک سے مرتے ہوئے الیاس کے واسطے یہ مناسب سمجھا گیا کہ فرشتہ اسے چھوکراس کا کھانا اسے دکھائے توکیایہ مناسب نہیں کہ خداکا بیٹا جو فرشتوں کی خدمت گذاری کا محتاج نہیں بھوکا نہ مرے؟

جو جواب اس کو ملا اسے حکمت کی کان کہنا چاہیے۔ ہمارے خداوند نے اسی سبق کی طرف جو اسرائیل کو بیابان میں بھوک کے وسیلے سے سکھایا گیا تھا۔ اشارہ کرکے وہ الفاظ بیان فرمائے جو پرانے عہد نامے ں نہایت پرُمعنی ہیں۔ کہ "انسان صرف روٹی ہی سے جیتا نہ رہے گا بلکہ ہر بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے"۔ کیسی عمدہ نصیحتیں ہمارے لئے ان کلمات میں چھپی ہوئی ہیں۔ کیا ہم ان سے یہ نہیں سیکھتے کہ ہمارے لئے مناسب نہینکہ ہم نفس حیوانی کی ضرورتوں کی پیروی کریں اورنہ یہ زیبا ہے۔ کہ ہم اپنی زندگی اورعشرت کے لئے اپنے نفس کی طاقتوں کوبُرے طورپر استعمال کریں۔ ہم اپنے نہیں ہیں بلکہ خداوند کے ہیں۔ پس جن چیزوں کو ہم اپنا سمجھتے ہیں ہم ان کے ساتھ جو چاہیں سونہینکرسکتے۔ جس طرح انسان میں جسمانی مادے سے بڑھ کرایک روح موجود ہے اسی طرح مادی خواہشات سے بڑھ کرزندگی کے افضل اصول بھی اس میں موجود ہیں وہ جویہ خیال کرتا ہے۔ کہ میں صرف روٹی سے جیوں گا۔ اورروٹی ہی کے حاصل کرنے مینجائز اورناجائز کوششوں کا کام میں لاتا ہے۔ وہ جب اس روٹی کے حاصل کرنے میں ناکام رہے گا۔ تو اپنے آپ کو سخت تکلیف میں پائیگا۔ اورآخرکارخدا سے باغی ہو جائے گا۔ اورچونکہ وہ الٰہی اورروحانی خوراک کا جویاں نہیں ہوا، لہذا وہ ضروربھوکا مرے گا۔ پروہ جویہ جانتا ہے کہ آدمی صرف روٹی سے نہیں جیتا وہ شکم پوری کی خاطران برکتوں کو جن کے سبب سے زندگی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ ہرگزنہ کھوئے گا۔ وہ اپنے فرض کا ادا کریگا،اوراپنے اپنے جسم کی محافظت خدا کے سپردکرے گا۔ جس نے جسم کوپیدا کیا وہ آسمانی روٹی اوراس پانی کی تلاش میں رہے گا۔ جسے پی کرپھر کوئی پیاسا نہیں ہوتا۔

ہیکل کے کنگرے پر سے اپنے تئیں گرانے کی آزمائش بھی گویا اچنبھے دیکھنے کے شوق کو پورا کرنے کی ایک ترغیب تھی کیونکہ لوگوں کے درمیان مسیح کی نسبت یہ خیال مروج تھا۔ کہ وہ لیکایک ہیکل پر سے کودکر لوگوں کے درمیان نمودارہوگا۔ شیطان کی شرارت دیکھئے ! پہلے تو اس نے اس کے بھروسے پر حملہ کیا لیکن جب دیکھا کہ اس کا بھروسہ مضبوط ہے اوروہ نفسانی خواہشوں کے پھندے میں گرفتارنہیں ہوسکتا تو یہ دوسری پیش کرتا ہے۔ جس میں نفسانی خواہش کی ترغیب مطلق نہیں پائی جاتی۔ اس میں روحانی فخریا شیخی کو اکساتا ہے گویا یہ کہتا ہے، ہ تو خدا پر کامل بھروسہ رکھتا ہے۔ اگرسچ مچ تیرا بھروسا کامل ہے۔ تو ہیکل کے

کنگرے پر سے گرکر اس کا ثبوت دے۔ اگر تیرا بھروسا بے نقص ہے تو اس وعدہ کو جو تیرے حق میں کیا گیا ہے۔ برحق سمجھے گا، اور اس کے مطابق عمل کرکے دکھائے گا۔ پھر دیکھئے چونکہ مسیح نے پہلی آزمائش کا جواب کلام الٰہی سے دیا تھا۔ اسی لئے اس دوسری آزمائش میں وہ بھی کلام کے ذریعہ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ تیسری آزمائش میں وہ بھی کلام کے ذریعہ سے اس پر حملہ کرتا ہے۔ تیسری آزمائش جو سب سے بڑی تھی۔ یہ تھی کہ شیطان کو سجدہ کرکے تمام دنیا کی بادشاہتوں پر قابض ہو۔ اس آزمائش کا یہ مطلب تھا کہ وہ اس عالمگیر تصور کا جو مسیح کی بادشاہی کے متعلق یہودیوں کے درمیان مروج تھا پابند ہو اور وہ یہ تھا۔ کہ وہ کہتے تھے، کہ اس کی بادشاہی سراسر دنیاوی طاقت کا اظہار ہوگی۔ یہ آزمائش وہی آزمائش ہے جو خدا کے ہر خادم کے سامنے اس وقت آتی ہے جبکہ وہ یہ دیکھ کر اپنے دل میں کڑھتا ہے۔ کہ نیکی دنیا میں بہت کم ترقی کر رہی ہے۔ اس آزمائش میں خدا کے نیک اور سرگرم بندے بھی کبھی کبھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ وہ مذہبی رسوم کے خارجی چھلکے کو پہلے پیدا کرنا چاہتے ہیں اور پھر اس میں حقیقت کا مغز بھرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ یہی وہ آزمائش تھی جس میں حضرت محمد صاحب گرفتار ہوئے اور انہوں نے پہلے تلوار سے لوگوں کو مطیع کیا تاکہ بعد میں انہیں دیندار بنائیں۔ یہی وہ آزمائش ہے جس میں فرقہ جیرا واسٹ گرفتار ہے جو پہلے غیر قوموں کو بپتسمہ دیتے اور پھر ان کو انجیل سناتے ہیں۔

ہم کو ایک قسم کی دہشت دامن گیر ہوتی ہے۔ جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں۔ کہ کیا اس قسم کے ادنیٰ اور نالائق خیالات مسیح کی پاک اور مقدس روح پر سے بھی گذر سکتے تھے؟ کیا شیطان اس کو یہ ترغیب دے سکتا تھا۔ کہ تو خدا پر بھروسا رکھنا چھوڑ دے اور مجھے سجدہ کر؟ اس میں شک نہیں کہ یہ آزمائشیں اسی طرح کمزور اور بیکار ہو کر لوٹ گئیں جس طرح سمندر کی موجیں سنگین چٹان سے ٹکر کھا کر واپس چلی جاتی ہیں۔ اور ہم یہ بھی نہ بھولیں کہ اس قسم کی آزمائشیں اس وقت سے پہلے بھی بارہا ناصرت کی وادی میں اور پھر کئی دفعہ اس کی زندگی کے نازک وقتوں میں اس کے سامنے آئیں مگر ہمیں یاد رکھنا چاہیے کہ آزمایا جانا گناہ نہیں بلکہ آزمائش میں گرفتار ہو کر گر جانا گناہ ہے۔ اور یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ جس قدر کوئی شخص زیادہ کاملیت کے ساتھ پاک ہوتا ہے اسی قدر آزمائش کے درد کو زیادہ محسوس کرتا ہے۔ اب اگرچہ شیطان نے اس پر فقط تھوڑے عرصے کے لئے حملہ کرنا چھوڑا تو بھی ہم اس جنگ کو فیصلہ کن سمجھیں کیونکہ اس نے اس موقع پر شکست فاش کھائی اور اس کی طاقت مغلوب ہو گئی۔ انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن نے اس کی موقع پر اپنی کتاب "پیرے ڈائز ری گنیڈ" کو ختم کرکے مسیح کی کامل فتح کو خوب ظاہر کیا ہے۔ اب مسیح اپنے کام

کی تجویز پر سوچتا ہوا بیابان سے واپس آیا۔ اس نے پہلے ہی سے اپنی تجویز سوچ رکھی تھی۔ مگر اس وقت آزمائش کی آنچ کھا کر وہ اوربھی مضبوط ہوگئی۔ اس کی زندگی میں اورکوئی بات اتنی ابھری ہوئی نظر نہیں آتی جتنی یہ کہ اس نے بڑی مستقل مزاجی سے اپنی تجویز کو پورا کیا۔ جن لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ان کی نسبت دیکھا جاتا ہے۔ کہ ان میں کئی ایسے گذرے ہینجو اپنے کام کے متعلق کوئی خاص تجویز مد نظر رکھتے تھے۔ بلکہ انہوں نے رفتہ رفتہ خاص خاص حالات کے پیدا ہونے پر اس راستہ کو دیکھا جس پر انہیں قدم مارنا تھا۔ اوران کے ارادوں میں نئے نئے واقعات اوردیگر اشخاص کے صلاح و مشورے نے نئی تبدیلیاں پیدا کیں۔ لیکن مسیح نے اپنا کام اپنی تجویز کو مکمل کرکے شروع کیا اورآخر تک ایک مرتبہ بھی سرمو اس تجویز سے ادھر اُدھر نہ ہوا۔ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں اس پر قائم رہا اس طرح اپنی ماں اورشاگردونکی دست اندازی کے وقت بھی اس پر جما رہا اوروہ تجویز یہ تھی۔ کہ وہ خدا کی بادشاہی کو لوگوں کے دلوں میں قائم کرکے اوراس کے انجام دینے میں پولیٹکل اورمیٹریل طاقت کو استعمال نہ کرے بلکہ محبت کی قدرت اور صداقت کی طاقت کوکام میں لائے۔

پانچواں باب

اس کے کام کے حصے

ہمارے خداوند کا کام قریباً تین برس کے عرصے میں ختم ہوا اوران مینسے ہر ایک سال اپنی اپنی خصوصیتیں رکھتا ہے۔ مثلاً پہلے سال اس کو بہت شہرت حاصل نہ ہوئی ، اورچونکہ اس سال کے حالات مفصل قلمبند نہیں اورنیز وہ اس سال کے اندررفتہ رفتہ لوگوں کے سامنے آیا ، لہذا ان دونوں باتوں کی وجہ سے ہم اس سال کوگمنامی کا سال کہیں گے۔ اس سال کا زیادہ حصہ یہودیہ میں صرف ہوا۔ دوسرے سال کو قبول عام کا سال کہہ سکتے ہیں۔ اس سال کے اندراس کی شہرت تمام ملک میں پھیل گئی اوروہ شب و روزاپنے کام میں مصروف رہا ، یہاں تک کہ سب چھوٹے بڑے اس کے نام سے واقف ہوگئے۔ یہ سال گلیل میں صرف ہوا۔ تیسرے سال کو ہم مخالفت کا سال کہہ سکتے ہیں۔ اس سال کے دورمیں عوام کی مہرومحبت کا فورہوگئی۔ اوراس کے دشمن بڑے زور سے اس پر حملہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ اسے جان سے مارڈالا۔ اس آخری سال کے پہلے چھ مہینے گلیل میں صرف ہوئے اورباقی چھ مہینے ملک کے دیگر حصوں میں کٹے۔

جب ہم اس تقسیم پر غورکرتے ہیں۔ تو ہمین معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے خداوند کی زندگی اپنی ظاہر ی شکل کے اعتبار سے بڑے بڑے مصلحوں اورخیر خواہان بنی آدم کی زندگی سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ عموماً اس قسم کی زندگی ایسے وقت سے شروع ہوتی ہے۔ جبہ مصلح رفتہ رفتہ لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف مائل کرنے لگتا ہے۔ اورپھر ایس زمانہ آتا ہے کہ اس کی تعلیم اوراصلاح شہرت کے وسیلہ سے ملک کے ہر کونے اورہر گوشے میں پہنچ جاتی ہے۔ اورآخر کاروہ دن آتے ہیں۔ جبکہ لوگوں کے تعصبات جن پر اس نے حملہ کیا تھا ازسر نو صف آرا ہوتے اورعوام کے جذبات کی تازہ جمعیت سے مسلح ہوکر اس پر ایسا حملہ کرتے ہیں۔ کہ اپنی نفرت کی دھن میں اسے چکنا چورکر ڈالتے ہیں۔

گمنامی کا سال

اس سال کی نسبت جو تحریری حالات ہم تک پہنچے ہیں وہ بہت ہی نامکمل ہیں مثلاً ان میں صرف دو یا تین واقعات کا ذکر پایا جاتا ہے۔ اوراس جگہ ان کا بیان انسب معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مسیح کے آئندہ کام کی گویا ایک فہرست ہے۔

جب مسیح اپنی آزمائش کے چالیس دن پورے کر کے اوراپنے کام کی اس تجویز کو جو آزمائش کے وسیلے سے زیادہ مضبوط ہو گئی تھی۔ اوراس تحریک کو جو بپتسمہ کے وقت سے اب تک اس کے سینہ مینجوش زن تھی۔ اپنے ساتھ لے کر بیابان سے واپس آیا تو ایک مرتبہ پھر یردن کے کنارے پر نمودارہوا اوریوحنا نے گواہی دی۔ کہ یہی وہ میرا جانشین ہے جس کی بابت میں باربارلوگوں کو خبر دے چکا ہوں۔ یوحنا نے اپنے کئی عمدہ شاگردوں سے اس کی ملاقات کروائی اورانہوننے اسی وقت سے اس کی پیروی اختیارکی۔ اغلب ہے کہ اس کے شاگردوں میں سے جو شخص سب سے پہلے مسیح سے دوچارہوا، وہ یوحنا تھا۔ جو بعد میں مسیح کا سب سے پیارا شاگرد نکلا اورجس نے اس کی زندگی اورسیرت کی الٰہی تصویر دنیا کے حوالے کی۔ یوحنا ہی نے اس پہلی ملاقات اورمکالمے کا بیان قلمبند کیا ہے۔ اورجو اثر مسیح کی عظمت اورپاکیزگی نے اس کے تایثر پذیروں پر ڈالا وہ اب تک تازگی کے ساتھ اس بیان سے مترشح ہے۔ دوسرے نوجوان جنہوں نے اسی وقت اس کی پیروی اختیارکی، اندریاس، پطرس، فیلبوس، اورنتھایل تھے۔ یہ سبب نوجوان یوحنا بپتسمہ دینے والے کے وسیلے سے اس نئے استاد کے نقش قدم پر چلنے کے لئے تیارکئے گئے اورگوانہوں نے اس موقعہ پر اپنے کام کاج کو ترک کر کے اس کی ایسی پیروی اختیارنہ کی جیسے کہ کچھ دن بعد کی تو بھی اس پہلی ملاقات میں ایسی تاثیریں ان پر طاری

ہوئیں جو ان کی بعد کی زندگی کے لئے نئے سانچے کا کام کر گئیں۔ یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ آیا بپتسمہ دینے والے کے تمام شاگرد یکبارگی مسیح کے پیرو بن گئے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ جو سب سے اچھے تھے وہ ایک دم اس کے پیچھے ہولئے۔ تعبض مفسدوں نے بپتسمہ دینے والے کے دل میں بھی آتش حسد بھڑکانی چاہی۔ چنانچہ اس نے کہا کہ ایک اورشخص تیری عزت اورمقدرت کی متاع کو لوٹ رہا ہے۔ لیکن وہ اس بزرگ آدمی کی خاصیت کو بخوبی نہیں سمجھتے تھے۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی فرونتی ہی اس کی اعلیٰ درجہ کی بزرگی تھی۔ سو اس نے ان کو جواب دیا کہ میری خوشی یہی ہے۔ کہ میں گھٹوں ں اوروہ بڑھے اوربتایا کہ مسیح ہی وہ دلھا ہے۔ جو دلھن کو اپنے ساتھ بہشت میں لے جائے گا۔ میں تو فقط ضیافت کی خوشی کا تاج اسی کے سر پر سجا ہوا دیکھوں۔

اب یسوع اپنے ان نئے پیروؤں کو ساتھ لے کر اوراس جگہ کو چھوڑکر جہاں یوحنا کام کرتا تھا۔ شمال کی جانب قانائے گلیل کو روانہ ہواجہاں ایک شادی کی تقریب پر اسے جانا تھا کیونکہ وہاں جانے کے لئے اسے دعوت دی گئی تھی۔ وہاں اس نے پانی کو مے بنا کر اس معجزے کی قوت کو ظاہر کیا جو اسے دی گئی تھی۔ یہ معجزہ گویا اس کے جلال کا اظہار تھا۔ جو بالخصوص اس کے شاگردوں کے لئے جلوہ نما ہوا اورہم پڑھتے ہیں کہ وہ اس وقت سے اس پر ایمان لائے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے اب پورے طورپر مان لیا ہے کہ یہی مسیح ہے علاوہ بریں اس معجزہ کا یہ بھی مقصد تھا۔ کہ وہ اس کے وسیلے سے اپنی خدمت کا اصل مطلب ظاہر کرے ،اوردکھائے کہ اس کا کام یوحنا بپتسمہ دینے والے کے کام سے بالکل مختلف ہے۔ یوحنا ایک گوشہ نشین اورصاحب ریاضت شخص تھا جو بنی آدم کی رہائش گاہوں اورمسکنوں سے قطع تعلق کرکے صحرا نشینی پسند کرتا تھا۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ صحرا ہی میں اس نے اپنے سامعین کو جمع کیا لیکن مسیح کا یہ کام تھا کہ وہ لوگوں کے گھروں میں خوشی کی خبرلائے۔ ہاں اسے ان کے عام کاروبارمیں ان کے شامل حال ہو کر ان کے حالات کو خوشحالی کے نئے قالب میں ڈھالنا تھا۔ اوریہ تبدیلی گویا ایسی تھی جیسی کہ مے بنانے کی تبدیلی ہوتی ہے۔

اس معجزے کے بعد وہ عید فسح میں شامل ہونے کے بعد یہودیہ کو واپس آیا اوریہاں پہنچ کر ایک اوربھی زیادہ پُر تاثیر ثبوت اس بشاش اورپر جوش طبیعت کا دیا جو ان دنوں اسے حاصل تھی یعنی ہیکل سے صرافوں اوراوربھیڑبکری وغیرہ بیچنے والوں کو جنہوں نے اس کے صحن میں تجارت جاری کررکھی تھی۔ نکال کر اسے پاک صاف کیا۔ ان لوگوں کو اس ناجائز تجارت کی اجازت اس لئے دی گئی تھی۔ کہ اجنیوں کی ضرورتیں

رفع کی جائیں۔ یعنی یہ سوداگر مسافروں کے پاس ایسے ذبیحوں کو فروخت کریں جو وہ غیر ملکوں سے اپنے ساتھ نہیں لا سکتے تھے اور نیز ان کو غیر ملکوں کے سکوں کے تبادلہ مینوہ یہودی سکے دیں۔ جن میں انہیںہیکل کے نذرانے ادا کرنے پڑتے تھے۔لیکن جو کام بظاہر نیک صورت سے شروع کیا گیا تھا۔ وہ آخر کار عبادت میں ایک سخت رخنہ اندازی کا باعث اور نو مریدوں کو اس جگہ سے نکالنے کا موجب ہوا جو خدا نے انہیںاپنے گھر میں عطا کی تھی۔ یسوع نے اس شرم ناک حالت کو اپنے یروشلیم میں آنے کے موقع پر غالباً کئی بار غیرت کی نظر سے دیکھا ہو گا۔ مگر اب جبکہ وہ بپتسمہ پا کر نبیوں کی سی سرگرمی اور جوش سے معمور ہو رہا تھا۔ اس نے علانیہ رواج پر حملہ کیا اور اس وقت بھی کچھ کچھ وہی شاہانہ دبدبہ اور الٰہی پاکیزگی اس کے چہرے سے عیاں ہوئی ہو گی۔ جو اس وقت نمودار ہوئی تھی جبکہ وہ یوحنا سے بپتسمہ کا ملتجی ہوا اور وہ اس کی صورت کو دیکھ کر بالکل حیران سارہ گیا تھا۔ اس دبدبہ کے سبب سے اس نا ہنجار گروہ میں سے کسی نے اس کے برخلاف چوں تک نہ کی اور دیکھنے والوں نے اس کی صورت میں ان قدیم نبیوں کے آثار دیکھے جن کے سامنے کیا بادشاہ اور کیا غریب سب دم بخود ہو جاتے تھے۔اس کا یہ جعل گویا اس کے مصلحانہ کام کا آغاز تھا جس کا بیڑا اس نے ان دینی خرابیوں کی اصلاح کے لئے اٹھایا تھا۔ جو اس وقت مروج تھیں۔

اس عید کے موقع پر اس نے کئی معجزے دکھائے جن سے ان اجنبیوں کے درمیان جو مختلف ملکوں سے اس شہر میں جمع ہو رہے تھے۔ اس کا چرچا پھیلا دیا ہو گا۔ ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ اس کے پاس ایک رات کو وہ عزت دار اور فکر کا شکار متلاشی آیا جس کے روبرو اس نے نئی بادشاہی کی خاصیت اور اس میں داخل ہونے کی شرائط پر وہ تقریر کی جو یوحنا کی انجیل کے تیسرے باب میں مرقوم ہے۔ قوم کے سرداروں میں سے ایک سردار کا کمال فروتنی کی روح سے اس کے پاس آنا گویا اس ی کامیابی کا ایک پُر امید نشان تھا۔ لیکن نیکو دیمس ہی فقط اس زمرے مینسے تھا۔ جس پر مسیح کی قدرت کے ابتدائی اظہار نے دارالخلافہ مینگہرا اثر پیدا کیا۔

اس جگہ تک تو ہم مسیح کے کام کے شروع کا کسی قدر مفصل حال پاتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد اس کے کام کے پہلے سال کا مفصل بیان یک بیک قطع ہو جاتا ہے۔ اور آئندہ آٹھ ماہ کی نسبت صرف اتنا پتہ ملتا ہے۔ کہ وہ یہودیہ میں بپتسمہ دیتا تھا۔ "اگرچہ یسوع آپ نہیں بلکہ اس کے شاگرد بپتسمہ دیتے تھے"۔ اور یہ کہ وہ یوحنا کی نسبت زیادہ لوگوں کو بپتسمہ دیتا اور شاگرد بناتا تھا۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو کچھ ہمیں اس سال کے نسبت معلوم ہے وہ صرف چوتھی انجیل سے معلوم ہوا ہے۔ پہلی تین

انجیلیں بالکل اس سا ل کے حالات کو بیان نہیں کرتیں۔ وہ گلیل کے کام سے شروع ہوتی ہےں۔ البتہ ان سے اتنا اشارہ ملتا ہے۔ کہ گلیل میں کام کرنے سے پہلے یہودیہ میں بھی اس نے کام کیا تھا۔ اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ یہ خاموشی کیوں اختیار کی گئی اوراس سال کے مفصل حالات کیوں درج نہیں کئے گئے ؟ اس کا جواب دینا ذرا مشکل کام ہے لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ یوحنا جو یہاں تک واقعات کو بالتفصیل بیان کرتا آیا ہے آن آٹھ ماہ کے واقعات سے ناواقف نہ تھا۔ لہذا اس کی خاموشی کا کوئی اورہی سبب ہوگا۔ مگروہ کونسا سبب ہے ؟ شاید ہم اس مشکل کا حل کسی قدریوحنا کے اس اشارہ میں پاتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کےلئے مسیح نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کا کام اختیارکیا یعنی وہ اپنے شاگردوں کے وسیلے سے بپتسمہ دیتا اور یوحنا سے بھی زیادہ شاگرد بنا تا رہا۔ اب کیا اس کایہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ جان کر کہ عید فسح کے موقع پر میرے اظہارات نے جو اثر پیدا کیا اس سے عیاں ہے کہ میری قوم ابھی مجھ کو مسیح سمجھ کر قبول کرنے کو تیارنہیں ؟ پس انسب ہے کہ جو کام توبہ اوربپتسمہ کے وسیلے سے اس قوم کو تیارکرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ وہ بھی جاری رہے؟ پس اس بات کو اپنے دل میں جگہ دے کر اس نے ایک مدت کے لئے اپنی اعلیٰ ذات اور عہدہ کو چھپایا اوریوحنا بپتسمہ دینے والے کا ہم خدمت بننا مناسب سمجھا۔

پہلی تین انجیلوں میں جو خاموشی اس عرصہ کے متعلق پائی جاتی اورنیز اس بات کے متعلق کہ وہ اس کے بعد مسیح کے یروشلیم آنے کا حال بھی رقم نہیں کرتیں اس کی یہ شرح پیش کی جاتی ہے کہ مسیح پہلے یہودی قوم کے پاس آیا جس کے بااختیارپیشوا یروشلیم میں موجود تھے اوروہ وہی مسیح تھا جس کا وعدہ ان کے باپ دادوں سے کیا گیا اورجس میں ان کی تاریخ اپنے کمال کو پہنچنے والی تھیں اس میں شک نہیں کہ اس کا کام تمام دنیا میں پھیلنے کو تھا مگر ضرور تھا کہ وہ اسے یہودیوں سے شروع کرے لیکن اس قوم نے اپنے سرداروں کے وسیلے سے اسے رد کر دیا۔ لہذا وہ مجبورہوا کہ اپنی جماعت کسی اورمرکز پر جمع کرے اورچونکہ یہ نکتہ اس وقت جبکہ اناجیل تحریر ہوئیں بخوبی صاف ہوگیا تھا۔ پس پہلے تین حواریوں نے اس کام کو نظر اندازکر دیا۔ جو قوم کے دارالخلافہ اوردیگر بڑی بڑی جگہونمیں کیا گیا تھا کیونکہ اس سے کوئی بڑے نتائج پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور اپنی توجہ اس زمانہ پر لگائی جبکہ اس نے ایمانداروں کی جماعت کو فراہم کیا تاکہ اپنی کلیسیاء کی بنیاد ڈالے۔ یہ خیا ل صحیح ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات میں شک نہیں اوروہ یہ ہے کہ مسیح کے پہلے ہی سال کے کام کے آخر میں یہودیہ اوریروشلیم پر اس خوفناک واقعہ کا سایہ پڑگیا جو کچھ عرصہ کے بعد وجود میں آنے والا تھا یا یوں کہیں کہ اس بدترین قومی جرم کر سایہ پڑگیا جس کی مانند دنیا میں اورکوئی قبیح جرم سرزد نہیں ہوا اوروہ

جرم یہ تھا۔ کہ یہودیوں نے اپنے مسیح کو رد کیا اور صلیب پر چڑھا یا۔

چھٹا باب

دوسرا سال، قبول عام

ہمارے خداوند نے جنوبی اطراف یعنی (یہودیہ) میں سال بھر کام کرنے کے بعد پھر شمال کا رخ کیا۔ کیونکہ گلیل کے رہنے والوں میں نہ تو وہ تعصبات پائے جاتے تھے۔ جو باشندگان یہودیہ میں تھے۔ اور نہ ان میں وہ بے جا فخر موجود تھا۔ جو یہودیہ کے رہنے والوں میں پایا جاتا تھا۔ لہذا اس کو یہ امید تھی کہ میں گلیل میں ایسے لوگوں سے دوچار ہوں گا۔ ججو ان عیوب سے پاک ہیں۔ علاوہ بریں اس نے یہ بھی سوچا ہو گا۔ کہ گوگلیل اس جگہ سے جو قوم کے کے پیشواوں کا مرکز ہے۔ بہت دور ہے تو بھی تو میری تعلیم اور میرے نمونہ کی تاثیر ملک کے ایک حصہ میں بخوبی جڑپکڑ گئی تو میں قومی امداد پر تکیہ کرکے جنوب کی طرف پھر جاونگا۔ اور ہر طرح کے کے تعصب کو بیخ وبن سے اڑا دوں گا۔

گلیل صوبہ گلیل جس میںآئندہ اٹھارہ ماہ تک ہمارے خداوند نے کام کیا ایک چھوٹا سا علاقہ تھا بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ تما م فلسطین ایک چھوٹا سا ملک تھا۔ چنانچہ اس کا طول سکاٹ لینڈ کے طول سے قریباً سو میل کم تھا۔ اور اسی طرح اس کا عرض بھی سکاٹ لینڈ کے عام عرض سے بہت تھوڑا تھا۔ ہماری رائے میں اس بات سے واقف ہونا بہت ضروری امر ہے کیونکہ اس سے اس تیزی کا حال بخوبی کھل جاتا جس سے وہ تما م ملک کا دورہ کیا کرتا تھا۔ اور جگہ جگہ کے لوگ اس کا کلام سننے کے لئے اس کے پس جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اس موقع پر یہ بتانا بھی خالی از فائدہ نہیں کہ جن لوگوں نے تہذیب کو ترقی دی ہے۔ وہ اپنی حقیقی عظمت کے ایاّم میں چھوٹی چھوٹی جگہوں سے وابستہ تھے۔ مثلاً روم ایک اکیلا شہر اور یونان ایک چھوٹا سا ملک تھا۔

ملک فلسطین چار حصوں میں منقسم اور ان میں سے گلیل سب سے شمال میں واقع تھا۔ یہ صوبہ ساٹھ میل لمبا اور تیس میل چوڑا تھا۔ اس کی زمین بیشتر مرتفع تھی۔ اور بے ترتیب پہاڑوں کی مداخلت سے

کہیں اونچی اور کہیں نیچی تھی۔ مشرقی سرحد پر ایک نشیب واقع تھا جس کے بیچ میں سے دریائے یردن گزرتا تھا۔ اورجس کے وسط میں جھیل گلیل بحیرہ اعظم کی سطح سے قریباً 500فٹ نیچے بربط کی طرح واقع تھی۔ تمام ملک زرخیزی اورزرریزی سے مالا مال تھا۔ جابجا دیہات اورشہر آباد تھے۔وسعت کے مقابلے میں آبادی بہت زیادہ تھی۔ جھیل کے کنارے پر ہر قسم کے کاربارکا بازارگرم تھا۔ یہ جھیل تیرہ میل لمبی اورچھ میل چوڑی تھی۔ اس کے مشرقی ساحل کے گرد ایک سبز قطعہ 4/1میل وسیع اس طرح واقع تھا۔ کہ گویا چاندی کی چادرپر سبز مخمل کی مغزی لگی ہے۔ اس کی دوسری جانب بڑے بڑے پہاڑکھڑے تھے۔جن کی سطح پر سبزے اورگھاس کا نام ونشان نہ تھا۔ بلکہ جابجا وہ نالیاں جوندی نالوں کے بہاو سے پیدا ہوگئی تھی۔ دکھائی دیتی تھی مگر مغربی ساحل کے نزدیک یہ پہاڑکسی قدرہموارہوگئے تھے۔ لہذا جا بجا کا شت اورسبزے سے ملبس دکھائی دیتے تھے۔ کھیتوں سے ہر طرح کا اناج پیدا ہوتا تھا۔ اورجھیل کا کنارہ جو دامن کوہ سے لگا ہوا تھا۔ زیتون اور نارنگی اورانجیر کے خوبصورت درختوں سے پُربہار تھا۔ شمالی سرحد کا نقشہ کچھ اورہی تھا۔ وہاں جھیل اور پہاڑوں کے درمیان جو جگہ واقع تھی۔ وہ دریا کے ڈیلٹا ، کے سبب سے ایک وسیع میدان کی شکل رکھتی تھی۔ اور ان ندی نالوں سے سیراب ہوتی تھی۔ جو پہاڑوں سے نکلتے تھے۔ یہ جگہ گنیسرت کا میدان کہلاتی تھی۔ اوراپنی خوش نمائی اورزرخیری کے باعث باغ ارم کا مقابلہ کرتی تھی۔ اب بھی جبکہ جھیل کے طاس کا باقی حصہ ویرانہ سا پڑا ہے جہاں کہیں اہل زراعت کا ہاتھ پہنچتا ہے وہاں یہ جگہ خوبصورت کھیتوں سے لہلہاتی ہے اورجہاں زراعت نہینہوتی وہاں خاردارجھاڑیوں کے جنگل کھڑے ہیں۔ ہمارے خداوند کے زمانہ میں کفرنحوم ، بیت صیدا اورقرازین بڑے بڑے شہرآبادتھے۔ مگرچھوٹے چھوٹے شہروں اورگاوں سے جھیل کا ساحل بھرا پڑا تھا۔ اور بے شمارلوگ اس جگہ ہر وقت موجود رہتے تھے۔ کھانے پینے کی چیزیں کثرت سے دستیاب ہوتی تھیں۔ کھیتوں اورباغوں سے ہر طرح کا اناج اورپھل برآمد ہوتا تھا۔ جھیل میں اس قدرمچھلیاں پائی جاتی تھیں۔کہ ہزارہا ماہی گیرانہیں سے روزی کماتے تھے اورعلاوہ بریں وہ راستے جو مصر اوردمشق ، فنیکی اورفرات کے درمیان واقع تھے۔ وہ بھی اسی جگہ سے گزرتے تھے اوران کے سبب سے یہ جگہ تجارت کی منڈی بن گئی تھی۔ جھیل کی سطح پر ہزاروں کشتیاں دکھائی دیتی تھیں۔ کئی ماہی گیری کی غرض سے اورکئی مال اسباب کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے اورکئی تفریح طبع کے واسطے استعمال کی جاتی تھیں۔ غرضیکہ یہ علاقہ کام اورونق کے اعتبارسے زندگی اوراقبال مندی کا مرکز تھا۔

جو معجزات ہمارے خداوند نے یروشلیم میں دکھائے ان کی خبر ان لوگوں کے وسیلے سے جو عید سے واپس آئے گلیل مینپہنچ گئی تھی۔ اوراغلب ہے کہ اس کی منادی اوربپتسمہ کا چرچا بھی اس کے وراد ہونے سے پہلے گلیل میں شروع ہوگیا تھا۔ پہلے پہل تو وہ ناصرت کی طرف روانہ ہوا جہاں اس نے پرورش پائی تھی۔ اور وہاں سبت کے روزعبادت خانہ میں داخل ہوا۔ وہا ناس سے درخواست کی گئی کہ کلام الٰہی پڑھے اورحاضرین کو پندو نصیحت سے بہرہ ورفرمائے کیونکہ اس کی منادی کی شہرت بھی جا بجا پھیل گئی تھی۔ اس موقع پر مسیح نے یسعیاہ بنی کی کتاب سے ایک جگہ جس میں مسیح کی آمد اورکام کا بہت عمدہ بیان پایا جاتا ہے پڑھ کر سنائی۔ خداوند کی روح مجھ پر ہے اس لئے کہ اس نے مجھے غریبوں کو خوشخبری دینے کے لئے مسح کیا۔ اس نے مجھے بھیجا ہے کہ قیدیوں کو رہائی اوراندھوں کو بینائی پانے کی خبرسناوں۔ کچلے ہووں کو آزاد کروں اور خداوند کے سال مقبول کی منادی کروں۔ جب اس نے ان آیات کا مطلب سمجھانا اورمسیح کے زمانے کی خصوصیتوں کی تصویر کھینچنا شروع کیا۔ یعنی جب غلاموں کی آزادی اورغریبوں کی دولت مندی اورمریضوں کی سفا یابی کا رازظاہر فرمایا تو سامعین کے دل میں جن کے درمیان اس نوجوان واعظ نے پرورش پائی تھی۔ یہ شوق پیدا ہوا کہ اس کی باتیں کان لگا کر سنیں۔ چنانچہ کچھ مدت کے لئے سب ہمہ تن گوش معلوم ہوتے تھے۔ اورسب طرف سے تحسین وآفرین کی آوازبلند ہورہی تھی۔ ان دنوں یہودی عبادت خانوں میں تحسین وآفرین کے کلمات کا استعمال بیجا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن آن کی آن مینیہ نقشہ بالکل بدل گیا اورلوگوں نے کانا پھوسی شروع کی۔ کوئی کہتا تھا "کیا یہ وہی بڑھئی نہیں جو ہمارے یہاں کام کیا کرتا تھا"؟کوئی بول اٹھا "کیا اس کے ماں باپ اسی جگہ کے رہنے والے نہیں "؟ کوئی پوچھتا تھا "کیا اس کی بہنوں کی شادی اسی شہر میں نہیں ہوئی "؟ غرضیکہ آتش حسد بھڑک اٹھی اورجب اس نے یہ بتایا کہ جو نبوت اس وقت پڑھی گئی ہے۔

وہ مجھ میں پوری ہوئی تو وہ لوگ سخت غصے سے بھر گئے اور کہا کہ جیسے نشان تو نے یروشلیم میں دکھائے ہیں۔ ویسے ہی یہانبھی دکھا لیکن اس نے انہینجواب دیا کہ میں بے ایمانوں کے درمیان کوئی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ یہ سن کر انہوں نے بڑے غضب کے ساتھ حملہ کیا اوراسے عبادت خانہ سے نکال کر فوراً شہر کے پچھواڑے ایک ٹیلے پر لے گئے تاکہ وہاں سے سر کے بل گرادیں۔ اوراگر کوئی معجزانہ طورپر غائب نہ ہو جاتاتو گراہی دیتے اوراپنی ضرب المثل شرارت پر مسیح کے قاتل ہونے کی شہرت کو اضافہ کرتے جو بعد میں یروشلیم کے حصہ میں آئی۔

اس موقع کے بعد اس نے ناصرت کو بالکل چھوڑدیا۔ البتہ ایک مرتبہ پھر پرانے واقفوں کی محبت کے باعث وہاں گیا مگر اس وقت بھی کوئی تسلی بخش نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ پھجر اس نے کفر نحوم میں جو بحیرہ گلیل کے شمال مغربی ساحل پر واقع تھا۔ رہنا اختیا رکیا۔ یہ شہراب بالکل معدوم ہوگیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی یقینی طورپر معلوم نہیں کہ کون سی جگہ آباد تھا اورشاید یہی سبب ہے کہ ہمیں اس شہر اورمسیح کی زندگی میں ایسا ربط محسوس نہیں ہوتا جیسا دیگر مقاموں کی کی بابت ہوتا ہے۔ مثلاً بیت لحم جہاں وہ پیدا ہوا۔ ناصرت جہاں اس نے پرورش پائی اوریروشلیم جہاں وہ مصلوب ہوا ہماری یادداشت میں ہر وقت تازہ رہتے ہیں۔ لیکن انسب ہے کہ ان جگہوں کے ساتھ ہم کفر نحوم کو بھی اپنے حافظہ میں جگہ دیں کیونکہ آئندہ اٹھارہ ماہ کے لئے (یہ عرصہ اس کی زندگی کا ایک افضل حصہ تھا) یہی جگہ اس کا گھر یا مسکن تھی۔ یہ جگہ اس کا شہر کہلاتی تھیاوراسی کا باشندہ ہونے کے سبب اسے جزیہ بھی دینا پڑا۔ کفر نحوم گلیل مینکام کرنے کے لئے ایک عمدہ مرکز تھا کیونکہ جس قدرکارروائی جھیل گلیل کے قرب وجوارمیں ہوتی تھی۔ اس کا مرکزیہ شہر تھا۔ مزید برآں کفر نحوم سے صوبہ گلیل کے دیگر حصوں میں بآسانی جاسکتے تھے۔ اورجوکچھ اس شہر مینسرزد ہوتا تھا۔ اس کی خبر بھی بہت جلد دوسرے علاقوں میں پھیل جاتی تھی۔

اب اس نے کفر نحوم میں کام شروع کیا۔ اورکئی ماہ تک یہ طریقہ اختیارکیا کہ اس جگہ کو اپنی خاص قیام کی جگہ بنایا اوریہاں سے ہر طرف دورہ کرنا اورگلیل کے قصبوں اورگاوں میں منادی کرنا شروع کیا۔ کبھی کبھی مغرب کی جانب ملک کی اندرونی اطراف کو جاتا ہوگا۔ اورکبھی ان گاوں کا دورہ کرتا ہوگا جو جھیل کے کنارے پر واقع تھے اورکبھی اس ملک کو تشریف لے جا تا ہوگا۔ جو مشرقی ساحل پر واقع تھا۔ ایک کشتی ہر وقت تیاررہتی تھی۔ تاکہ جہاں کہیں وہ جانا چاہے بآسانی جا سکے۔ دورہ کرنے کے بعد کفر نحوم کو واپس آجاتا ہوگا اوروہاں کبھی ایک دن کبھی ایک ہفتہ اورکبھی دوہفتہ کے لئے قیام کرتا ہوگا۔

چند ہفتوں کے عرصہ میں اس کا نام تما م ملک میں مشہورہوگیا۔ جدھر دیکھو اُدھر اسی کا چرچا ہوتا تھا۔ کشیتوں میں لوگ اسی کی باتیں کرتے تھے اورگھر گھر میں اسی کے نام کا ورد ہوتا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں عجیب قسم کی تحریک پیدا ہو رہی تھی۔ جسے دیکھو وہی اس سے دیدارکا مشتاق تھا۔ ہزاروں لوگ اس کے پاس جمع رہتے تھے۔ اورروزبروزان کا شماربڑھتا جاتا تھا۔ جہاں کہیں وہ جاتا تھا۔ کے پیچھے جاتے تھے۔ یوں تھوڑے سے عرصہ میں اس کی شہرت دوردورتک پھیل گئی اوربے شمارلوگ یروشلیم ، یہودیہ ، اورپیریا سے آنے لگے بلکہ ادومیہ سے بھی جو کہ جنوب میں واقع تھا اوراسی طرح صوراورصیدا سے جو شمال میں واقع

تھے۔ ہزارہا آدمی آتے تھے۔ اورکبھی کبھی اس کثرت سے جمع ہوتے تھے کہ جگہ چھوڑنی پڑتی تھی کیونکہ لوگ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ ایسے ایسے موقعوں پر میدانوں اوربیابانوں میں لوگوں کو لے جانا پڑتا تھا ، غرضیکہ تمام ملک ایک سرے سے دوسرے سرے تک حرکت میں آیا ہوتا تھا اورگلیل میں کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں لوگ اس کے نام سے واقف نہ تھے۔

اب یہ سوال پیش کرآتا ہے کہ مسیح نے کونسا طریقہ اختیارکیا جوتمام ملک میں ایسی حرکت پیدا ہو گئی ؟ واضح ہو کہ یہ تحریک اس دعویٰ کا نتیجہ نہ تھی کہ یسوع ناصری مسیح موعود ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ دعویٰ تمام ملک کوایک سرے سے دوسرے سرے تک عجیب جوش سے بھر سکتا تھا۔ مگر مسیح نے ابھی اس دعویٰ پر بہت زوردینا شروع نہیں کیا تھا۔ البتہ کبھی کبھی اشارتاً جتا دیا کرتا تھا۔ کہ میں ہی وہ مسیح موعود ہوں جس کی راہ تم دیکھ رہے ہو جیسا کہ اس نے ناصرت کے عبادت خانے میں کیا۔ مگر متواتریا پے درپے اسی دعویٰ کو پیش نہیں کیا کرتا تھا۔ اوراس کی وجہ یہ تھی کہ گلیل کے لوگ ایسے تھے جو جلد متاثر ہو کر جوش میں آ جانے والے تھے۔ علاوہ بریں وہ مسیح کی بادشاہی کی دینوی شان وشوکت کے نہایت دلدادہ تھے پس اگران کے سامنے یہ دعویٰ باربارکیا جاتا تو ممکن ہے کہ وہ رومی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے بغاوت پرآمادہ ہو جاتے اوراس ناسزا حرکت کا یہ نتیجہ ہوتا کہ لوگوں کے دل مسیح سے منحرف ہو جاتے اوروہ رومی تلوارکا شکاربن جاتا اوراگر یہ دعویٰ یروشلیم مینکیا جاتا تو وہاں بھی یہی خطرہ تھا۔ کہ یہودی اس کے برخلاف اٹھ کراس کا کام تمام کرڈالتے۔ پس ہرطرح کی خلل اندازی سے بچنے کے لئے اس نے یہی بہتر سمجھا کہ میرے ذات اورعہدے کی حقیقت کچھ عرصہ کے لئے منکشف نہ ہو اورلوگوں کے دل تیارکئے جائیں۔ تاکہ جب اظہارو انکشاف کا وقت آئے تو میری بادشاہی کو جلد قبول کرلیں مگر فی الحال یہی بہتر ہے کہ میری سیرت اورکام کو دیکھ کر وہ آپ ہی نتیجہ نکالیں کہ میں کون ہوں۔ پس وہ وسیلے جو اس نے آپ کام میں استعمال کئے اورجن کی وجہ سے لوگ اس قدرجوش وخروش سے بھرگئے اوراس کی طرف راغب ہوئے وہ ہی تھے۔ یعنی اس کی منادی اوراس کے معجزات تھے۔

مسیح کے معجزات :شاید اورسب باتوں کی نسبت اس کے معجزات نے لوگوں کو زیادہ تر اس کی طرف راغب کیا۔ انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرنحوم مینجو معجزہ اس نے پہلے پہل دکھا یا اس کی خبر پھول کی خوشبو کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی اورہزارونا شخاص اس گھر پر جہانوہ رہتا تھا۔ جمع ہوگئے

اورجب کبھی وہ کوئی عجیب قسم کا معجزہ دکھا تا تھا۔ تو لوگوں کا جوش اوربھی دوبالا ہو جاتا تھا اوراس کی خبر ہر جگہ پہنچ جاتی تھی۔ مثلاً جب اس نے پہلی دفعہ کوڑھ کی بیماری کو دورکیا تو لوگ حیرت سے بھر گئے اوریہی حال اس وقت ہوا جب اس نے پہلی دفعہ ایک دیو کو نکا لا اورجب اس نے ایک بیوہ کے لڑکے کو شہر نائن میں زندہ کیا تو پہلے سب لوگوں پر خوف چھا گیا پھر سب کے سب خوشی سے بھرگئے اورحیرت اورتعجب سے معمورہو کر اس عجیب واقعہ کی بابت آپس میں گفتگو کرنے لگے۔تمام گلیل میں عجیب قسم کی حرکت پیدا رہوگئی۔ ہزارہا بیمارجو چل سکتے تھے۔ یا گرتے پڑتے اس کے پاس آسکتے تھے،آتے تھے اورجوآپ نہیں چل سکتے تھے۔ انہیں ان کے دوست چارپائیوں پر اٹھا کر اس کے پاس لاتے تھے۔ غرضیکہ شہروں اورگاوں کی گلیاں جدھر سے اس کا گزرہوتا تھا۔ بیماروں سے بھر جاتی تھیں اورکبھی کبھی شماراس قدربڑھ جاتا تھا کہ اسے کھا نا کھانے تک کی بھی مہلت نہیں تھی چنانچہ ایک دفعہ وہ اس محبت بھرے کام میںایسا ستغرق ہوا اورلوگوں کے دکھوں کو دیکھ کر ایسا جوش میں آیا کہ اس کے رشتہ داراسی رقت کو دیکھ کرنا مناسب مداخلت پر آمادہ ہوئے اورآپس میں کہنے لگے کہ وہ بیخود ہوگیا ہے۔

ہمارے خداوند کے معجزات دو قسم کے تھے یعنی اوّل وہ جن سے بیمار چنگے کئے گئے اوردوم وہ جو فطرت کی طاقتوں پر غالب آئے۔ مثلاً پانی کو مے بنانا، طوفان کو تھما دینا اورروٹیوں کے شمارکو بڑھانا۔ لیکن پہلی قسم کے معجزے دوسری قسم کے معجزوں سے شمارمیں بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہینکہ اس نے طرح طرح کی بیماریوں کو اپنی معجزانہ قدرت سے دورکیا۔ لنگڑوں کو چلنے، اندھوں کو دیکھنے اوربہروں کو سننے کی طاقت عطا فرمائی اورمغلوجوں کو چنگا اورکوڑھیوں کو پاک صاف کیا۔ وہ ان میں طرح طرح کے طریقے کام میں لاتا تھا۔ لیکن ہم کو یہ وجہ معلوم نہیں کہ وہ کیوں ایسا کرتا تھا۔ کبھی تو وہ بیمارکو چھوتا تھاکبھی گیلی مٹی آنکھ پر لگا تا تھا اورکبھی مریض کو غسل کرنے کا حکم دیتا تھا۔ اوربسا اوقات بلاوسائل بھی مریض کو چنگا کر دیتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی بیمارکو دیکھتا بھی نہ تھا اورہی سے کہہ دیتا تھا۔ اوروہ چنگا ہو جاتا تھا جسمانی امراض کے علاوہ وہ عقلی امراض کو بھی اپنی معجزانہ قوت سے دورکر دیا کرتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے زمانے میں عقلی امراض کثرت پھیل گئے تھے۔ اوریہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک طرح اسی زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ لوگ ان سے بہت ڈرتے تھے اورخیال کرتے تھے۔ کہ یہ امراض بدروحوں کے داخل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اوریہ خیال ان کا بالکل صحیح تھا۔ وہ شخص جسے مسیح نے گدرینیوں ملک میں قبروں کے درمیان چنگا کیا اس ہولناک مرض کا ایک عجیب نمونہ ہے۔ اس کا کپڑے پہن کر اورشفا پا کر مسیح کے پاوں

کے پاس بیٹھنا ظاہر کرتا ہے۔ کہ مسیح کی پُرمحبت اورتسلی بخش اورشاہانہ حضوری ان لوگوں کے دلوں پر جن کی عقل میں فتورآگیا تھا۔ عجیب قسم کا اثر رکھتی تھی۔ لیکن مسیح کے معجزات میں سے سے مردوں کو زندہ کرنے کے معجزات سب سے زیادہ حیرت انگیز تھے گو وہ باربار وقوع میں نہیں آتے تھے۔ تو لوگوں کو حیرت کا پتلا بنا دیتے تھے۔ دوسری قسم کے معجزے بھی یعنی وہ جو دائرہ فطرت میں نمودارہوئے اسی طرح بیان سے باہر ہیں۔ اگر وہ فقط عقلی امراض کو چنگا کرتا تو شائد لوگ یہ کہتے کہ اس کی زورآورطبیعت کے اثر نے عقلی نقصوں کو دورکر دیا۔ اوربعض جسمانی امراض کی مدافعت کی نسبت بھی یہ کہا جا سکتا تھا۔ کہ وہ ایک پرُزورمرض کی تاثیر کے وسیلے سے دورکئے گئے ،لیکن موج مارتے سمندرکی سطح پر چلنا ہر طرح کی تفسیر کے دائرہ سے باہر ہے۔

اب یہ سوال پیش کرتا ہے کہ مسیح نے کس لئے اپنے کام میں معجزات کو ایک وسیلہ بنایا ؟ اس سوال کے کئی جواب دیئے جا سکتے ہیں۔

(۱)اس نے یہ معجزات اس لئے دکھائے کہ اس کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو۔ گویا معجزات وہ "نشانات "تھے جو اس کی رسالت کو ثابت کرتے تھے۔ پرانے عہد کے کئی نبیوں کو اس سے پہلے معجزات دکھانے کی قدرت عطا کی گئی تاکہ ان کی رسالت پایہ ثبوت کو پہنچے اورگویوحنا بپتسمہ دینے والے نے جو مدت درازکے بعد عہدہ نبوت کو تازہ کرنیوالا شخص تھا کوئی معجزہ نہ دکھایا جیسا کہ ہم اناجیل کے سادے اورسچے بیان سے معلوم کرتے ہیں۔ تو بھی مسیح کے لئے جو بزرگ سے بزرگ نبی سے بھی بزرگتر تھا۔ معجزات کی نفی زیبانہ تھی بلکہ ضرورتھا۔ کہ وہ گذشتہ نبیوں کے معجزات سے بڑے بڑے معجزات دکھا کر اپنی رسالت کو ثابت کرے۔ اس کا یہ دعویٰ کہ میں مسیح ہوں ایک عظیم دعویٰ تھا اوروہ لوگ جو رسالت کے ثبوت میں معجزات دیکھنے کے عادی ہوگئے تھے۔ اس کے ایسے دعویٰ کو ہرگز قبول نہ کرتے اگر وہ کوئی معجزانہ نشانات نہ دکھاتا۔

(۲)پھر مسیح کے معجزات اس الٰہی بھرپوری یا الوہیت کے کمال کا جو اس میں مجسم ہو رہا تھا۔ لازمی اظہارتھے وہ خدا کا مظہر تھا اوراس کی انسانیت روح القدس کی بے قیاس قدرت سے مالا مال تھی۔ پس یہ بات قواعدفطرت کے عین مطابق تھی۔ کہ جب ایسا شخص دنیا میں آئے تو عجیب قسم کے کام اس سے سرزد ہوں۔ وہ وہ بذات خود ایک عجیب معجزہ تھا اوراس کے دیگر معجزات اس بڑے معجزے کی کرنیں تھے۔ اس کا اس دنیا میں قدم رکھنا بذات خود قانون قدرت کی ترتیب کے برعکس تھا یا یوں کہیں کہ اس کا اس دنیا میں آنا

گویا انتظام موجوادت میں ایک نئے عنصر کا داخل ہونا تھا۔ تاکہ دنیا کو اپنی حضوری کی برکتوں سے مالا مال کرے اورجب وہ داخل ہوا تو اس کے ساتھ اس کے معجزے بھی داخل ہوئے نہ اس لئے کہ ترتیب میں فتور پیدا ہو بلکہ اس لئے کہ جو خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ اس کی اصلاح کی جائے لہذا اس کے تمام معجزات نہ صرف اس کی الٰہی قدرت کا اظہار تھے۔ بلکہ اس کی پاکیزگی اورحکمت اورمحبت کو بھی ظاہر کرتے تھے۔ یہودی اکثر اس سے بڑے بڑے اچنبھے طلب کیا کرتے تھے۔ تاکہ عجائبات دیکھنے والی ہوس کو پورا کریں مگر وہ کبھی ان کو کہنا نہیں مانتا تھا۔ اورصرف اسی قسم کے معجزے دکھایا کرتا تھا۔ جو ایمان کو تقویت دینے کے لئے ضروری شرط تھا۔ غرضیکہ وہ نہ کبھی لوگوں کے شوق کو پورا کرنے کے لئے اورنہ کبھی ان بے ایمانوں منہ بند کرنے کے لئے معجزے دکھا تا تھا جو اکثر اوقات اس سے معجزے طلب کیا کرتے تھے۔ اس کے معجزات پر یہ خاصیت انہیں ان اچنبھوں سے جدا کرتی ہے۔ جو قدیم اچنبھے دکھانے والوں یا رومن کتھلک درویشوں سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ مسیح کے معجزات پر سنجیدگی اوررحم اورمحبت کی مہر لگی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ اس کی سیرت کا اظہار تھے۔

(۳) اس کے معجزات اس کے روحانی اورنجات بخش کام کی علامتیں ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دیر غورکریں تو آپ قائل ہو جائیں گے کہ اس کے معجزات دنیا کی خرابی اورتکلیف پر فتح پانے کا نشان تھے۔ بنی آدم کئی قسم کی خرابیوں کا شکار ہو گئے ہیں بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ تمام فطرت کے ڈھانچے میں وہ آثار ہو گئے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بجا ہے کہ تمام فطرت کے ڈھانچے میں وہ آثار پائے جاتے ہیں جو کسی گزری ہوئی تباہی پر دلالت کرتے ہیں۔ ''ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی ہے اوردردزہ میں پڑی تڑپتی ہے''۔

موجودات کی یہ بے قیاس ابتری اورخرابی بنی آدم کے لئے گناہ کا نتیجہ ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک بیماری یا نقصان کسی خاص گناہ سے علاقہ رکھنا ہے۔ گو بہت سی بیماریوں اونقصانات ضرورخاص خاص گناہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اوگذشتہ گناہ کے نتائج تمام بنی آدم میں عموماً بٹے ہوئے ہیں، پھر بھی دنیا کی خرابی گویا اس کے گناہ کا سایہ ہے۔ اورچونکہ مادی اوراخلاقی خرابیاں ایک دوسری سے علاقہ رکھتی ہےں۔ لہذا ایک سے دوسری کا حال کھل جاتا ہے۔ پس جب اس نے جسمانی پن کو دورکیا تو یہ فعل گویا باطنی بصیرت کو بحال کرنے کی علامت ٹھہرا۔ اسی طرح جب اس نے مردوں کو زندہ کیا کہ روحانی دنیا میں بھی میں ہی زندگی اورقیامت ہوں۔ جب اس کے کوڑھ دورکیا تو گویا یہ پتہ دیا کہ میں ہی گناہ کا کوڑھ بھی دورکر سکتا

ہوں۔ جب اس نے روٹیوں کو معجزانہ طورپر چڑھایا تو گویا اس معجزے سے زندگی کی روٹی پر بھی تقریر کی اور اس کا طوفان کو بند کرنا یہ دلالت کرتا تھا۔ وہ پریشان ضمیر کو بھی اطمینا ن اورسکون عطاکر سکتا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ مسیح کے معجزات اس کے کام کا ضروری اورلا زمی حصہ اوراسے قوم میں مشہور کرنے کا ایک عمدہ وسیلہ تھے۔اس کے علاوہ وہ لوگ جو شفا یاب ہوتے تھے۔ وہ شکر گذاری کے رشتہ سے اس کے ساتھ جکڑے جاتے تھے۔اوراس میں شک نہیں کہ جو پہلے اس کے معجزات پر ایمان لائے ان میں سے کئی بعد میں ایمان کی اعلیٰ منزل تک پہنچے مثلاً مریم مگدلینی کو جس میں سے اس نے سات دیو نکالے تھے۔ اسی قسم کا تجربہ نصیب ہوا۔

اوراگراس کی نسبت سوچا جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسے اس کا م سے کبھی بہت دکھ اورکبھی بڑی خوشی ہوتی ہوگی۔ طرح طرح کی بیماریوں اورگناہ کے اندوہناک نتیجوں کو دیکھ کر اس کا پُرمحبت اورہمدرد دل جس کی نرمی کبھی کم نہیں ہوتی تھی۔ زخمی ہو جاتا ہوگا،مگراس کی عظیم محبت کا مسکن ایسی ہی جگہوں میں ہونا چاہیے جہاں مد د کی ضرورت تھی اورطرح طرح کی برکتوں کو ہر طرف تقیسم کرنا اورگناہ کے داغوں کو جابجا مٹانا اس کے لئے بڑی فرحت کا باعث ہوا ہوگا۔ اس کے معجزانہ چھونے سے صحت کا لوٹ آنا ، بند آنکھوں کو خوشی اورشکر گذاری کے ساتھ کھلتے دیکھنا ، ماوں اوربہنوں کی دعائے خیر کو اس وقت جبکہ وہ ان کے عزیزوں کو چنگا کرکے ان کے حوالے کرتا تھا۔ سننا،شہروں اورگاوں میں داخل ہوتے وقت غریبوں کے چہروں پر محبت اورتعظیم کے آثارکو دیکھنا اس کے دل کو خوشی سے بھر دیتا ہوگا۔ غرضیکہ وہ اس چشمہ سے جو بھلائی کا منبع ہے خوب سیر ہو چکا تھااورچاہتا تھا ، اوراب چاہتا ہے کہ اس کے شاگرد بھی اس سے سیر ہوں۔

مسیح کی تعلیم اوراس کی تاثیر

ہمیں یقین ہے کہ اوپر کے بیان سے ہمارے ناظرین پر بخوبی واضح ہوگیا ہوگا۔ کہ مسیح کے کام میں معجزات کیا جگہ رکھتے ہیں۔ اب ہم اس کی منادی یا تعلیم کی نسبت چند خیالاتپیش کرنا چاہتے ہیں۔اس کی تعلیم اس کے معجزات سے بڑا رتبہ رکھتی ہے۔ اس کے معجزات گھنٹے کی طرح لوگوں کو اس کے پاس بلانے کا کام دیتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اس کے حضورفراہم ہوکر اس کے کلام کو سنیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے معجزات کے سبب سے اس کا نام نزدیک اوردورسب جگہ مشہورہوگیا مگر اس کی تعلیم بھی اس کی

شہرت کا سبب تھی۔ فصاحت وہ جادو ہے جو لوگوں کو ایک دم میں حیرت کا پتلا بناکر مسخر کر لیتی ہے۔ ہر قوم اس جادو متاثر ہوتی آئی ہے۔ بربری ہمہ تن گوش ہو کر اپنے بزرگوں کے کارناموں کے افسانے اور کہانیاں سنتے تھے۔ مہذب یونانی اپنے معلموں کے ایک ایک لفظ کی قدر کرتے تھے۔ اوراہل روم بھی جو زندگی کے معمولی کاروبار کے سا اورکسی کام سے سروکارنہیں رکھتے تھے۔ اس جادو کے اثر اورقوت کے قائل تھے۔ یہودی تو اس کے ایسے عاشق تھے کہ اورکسی چیز پر ایسے فریفتہ نہ تھے جیسے فصاحت و بلاغت پر، ان کے بزرگوں میں کوئی ایسا فصیح نہ تھا۔ جیسے ان کے بنی جنہوں نے آسمانی صداقت کو فصاحت کا لباس پہنا کر لوگوں کے سامنے پیش کیا۔ اگرچہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے کبھی کوئی معجزہ نہیں دکھایا تھا۔ تو بھی لوگ اس کی باتوں کے سننے کے لئے ہر طرف سے کثرت سے جمع ہوتے تھے۔ کیونکہ اس کے کلام میننبیوں کی فصاحت کی قدرت رعد کی طرح کڑکتی تھی۔ اورلوگوں نے اس عجیب قدرت کو جس کا نظارہ ایک مدت سے نصیب نہیں ہوا تھا،اس کے پرُزورالفاظ میں محسوس کیا اوراس طرح اس کے پاس جمع ہوئے جس طرح چشمہ شیریں پر چیونٹیوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ اورچونکہ مسیح بھی بنی تھا لہذا اس کی منادی کا شہرہ ہر جگہ پھیل گیا۔ "اوروہ ان کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا رہا اورسب اس کی بڑائی کرتے رہے"۔ لوگ اس کی باتوں کو بڑی حیرت سے سنتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا بڑا مجمع ہو جاتا تھا۔ کہ اسے جھیل کا کنارا چھوڑکر کشتی پر سوارہونا اوروہاں سے ان کی طرف مخاطب ہوکر اپنی زبان حقیقت بیا ن کو کھولنا پڑتا تھا۔ اس کے کلام میں کچھ ایسی تاثیر تھی۔ کہ اس کے مخالفوں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ " انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں گیا "۔ اگرچہ اس کے الفاظ جو قلمبند ہو کر ہمارے زمانے تک پہنچے ہیں۔ بہت ہی تھوڑے ہیں تاہم ان سے بخوبی اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ آیا اس کے مخالفوں کی یہ رائے جواوپر بیان ہوئی صحیح ہے۔ یا نہیں اوریہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کا کلام سامعین پرکیسا اثر ڈالتا تھا۔ اس کی پُر تاثیر تقریروں کا خلاصہ جو انجیلوں میں محفوظ ہے۔ اگر الگ کرکے چھاپہ جائے تو معمولی قسم کے چھ سرمنوں سے زیادہ جگہ نہ لے گا۔ تاہم یہ کہنا بے جانہیں کہ اس سے بڑھ کر اورکوئی علمی خزانہ بنی آدم کے ورثہ میں نہیں آیا۔ جس طرح اس کے معجزے اس کی ذات مبارک کا اظہار تھے۔ اسی طرح اس کا کلام اس کی ذات کا مظہر تھا۔ چنانچہ اس کے ایک ایک لفظ اس کی سیرت کا جلال چمک رہا ہے۔

اس کی منادی کا طریقہ اس کی قوم کے بزرگوں کے طرز تقریر کی مانند تھا۔ اس امر میں اہل مشرق اوراہل مغرب میں بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً مغربی ممالک کے باشندے جب کسی بات پر غورکرتے یا کسی خیال کو الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔ تو عبارت کی روانی اورتشریح وتفسیر کو مد نظر رکھتے اوراپنے خیالات کو منطقی ترتیب

اورسلسلے کے مطابق پیش کرتے ہیں۔ پس جس طرزسخن پر اہل یورپ فریفتہ ہیں وہ یہ ہے کہ بولنے والا ایک عمدہ مضمون انتخاب کرکے اسے مختلف حصوں میں تقسیم کرے اورپھر ایک ایک حصے پر سلسلہ وار اپنے خیالات ظاہر کرے اوریوں ایک حصے کو دوسرے حصے سے ربط دیتا ہوا اپنی تقریر کو ایسی رقت انگیز اپیل سے ختم کرے کہ سامعین کے دل اس کے ہاتھ میں آجائیں۔ اورجو کام ان سے کرانا چاہے کرالے لیکن برعکس اس کے اہل مشرق کا یہ طریق ہے۔ کہ وہ ایک نکتہ کو لے کر اسی کی دھن میں لگے رہتے ہیں اسی کے نشیب و فراز پر غورکرتے اورجو صداقتیں اس کے متعلق ذہن نشین ہوتی ہیں، انہیں ایک جگہ جمع کرکے چند جان گداز اور قابل یاد الفاظ میں ادا کردیتے ہیں۔ وہ اختصار کو پسند کرتے اوردل میں کھب جانے والے محاورات کام میں لاتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ اہل مغرب اپنی تقریر کو بڑی ترکیب اورمناسبت سے مرتبت کرتے ہیں چنانچہ ان کی تقریرمیں زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک خیال دوسرے سے وابستہ ہوتا ہے لیکن اہل مشرق کی تقریر اورتحریر تاروں بھری رات کی مانند ہوتی ہے۔ جس طرح رات کے وقت سیاہ یا نیلگوں آسمان کی سطح پر تارے چمکتے ہیں۔ اسی طرح ان کی تحریر میں نورانی نکات کے جواہر جگمگاتے ہیں۔

مسیح اس قسم کے طرزسخن کو کام میں لایا۔ اس کے کلام میں بیشمار الفاظ اورمحاورات ایسے موجود ہیں کہ ان میں سے ایک ایک "کوزہ میں دریا بند" کو مصداق ہے یعنی بڑی بڑی گہری حقیقتیں چھوٹے چھوٹے جملوں میں ادا گئی ہیں اورایسی پُرتاثیر صورت میں کہ تیر کی طرح دل میں کھب جاتی ہیں۔ اگر آپ ان الفاظ کو جو اس سے منسوب کئے جاتے ہیں اورجو انجیلوں مینقلمبند ہیں پڑھیں اوران پر غورکریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے ہر ایک لفظ دل کو کھینچ لیتا ہے۔ اورایسے عمیق معانی رکھتا ہے کہ بہ سبب لطافت اورحلاوت کے دل سیر نہیں ہوتا اورپھر یہ بھی دیکھیں گے کہ باوجود اس کے اس کلام میں کچھ ایسی خاصیت پائی جاتی ہے۔ کہ اس کی باتیں جلد حفظ ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ اس کی امت کے حافظہ میں پتھر پر کی لکیر کی طرح قائم ہیں۔ ہاں ان کی یہ عجیب خاصیت ہے کہ دماغ ابھی ان کے معانی کو سمجھنے نہیں پاتا کہ وہ پہلے ہی سے امثال کی طرح ذہن میں نقش ہو جاتی ہیں۔

علاوہ بریں اس کی تعلیم کی ایک اورخاصیت یہ ہے کہ وہ طرح طرح کی صنعتوں اورتشبیہوں سے پُر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قوت متخیلہ خیال کے عوض تشبیہات کے ذریعے سے اپنا کام کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ فطرت کی گوناگوں صنعتوں کو بڑے شوق سے ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ پھولوں کے رنگ پرندوں کے ڈھنگ ، درختوں کا بڑھنا موسموں کا بدلنا اس کی حقیقت شناس چشم سے پوشیدہ نہ تھا۔ اوراسی طرح وہ بنی آدم کی

زندگی کی ہر رہگذر سے بخوبی تھا۔ چنانچہ وہ جانتا تھا کہ مذہبی اموراورکاروبارارخانگی تعلقات میں انسان کیا ہے۔ لہذا وہ کسی نہ کسی فطرتی تشبیہ کو کام میں لائے بغیرنہیں بول سکتا تھا۔ اورنہ بغیراس کے غورکرسکتا تھا۔ پس ہم دیکھتے ہیں۔ کہ اس کاکلام طرح طرح کی تشبیہوں سے پُر ہے۔ جن کے سبب سے ایک قسم کی بوقلمونی اورحرکت اس سے ہویدا ہے، وہ قیاسی قضیئے اوروہمی دعویٰ پیش نہیں کرتا بلکہ حقیقتوں کا فوٹو کھینچ دیتا ہے۔ اوراس کے الفاظ سے ملک کی خصوصیات اورزمانہ کے حالات اس طرح ٹپکتے ہیں جس طرح تصویر سے ٹپکا کرتے ہیں۔ کہیں سوسن کی پھواڑیا نجن کے حسن خدا داد کی دید سے اس کی آنکھیں تروتازہ ہوتی تھیں۔ ، سرسبزکھیتوں میں لہلہارہی ہیں۔ کہینبھیڑیں اپنے چوپان کے پیچھے پیچھے جارہی ہیں۔ کہیں شہروں کے تنگ اورکشادہ دروازے نظرآتے ہیں۔ کہیں کنواریوں کے مشعل جو دولھا کی منتظرکھڑی ہیں اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ اگرہیکل میں ایک طرف فریسی پاک نوشتوں کی آیات ماتھے اوربازوں پرلگائے کھڑا ہے تودوسری طرف ایک محصول لینے والا گردن جھکائے دعا مانگ رہا ہے۔ اگرایک دولتمند اپنے محل میں بیٹھا ضیافت کے مزے اڑارہا ہے۔ توایک مصیبت زدہ غریب جس کے زخموں کوکتے چاٹ رہے ہیں۔ اس کے دروازے پرپڑاکر اہ رہا ہے۔ یہ اوراسی طرح کے اورسینکڑوں دلچسپ فوٹو اس کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ اوران کے وسیلے سے اس زمانے کے اوضاع واطواراورطرزمعاشرت کے اندرونی اورجزوی حالات کھل جاتے ہیں۔ جن کا ذکرعام تاریخی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

لیکن ان سب باتوں سے بڑھ کر اس کے کلام کا یہ خاصہ تھا کہ اس میں تمثیلات کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس میں وہ دونوں باتیں جن کا ذکر اوپر ہوا مل جاتی ہیں۔ یا یوں کہیں کہ تمثیل مختصر بیان اور تشبیہی کلام کی ترکیب سے پیدا ہوتی ہے۔ تمثیل زندگی کے عام واقعات میں سے کسی واقعہ کو چن لیتی اوراس کی ایک چمکتی دمکتی تصویر بنا کر اسے اپنے کام میں لاتی ہے اوراس کے وسیلے کسی روحانی بھیدکو جو اس سے مناسبت اورمشابہت رکھتا ہے۔ ظاہرکرتی ہے اظہارحقائق کے لئے یہ طریقہ قوم یہود کے درمیان عام تھا۔ مگر مسیح نے اس کو خوب جلا دی اورکمال تک پہنچایا۔ اس کی باتیں جواب تک محفوظ ہیں ایک تہائی کے قریب تمثیلوں پر مشتمل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ کس طرح سامعین کے حافظہ پر جم جاتی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ منادوں کے سرمنوں سے چند سال کے بعد فقط وہی مثالیں یاد رہتی ہینجو وہ تقریر میں استعمال کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمثیلیں اس وقت سے لے کراس وقت تک پشت درپشت مسیحیوں کے حافظہ میں محفوظ چلی آئی ہیں۔ مسرف بیٹا بیج بولنے والا ، دس کنواریاں نیک سامری اوردیگر تمثیلیںلاکھوں

لوگوں کے دلوں میں گویا خوبصورت تصویروں کی طرح لٹک رہی ہیں۔ کیا دنیا کے بڑے بڑے شاعروں یا نثر نویسوں کے کلام میں مثلاً سعدی، ابوالفضل، ظہوری اورفردوسی وغیرہ کے کلام میں کوئی ایسے حصے یا ٹکڑے پائے جاتے ہیں۔ جنہوں نے مسیح کی تمثیلوں کی مانند بنی آدم کے دل پر گرفت پیدا کی ہو؟ مسیح کو مثالوں کی تلاش میں دورنہیں جانا پڑتا تھا۔ جس طرح ایک ماہر اورمشاق کی تلاش مصورکھڑیا مٹی کی ڈلی یا ایک بجھا ہوا کوئلہ لے کر ایک ایسی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ کہ اسے دیکھ کر یا تو ہنسی کے مارے کلیجہ تھامنا پڑتا یا آنسوؤں کے دریا جاری ہو جاتے ہیں یاد دیکھنے والا نقش بردیوارسارہ جاتا ہے۔ اسی طرح مسیح بھی زندگی کے عام واقعات کو چن لیتا ہے مثلاً نئے جامے پر نئے پارچے کا پیوند لگانا۔ پرانی مشکوں کا نئی مے کے سبب سے پھٹ جانا۔ لڑکوں کا بازاروں میں کھڑے ہو کر شادی اورماتم کے کھیل کھیلنا۔ کسی جھونپڑی کا طوفان کے تھپیڑے کھا کر گر پڑنا وغیرہ عام واقعات ہیں اوروہ انہیں چن کر اپنے بینظیر فن سے ایسے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ کہ وہ دائمی حقیقتوں اورآسمانی رازوں کو روزروشن کی طرح آشکارا کر دیتے ہیں۔ پس تعجب کی بات نہیں کہ ہزارہا لوگ اس کے پاس جمع رہتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کے کلام کی تہ تک پہنچنے کے لئے صدہا سال کی غور فکر کی ضرورت تھی تاہم سادہ سے سادہ اورجاہل سے جاہل سننے والا بھی اس کی مثالوں کو سن کر محفوظ ہو جاتا ہوگا۔ اوران الفاظ کو جن کے وسیلے سے وہ اپنے خیالات ادا کیا کرتا تھا۔ عمر بھر کے لئے اپنے ساتھ لے جاتا ہوگا۔ پس یہ کہنا بے جا نہیں کہ اس کے کلام کی مانند اورکوئی کلام نہیں کیونکہ جس قدروہ سادہ ہے۔ اسی قدر گہرا بھی ہے، جس قدرصنعتوں سے پُر ہے اسی قدرصداقت اورراستی سے بھی معمورہے۔

یہ تو اس کے کلام کی خاصیتیں ہیں۔ اب ہم تھوڑی دیر کے لئے دکھائیں گے کہ اس لاثانی مناد کی منادی میں کون کون سی خاص باتیں توجہ طلب ہیں۔ ان کا ذکر اس کے سامعین کی نکتہ چینی میں موجود ہے۔ اورنیز ان تقریروں سے ان کا پتہ ملتا ہے جو انجیلوں میں قلمبند ہیں۔

ان میں جو سب سے بڑھ کر ہے، وہ اختیار ہے۔ جو لکھا ہے کہ "بھیڑ اس کی تعلیم سے حیران ہوئی کیونکہ وہ ان کے فقیہوں کی طرح نہیں بلکہ صاحب اختیار کی طرح انہیں تعلیم دیتا تھا"۔ پس پہلی بات جسے اس کے سامعین نے محسوس کیا، وہ فرق تھا جو اس کے کلام میں اورفقیہوں کی اس منادی میں پایا جاتا تھا۔ جو وہ عبادت خانوں میں کیا کرتے تھے۔ یہ فقیہہ ایسے مردہ اورخشک مسائل کی منادی کرتے تھے۔ کہ ان سے بڑھ کر بے تاثیر اوربے جان مسائل اورکسی جگہ نہیں ملتے۔ اگر وہ ان پاک نوشتوں میں سے جو ان کے پاس موجود تھے لوگوں کو نصیحت کرتے اوران کے مطالب کھول کر بتاتے تو اس سے ان کے کلام کو ایک طرح کی طاقت اورتازگی

حاصل ہوتی مگر وہ مفسروں کے کہنہ خیالات کی خوردہ فروشی میں لگے رہتے تھے۔ اورکوئی ایسی رائے پیش نہیں کرتے تھے۔ جوکسی ربی کی سند پر مبنی نہ ہو۔ وہ انصاف اوررحم ، محبت اورخدا کے متعلق لوگوں کو تعلیم دینے کی جگہ پاک نوشتوں کو ایک رسوم نامہ کی صورت دے کر ادنیٰ باتوں کی منادی کرنے لگ گئے مثلاً لوگونکو صرف ایسی ایسی باتیں بتانے لگ گئے کہ جوآیات ماتھے اوربازو□ں پر لگانی چاہئیں۔ دعا کے وقت کس طرح بیٹھنا یا کھڑا ہونا چاہیے۔ روزہ کتنی دیر تک رکھنا چاہیے اورسبت اوردن کتنا فاصلہ طے کرنا چاہیے وغیرہ۔ انہی باتوں پر اس زمانے کا مذہب منحصر تھا۔ اورجس طرزکی منادی اس زمانے میں مروج تھی اگر ہم اس کا نمونہ جدید زمانوں میں دیکھنا چاہیں تو ہمیں ریفارمیشن کے زمانے پر نظر ڈالنا چاہیے۔ جس شخص نے سکاٹ لینڈ کے مصلح ناکس کے سوانح عمری تحریر کئے ہیں۔ بتاتا ہے کہ ریفارمیشن کے ایاّم میں رومن کیتھلک درویشوں کی تقریریں بالکل بے مغز بے لطف اورناقص ہوتی تھیں۔ وہ بتاتا ہے کہ "ایسی کہانیا ں جوکسی رومن کتیھلک مذہبی فرقہ کے بانی سے منسوب کی جاتی تھیں۔ یعنی دہ معجزے جوان کے خیال میں اس نے دکھائے وہ لڑائیاں جو اس نے شیطان کے ساتھ کیں، اس کی دعائیں اس کے روزے اس کا اپنے آپ کو کوڑوں سے مارنا وغیرہ وہ مضامین تھے جن پر منادی کی جاتی تھی۔ یا مقدس پانی اورمقدس تیل کی تاثیریا اپنے بدن پر صلیب کا نشان بنانے اورکلام کے وسیلے سے آسیب دورکرنے کی خوبیوں کا راگ الاپاکرتے تھے۔ یا پر گیٹوری (اعراف) کے شدید عذاب کا خاکہ کھینچا کرتے تھے۔ اوربتایا کرتے تھے کہ کتنے اس عذاب سے فلاں صاحب کرامت دلی کی سفارشی دعاوں کے وسیلے سے چھوٹ گئے ہیں۔ یا فضول ہزلیات اوریا وہ گوئی میں اپنا وقت خراب کیا کرتے تھے۔ غرضیکہ بائبل کی پاک اورفائدہ بخش اوربلند پایہ تعلیمات کے عوض میں اس قسم کی باتوں سے لوگونکو آسودہ کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ "مسیح کی منادی سے لوگوں کے دل پرکچھ اسی قسم کا اثر پیدا ہوگا۔ جیسا ریفارمشن کے زمانے میں اہل سکاٹ لینڈ پر وشرٹ اورناکس کی منادی سے پیدا ہوا۔ مسیح ربیوں اورمفسروں کے مختلف خیالات سے کچھ سروکارنہیں رکھتا تھا۔ بلکہ وہ اس طرح تقریرکرتا تھا۔ کہ گویا اس نے ازلی اورابدی حقیقتوں کو بچشم خود دیکھا ہے۔ وہ اس بات کا محتاج نہ تھا کہ کوئی اوراس کی خدا اورانسان کی نسبت سکھائے کیونکہ وہ خود دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ وہ جانتا تھا، کہ میں ایک خاص کام کے لئے آیا ہوں اوریہ خیال اسے اس کے کام میں لگائے اوراس کے ہر لفظ اورحرکت کو سرگرمی سے معمور رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے اورجو باتیں میں بیان کرتا ہوں میری نہیں بلکہ خدا کی ہیں۔ پس وہ ان کو جو اس کی بات نہیں سنتے تھے۔ بے تامل کہہ دیتا تھا۔ کہ قیامت کے دن تم پر نینوہ کے لوگ فتویٰ

لگائینگے اورسبا کی ملکہ تمہیں مجرم ٹھہرائے گی۔ کیونکہ اہل نینوہ نے یوناہ کی باتوں پر کان لگایا اورسبا کی ملکہ نے سلیمان کے حکمت آمیز کلمات کو سنا مگر تم اس کی جو نبیوں سے بڑا اورپرانے بادشاہوں سے بزرگ اترہے۔ نہیں سنتے ،اس نے ان کو خوب آگاہ کردیا کہ جو پیغام میں لایا ہوں اس کے قبول کرنے یا رد کرنے پر تمہاری آئندہ بہبودی یا خرابی منحصر ہے۔ یہی وہ سرگرمی اورشاہانہ دبدبہ اوراختیار تھا۔ جو سننے والوں کو ہلا دیتا تھا۔

ایک اورصفت جو لوگوں نے اس کی تعلیم یا منادی میں پائی دلیری تھی۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے۔ ''دیکھو دیہ صاف کہتا ہے''۔ اوریہ بات اس لئے نہایت عجیب معلوم ہوتی تھی۔ کہ وہ تعلیم یافتہ آدمی ہ تھا۔ کیونکہ نہ اس نے یروشلیم کے مشہورمدارس میں کبھی تحصیل علم کے لئے قدم رکھا تھا۔ اورنہ کسی دارا لعلوم سے سند حاصل کی تھی۔ لہذا وہ تعجب کرتے تھے۔ کہ یہ دلیری اس میں کہاں سے آگئی۔ معلوم ہو کہ یہ صفت اسی چشمہ سے برآمد ہوئی جس سے اس کے شاہانہ اختیارکی عجیب صفت پیدا ہوئی تھی۔ بزدلی عموماً اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ مناد اپنے پیغام کی نسبت اپنی طرف زیادہ تر دیکھتا ہے۔ جو مناد حاضرین سے ڈرتا اورعالموں اورفاضلوں کو دیکھ کر گھبرا جا تا ہے وہ محض اس خیال میں مستغرق ہوتا ہے کہ لوگ میری لیاقت اورمیرے کلام کی نسبت کیا کہیں گے۔ لیکن جو شخص یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ میں ایک الٰہی پیغام لے کرآیا ہوں جس کو ادا کرنا میرامقدم فرض ہے وہ صرف اپنے پیغام کی دھن میں لگا رہتا ہے۔ اس کے نزدیک اس کے پیغام کے سننے والے عالم ہوں۔ یا جاہل ،امیرہوں یا غریب سب یکساں ہوتے ہیں۔ مسیح کی آنکھ روحانی اورجاودانی صداقتوں پرلگی ہوئی تھی۔ ان کی عظمت اس کے دل پر نقش تھی۔ لہذا انسانی علم و فضل کا خیال ان باتوں کے روبرو ناچیز تھا۔ ہر رتبہ کا آدمی اس کے سامنے عام آدمیوں کی طرح تھا۔ اورچونکہ وہ اپنے کام کے خیال میں محو رہتا تھا۔ اس لئے کسی ذاتی یا شخصی خیال سے نہیں ڈرتا تھا۔ اگر ہم اس کی دلیری دیکھنا چاہیں تو ان حملا ت کو دیکھیں جو اس نے ان خرابیوں پرکئے جنہیں لوگ اس وقت عمدہ سمجھتے تھے۔ یہ خیال کرنا کہ اس میں نرمی اورفروتنی کے سوا اورکچھ نہیں پایا جاتا تھا۔ بڑی غلطی ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں کئی جگہ ایک قسم کی تندی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ زمانہ ملمع سازی کا زمانہ تھا۔ جتنے بڑے بڑے مراتب اورمناصب تھے۔ ان سب پر ملمع پھرا ہوا تھا۔

سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں میں علم وفضل کے بلند مرتبوں میں اورمذہب کے ہر پہلو میں گندم نمائی اورجو فروشی کام کررہی تھی۔ غرضیکہ ریاکاری ایسی عالمگیر ہوگئی تھی۔ کہ لوگ ریاکاری کو ریاکاری نہیں سمجھتے

تھے۔ اورجن باتوں کی تقلید اورپیروی کی جاتی تھی۔ وہ نہایت نکمی اورناقص تھیں۔ مسیح کے الفاظ کو پڑھنے والے بآسانی اس بات کو محسوس کرسکتے ہیں۔ کہ اوّل سے آخر تک اس کے کلام میں ان خرابیوں کے برخلاف ایک قسم کا غصہ پایا جاتا ہے جو ناصرت کے حالات کے مشاہدے سے شروع ہوا اورجوں جوں مسیح کا علم حالات زمانہ کے بارے میں ترقی کرتا گیا اسی قدروہ بھی بڑھتا گیا۔ جن باتوں کو لوگ بہت پسند کرتے تھے۔ وہ ان کی نسبت کہتا تھا۔ کہ یہ باتیں خدا کی نظر میں نہایت مکروہ ہیں۔ تاریخ کی زبان میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آتا جس کے کلام میں پائے جاتے ہیں اوریہ حملات اس نے ان لوگوں پرکئے جن کے سامنے اس کی منادی سے پہلے سرتسلیم خم کئے جاتے تھے۔ اوروہ لوگ فقیہ اورفریسی اورکاہن اورلاوی تھے۔

ایک اوروصف اس کے کلام میں یہ تھا۔ کہ وہ قدرت سے ملبس تھا چنانچہ لوگ حیران ہوتے تھے۔ کہ وہ قدرت سے کلام کرتا ہے اوریہ قدرت روح پاک کے اس مسیح کا پھل تھی جس کی امداد کے بغیر بڑی بڑی سچائیاں دل پرکچھ اثر نہیں کرتی ہیں۔ وہ روح پاک سے معمورتھا۔ لہذا سچائی سے معمورتھا اوراس سچائی کو جواس کے دل میں جوش زن تھی دوسرونکے دلوں تک پہنچا دیتا تھا۔ وہ روح پاک ایسے قلیل یا محدود اندازہ میں نہیں رکھتا تھا۔ کہ مشکل سے اسی کے لئے کافی ہو بلکہ اس کثرت سے رکھتا تھا۔ کہ اوروں کو بھی افراط سے دے سکتا تھا۔ لہذا روح کی تاثیراس کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتی تھی۔ اورسننے والوں کے دل ودماغ کو جوش سے بھردیتی تھی۔

چوتھی صفت کو جواس کے کلام میں پائی جاتی تھی۔ رحم وفضل کہنا چاہیے ، لوگ "ان پرُفضل باتوں سے جواس کے منہ سے نکلتی تھیں تعجب کرتے تھے"۔ اورہم دیکھتے ہیں کہ باوجود دبدبے اوراختیار کے اورباوجود ان سخت حملوں کے جواس نے زمانہ کی خرابیوں پرکئے اس کا کلام رحم اورمحبت سے پرُتھا۔ اس صفت کے وسیلے سے اس کی اصل سیرت کا پتہ ملتا ہے۔ وہ جو محبت مجسم تھا۔ کس طرح اس آسمانی آگ کی تیزی اورروشنی کو جواس کے دل میں بھڑک رہی تھی۔لفظوں میں چمکنے سے روک سکتا تھا؟ فقیہ بڑے سخت اورمغروراوربے مہر لوگ تھے وہ دولت مندوں کی خوشامد اورعالموں کی عزت کیا کرتے تھے۔ مگر عوام کی نسبت کہا کرتے تھے۔ "یہ عام لوگ جو شریعت سے ناواقف ہیں لعنتی ہیں"۔ لیکن یسوع کے نزدیک ہر روح ایسی بیش قیمت تھی کہ کوئی اس کی وقعت کا اندازہ نہیں لگا سکتا تھا۔ اگروہ میلے کچیلے کپڑوں میں چھپی ہوئی ہوتی تھی۔ یا کسی اورنقص کے تلے دبی ہوئی ہوتی تھی۔ تواس کی آنکھ وہاں بھی اس موتی کو دیکھ لیتی تھی۔ اگر اس پر گناہ کی نجاست کا انبارلگا ہوا ہوتا تھا۔ تو وہ بھی اسے اس کی نظر سے نہیں چھپا سکتا تھا۔ لہذا وہ اپنے

سننے والوں مینسے ہر ایک کے ساتھ یکساں سلوک کیا کرتا تھا۔ کیا جب ہم لوقا کے 15باب کی تمثیلوں کو پڑھتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ گویا الٰہی محبت خدا کے دل سے نکل کر ان تمثیلوں کے وسیلے سے اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہے۔

ایک اورصفت بیان کرنے کے لائق ہے جسے سب صفات کی جامع اوراوراس کی تقریر کی جان سمجھنا چاہیے۔ اس صفت کی طرف اوپر کہیں کہیں اشارہ ہو چکا ہے۔ مگر اس جگہ اس کا کچھ مفصل ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مسیح جب لوگوں کی طرف مخاطب ہوکر کلام کیا کرتا تھا۔ تو یہ خیال نہیں کرتا تھا۔ کہ میں کس درجہ اورکس لیاقت کے لوگوں سے متکلم ہوں، بلکہ سب کو یکساں سمجھ کر ان سے مخاطب ہوا کرتا تھا۔ دولت اورعزت اورعلم جو بھی آدم میں فرق ڈالتے ہیں بالا ئی یا خارجی اسباب ہیں۔ جو ہم کو انسانی زندگی کی سطح پر ملتے ہیں۔مگر ذہنی قوتیں، دلی جذبات اورضمیر کی حقیقتیں وہ باطنی اور گہری خاصیتیں ہیں جو تما م بنی آدم میں مشترک ہیں۔ ہمارا یہ مطلب نہیں کہ یہ صفتیں سب مینیکساں ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں، کہ کسی میں زیادہ اورکسی میں کم ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ اورباتوں کی نسبت یہی سب میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اورجو شخص ان صفتوں کی طرف مخاطب ہوتا ہے۔ وہ گویا اپنے سننے والوں کی زندگی کے سب سے اصلی اور گہرے حصوں کو متاثر کرتا ہے۔ اورسب اس کی بات کو سمجھتے ہیں۔ ہر ایک شخص اپنا اپنا حصہ پاتا ہے۔ یعنی جس قدرکم فہم آدمی کی سمجھ میں سمائی ہوتی ہےوہ اس سمائی کے مطابق اس چشمہ سے لیتا ہے۔ اورجس قدروسیع خیال آدمی کے ذہن میں وسعت ہوتی ہے۔ وہ اس وسعت کے مطابق اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسیح کا کلام آب رواں کی طرح ہر وقت تروتازہ رہتا ہے۔ وہ ہر زمانہ اور ہر قسم کے لوگونکے لئے ہے۔ وہ آج بنی نوع انسان کو انگلستان اورچین اورہندوستان میں اسی طرح موثر کرتا ہے۔ جس طرح فلسطین میں مسیح کے زمانہ میں کیا کرتا تھا۔

اب ہم تھوڑی دیر کے لئے اس کی تعلیم کے نفس مضمون پر غورکریں گے۔ جب ہم اس بات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو یہ خیال دل میں پیدا ہو تا ہے۔ کہ جس طرح اس زمانے کے لکچرار مسیحی مذہب کی تعلیمات اورمسائل پر درس دیا کرتے ہیں۔ اسی طرح شائد وہ بھی دیا کرتا تھا۔ لیکن جب ہم اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو بالکل اورہی حالت نظر آتی ہے۔ البتہ وہ سب باتیں جو ہم سوال وجواب کی کتابوں یا عقائد نامہ میں مسیحی مسائل اورتعلیمات کے متعلق پاتے ہیں۔ وہ اس کے ذہن میں موجود تھیں مگر وہ انہیں اپنی منادی کے وسیلے سے بہت ظاہر نہیں کیا کرتا تھا۔ نہ وہ علم الٰہی کی اصطلاحات کو استعمال میں لایا کرتا تھا۔

مثلاً الفاظ تثلیث ، تقدیر، برگزیدگی اورموثر بلاہٹ جو مسیحی علوم الہٰیہ کی اصطلاحات میں داخل ہیں۔ اس کی منادی میں نظرنہیں آتے ہیں گو وہ صداقتیں جو ان اصطلاحی الفاظ سے مفہوم ہوتی ہیں۔ اس کے کلام کی تہ مینپائی جاتی ہیں مگرانہیں ظاہرکرنا یا اصطلاحی طورپرپیش کرنا سائنس کا کام تھا۔ وہ فقط زندگی کے معمولی تعلقات پربولا کرتا تھا۔ اورچند دل گدازباتوں کو اپنی تقریرکا مرکزبناکردل اورضمیرکو چھید ڈالتا تھا۔

اس کی منادی کا عطریہ الفاظ تھے" خداکی بادشاہی "۔اس چیزیا اس چیزکی مانند ہے۔ ایک مرتبہ اس نے یہ بھی فرمایا کہ " مجھے اورشہروں میں بھی خدا کی بادشاہی کی منادی کرنا ضرورہے"۔ اس سے اس نے یہ ظاہرکیا کہ میری منادی کا مضمون خدا کی بادشاہی ہے اوریہی بات اس کے رسولوں کے حق میں لکھی ہے کہ اس نے انہیں بھی اسی لئے بھیجا کہ "خدا کی بادشاہی کی منادی کریں"۔ مگریہ الفاظ اس کے ایجادکردہ نہ تھے۔ یہ خیال پرانے زمانوں سے چلاآتا تھا۔ اوراس کے زمانے کے لوگ اس دینی محاورے سے بخوبی واقف تھے چنانچہ یوحنا بپتسمہ دینے والے نے ان الفاظ کو کثرت سے اپنی منادی میناستعمال کیا چنانچہ "خدا کی بادشاہی نزدیک ہے"۔ ہم باربار اس کے منہ سے سنتے ہیں۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ان الفاظ کا کیا مطلب ہے ؟ یہ الفاظ اس نئے زمانے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جس کی خبرنبوت کی کتابوں میں پائی جاتی تھی۔اورجس کی راہ خدا کے مقدس بندے مدت سے دیکھ رہے تھے۔ خداوند مسیح نے اپنی منادی کے وسیلے سے لوگوں کوآگاہ کیا کہ وہ زمانہ اب آگیا ہے۔ اورمیں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ انتظاری کا وقت تمام ہوچکا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے ہمعصروں سے مخاطب ہوکر کہا کہ کئی نبی اورکئی برگزیدہ اشخاص یہ آرزو رکھتے تھے۔ کہ جوکچھ تم دیکھ رہے ہو دیکھیں۔ مگرانہیں دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ پھرایک مرتبہ اس نے یہ بھی کہا کہ اس نئے زمانے کا جلال اوررونق اورحقوق ایسے بے بہا ہیں کہ جو ان سے بہرہ ورہیں۔ان میں سے وہ جو سب سے چھوٹا ہے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے افضل ہے۔ حالانکہ وہ پرانے عہد کے بزرگوں میں سب سے بڑا ہے۔

ان باتوں کاماننا اس کے معاصرین کے لئے کچھ مشکل نہ ہوتا اگروہ اس بات کوبھی مان لیتے کہ خدا کی بادشاہی فی الحقیقت آگئی ہے کیونکہ وہ ان سے سب باتوں کے قائل تھے۔ البتہ انہوننے مسیح کے ان دعووں کو سن کرذرا سی دیر کے لئے کروٹ بدلی اورآنکھ اٹھاکرادھراُدھر دیکھنا شروع کیا لیکن جب اس کا کوئی ظاہری نشان نہ پایا تو یہ کہنا شروع کردیا کہ وہ نیازمانہ کہاں ہے جس کا آمد کا ذکریسوع ناصری کرتا ہے؟ اوراسی بات کے سمجھنے میں وہ مسیح سے اختلاف رکھتے تھے۔ وہ "خدا کی بادشاہی " کے آخری لفظ "بادشاہی " پر

زوردیتے تھے مگر یسوع پہلے لفظ " خدا " پر زوردیتا تھا۔ انہیں یہ امید تھی کہ نیازمانہ شاہانہ کروفر اوردنیوی شان و شوکت کے ساتھ نمودارہوگا۔ بے شک وہ یہ مانتے تھے۔ کہ اس بادشاہی میں خدا ہی کے نام کا سکہ جاری ہوگا۔ مگراس کے ساتھ وہ یہ بھی امید رکھتے تھے۔ کہ اس کا ظہورے قیاس دولت وثروت ، جنگی افواج کی حشمت وقدرت اورایک عالم گیرحکومت وسلطنت سے ہوگا۔ لیکن برعکس اس کے خداوند مسیح نئے زمانے کاآغازاس بات میں دیکھتا ہے۔ کہ خدا محبت کرنے والے دل اوراطاعت کرنے والی مرضی پرحکمران ہوگا۔ وہ اس نئے زمانے کو خارج میں تلاش کرتے تھے۔ مگرمسیح اسے باطن میں بتاتا تھا۔ وہ اسے دنیوی شان و شوکت میں ڈھونڈ ھتے تھے مگر مسیح اس نے اپنے پہاڑی وعظ میں اس نئے زمانے کو طرح طرح کی مبارک بادیوں سے ظاہر فرمایا اورہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ مبارک حالی جوان سے مترشح ہے سراسرسیرت یا خصلت کی مبارک حالی ہے مگرجس سیرت کا نقشہ ان مبارک بادیوں میں پایا جاتا ہے۔ وہ اس سیرت اس جس کی قدران دنوں کی جاتی تھی۔ اورجو اس زمانے میں حقیقی جلا ل اورخوشی کا باعث سمجھی جاتی تھی۔ بالکل مختلف تھی ان دنوں مغرورفریسی یا دولتمند صدوقی یا عالم فقیہ کی سیرت نمونے کے لائق سمجھی جاتی تھی۔ مگر مسیح نے برعکس اس کے یہ سکھایا کہ جو دل کے غریب ہیں۔ جو غمگین ہیں ، جو حلیم ہیں، جو راست بازی کے بھوکے اورپیاسے ہیں، جو رحمدل ہیں، جو پاک دل ہیں، جو صلح کرانے والے ہیں، اورجو راستبازی کے سبب ستائے جاتے ہیں وہ مبارک ہیں۔

پس مسیح کی منادی کا اصل مدعا یہ تھا کہ لوگ جان جائیں کہ خدا کی بادشاہی کا کیا مطلب ہے اورکہ جولوگ اس بادشاہی میں دخل پاتے ہیں ان کی سیرت کیسی ہوتی ہے۔ اوران کو اپنے آسمانی باپ کی محبت اور قربت سے کیسی برکت ملتی ہے۔ اورآنے والی دنیا میں ان کے لئے کیسی خوشیاں موجود ہیں۔ اوراس نے یہ بھی دکھایا کہ جس مذہب کی میں تلقین کرتا ہوں اس میں اورتمہارے موجودہ مذہب میں کیا فرق ہے۔ تمہارے موجودہ مذہب میں روحانیت کا نام ونشان نہیں پایا جا تا اورسیرت کے عوض میں چند خارجی رسوم کی پیروی پر قناعت کی جاتی ہے۔ مسیح ہر رتبہ اوردرجہ کے لوگوں کو اس بادشاہی میں شامل ہونے کی دعوت دیتا تھا۔ دولتمندوں کو دعوت دیتے وقت یہ بتاتا تھا (جیسا کہ "دولتمند اورلعاذر"کی تمثیل سے آشکارا ہے) کہ دولت مینحقیقی آرام وراحت کو تلاش کرنا بطلان کی دلیل اورخطرہ کا موجب ہے اورجب تنگدست غریبوں کو بلاتا تھا۔ تو ان پر ان کے انسانی جوہر کی عظمت کو ظاہر کیا کرتا تھا۔ اورپرُمحبت اورپرُتاثیر الفاظ سے ان کو سمجھایا کرتا تھا۔ کہ جو حقیقی دولت ہے وہ سیرت کے خزانوں میں جمع ہے اورانہیں یقین دلاتا تھا۔

کہ اگر تم پہلے آسمان کی بادشاہی کو ڈھونڈ و تو تمہارا آسمانی باپ جو ہوا کے پرندوں کو کھلاتا اور جنگلی سوسنوں کو پہناتا ہے۔ تمہیں کبھی محتاجی کی حالت میں نہ چھوڑے گا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی منادی کو مرکز اور اپنی تعلیم کی جان وہ آپ ہی تھا۔ جس نئے زمانے کا ذکر اوپر ہوا وہ اسی میں موجود تھا۔ وہ نہ فقط اس کی خبر دینے والا تھا۔ بلکہ اسے وجود میں لانے والا بھی تھا۔ اور وہ سیرت جس کے سبب سے انسان اس بادشاہی میں داخل ہو سکتا اور اس کے حقوق میں شراکت پید اکرسکتا ہے۔ اسی سے ملتی ہے لہذا اس کی ہر نصیحت آمیز تقریر کا اصل مدعا یہ تھا کہ لوگ اس کے پاس آئیں۔ اس سے سیکھیں اور اس کی پیروی اختیارکریں" اے تم لوگو! جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہو میرے پاس آو"۔ اس کی نصیحتوں کا لب لباب اور اس کی تقریروں کا خلاصہ مطلب انہیں الفاظ میں جمع ہے۔

مسیح کی تقریروں کے ملاحظہ سے ایک بڑی غور طلب بات نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جن خاص مسیح مسائل کا ذکر پولوس سے خطوط میں پایا جاتا ہے اور جن کو آج خدا پرست اور روشن ضمیر مسیحی مان رہے ہینوہ مسیح کی تقریروں میں صاف صاف دکھائی نہیں دیتے ہیں۔ یہ کمی خصوصاً دو مسئلوں کے متعلق دیکھنے میں آتی ہے۔ اوّل۔ اس تعلیم متعلق جس کی رو سے گنہگار خدا سے میل پیدا کرتا ہے۔ دوم۔ اس طریق کے بارے میں جس کے وسیلے معافی یافتہ انسان کے اندر وہ سیرت پیدا ہوتی ہے۔ جو مسیح کی سیرت کی مانند ہوتی اور باپ کو پسند آتی ہے۔ پر اس معاملے میں بڑی خبرداری سے کام لینا چاہیے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کمی کی نسبت ایسا مبالغہ کیا جائے کہ ہم کو مجبوراً یہ ماننا پڑے کہ ان تعلیمات کا نام و نشان بھی مسیح کی تقریروں میں نہیں ملتا۔ حقیقت یہ ہے کہ پولوس رسول کسی مسئلہ یا تعلیم کو پیش کرتا جس کا تخم مسیح کے کلام میں نہیں پایا جاتا۔ پھر بھی یہ ماننا پڑتا ہے۔ کہ دونوں کے بیانوں میں ایسا فرق پا یا جاتا ہے۔ کہ مسیح کے بیان کے اختصا راور رسول کے بیان کی تفصیل کا مقابلہ کرکے بعض لوگ یہ کہہ اٹھتے ہیں۔ کہ جو تعلیمات تم اب مان رہے ہو، وہ پولوس کی ساختہ ہیں، مسیح کے کلام میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اصل شرح اس معمے کی اور ہی ہے۔ مسیح محض معلم نہ تھا۔ اس کی سیرت اس کی تعلیم پر فوقیت رکھتی تھی۔ اور اسی طرح اس کا کام بھی اس کی تعلیم پر فائق تھا۔ اور اس کے کام کا سب سے بڑا حصہ یہ تھا۔ کہ وہ صلیب پر چڑھ کر دنیا کے گناہوں کا کفارہ دے، لیکن اس کے پیرو جو ہر دم اس کے ساتھ رہتے تھے۔ نہیں ماننا چاہتے تھے، کہ اس کو مرنا پڑے گا۔ پس اس کے مرنے سے پہلے اس کی موت کا گہرا اور عمیق مطلب سمجھنا مشکل تھا۔ اب جن مسئلوں کو ذکر پولوس رسول کے خطوط میں پایا جاتا ہے۔ وہ صرف دو بڑے بڑے واقعات کی شرح ہیں ان

میں سے ایک مسیح کی موت اوردوسرا سرفرازنجات دہندہ کی طرف سے روح القدس کا بھیجا جانا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ باتیں مسیح کے کلام میں بہت جگہ نہیں لے سکتی تھیں۔ کیونکہ وہ ابھی واقع نہ ہوئی تھیں۔ مگر ان کے الہامی مطالب کے اظہارکو دبانا گویا انجیل کے چراغ کو بجھانا اورمسیح کو اس کے اعلیٰ جلا ل سے محروم رکھنا ہے۔

جو لوگ مسیح کی باتیں سننے آتے تھے۔ وہ مختلف طبعیت اورمزاج کے لوگ تھے اوران کا شمارکبھی زیادہ اورکبھی کم ہوتا تھا۔ اورجس جگہ اس کو موقع ملتا تھا۔ وہیں ان کی طرف مخاطب ہوکران کو سکھلانے لگ جاتا تھا۔ کبھی پہاڑپر چڑھ کر، کبھی سمندرکے ساحل پرکھڑا ہوکر، کبھی راستہ میں، کبھی عبادت خانہ میں اورکبھی ہیکل کے صحن میں جاکر لوگوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ وہ نہ صرف بڑی بڑی جماعتوں کے سامنے بولا کرتا تھا۔ بلکہ اگر اس کو کسی جگہ ایک یا دو شخص مل جاتے تھے۔ توان کے ساتھ بھی اسی سرگرمی سے کلام کیا کرتا تھا۔ غرضیکہ کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ ایک دفعہ بہت تھکا ہوا تھا۔ مگر پھر بھی سامریہ کے کنوئیں پر ایک عورت کو روحانی تعلیم دیتا رہا۔ اسی طرح نیکدیمس کو بھی جو اکیلا اس کے پاس آیا تھا۔ اپنی زبان معجزبیان سے روحا نی اسرارکی باتیں سنا تا رہا۔ مریم بھی کبھی کبھی اکیلی اس کے پاو□ں سے پاس بیٹھ کر اس کی زندگی بخش باتیں سنتی تھی۔ انجیل میں اس قسم کی تنہائی کی ملاقاتوں کا انیس مرتبہ ذکرآیا ہے۔ اوروہ اس کے شاگردوں کے لئے ایک عمدہ نمونہ ہیں کیونکہ یہ طریقہ ان تمام طریقوں سے جو تعلیم دینے میں کام آتے ہیں۔ شاید سب سے زیادہ موثر اورکارگر ہوتا ہے اورنیز اس سے واعظ کی سرگرمی کاپتہ ملتا ہے۔ کیونکہ جو شخص ہزاروں کے مجمع کے سامنے جوش اورسرگرمی سے کلام کرتا ہے۔ اورجب سامعین کا شمارکم ہو جاتا ہے۔ تو اس کے جو ش کی آگ بھی بجھ جاتی ہے۔ وہ محض اپنی فصاحت دکھانے کا شائق ہے لیکن جو شخص موقع ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ کہ جو کوئی اسے ملے اسی کو اس کی روح کی نجات کا مژدہ دے وہ درحقیقت روحوں کی بھلائی چاہتا ہے اوراس کے دل میں فی الحقیقت آسمانی جو ش کی آگ جل رہی ہے۔

اکثراوقات اس کے کلام کو سننے کے لئے صرف اس کے شاگرد ہی جمع ہوتے تھے۔ لیکن اس کی منادی کا اثر سننے والوں پر یکساں نہیں ہوتا تھا۔ اس نے خود " بیج بولنے والے " اور"کی تمثیلوں کے وسیلے سے بڑی صفائی سے ظاہرکر دیا کہ سننے والوں پر میرے کلام کا اثر مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض لوگ اس کی تقریر سن کر مطلق پروانہیں کرتے تھے۔ اوربعض حیرت سے سنتے تھے۔ مگران کے دل پرکچھ اثرنہیں ہوتا

تھا۔ اوربعض کچھ عرصہ کے لئے متاثر ہوتے تھے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر پرانی عادتوں میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ اورجب ہم اس بات پر غورکرتے ہیں کہ خدا بیٹے کے کلام کو سن کر بھی بہت تھوڑے لوگ ایمان لاتے تھے توایک ہیبت سی چھاجاتی ہے۔ جو لوگ اس کی منادی سن کر اس پر ایمان لاتے تھے۔ وہ اس کے شاگرد کہلاتے تھے۔ وہ اکثر اس کا کلام سننے کو اس کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ اوروہ باربار ان کے ساتھ خلوت و جلوت میں ہمکلام ہوا کرتا تھا۔ وہ پانچ سوشاگرد جنہوں نے اس کو مردوں میں سے جی اٹھنے کے بعد دیکھا ، غالباً مریم مگدلینی اوریوانہ اورسوسنا ہ جو اپنے مال سے اس کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ وہ عوام کی نسبت ان شاگردوں کو خاص طورپر اپنی تعلیمات سے آگاہ کیا کرتا تھا۔ مثلاً جوکچھ اس کی پبلک تقریروں میں بعید الفہم معلوم ہوتا تھا۔ وہ اسے خلوت میں ان سب کے سامنے حل کر دیا کرتا تھا۔ کئی دفعہ اس نے یہ کہا کہ میں تمثیلوں میں اس لئے بولتا ہوں کہ لوگ سنیں پر نہ سمجھیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ اس سچائی سے جو وہ بیان کیا کرتا تھا۔ کچھ دلچسپی نہ رکھتے تھے۔ وہ اس کی بات کو تو سنتے تھے۔ مگر صرف ایک خوبصورت چھلکا ان کے ہاتھ آتا تھا۔ مگر مغز سے محروم رہتے تھے۔ یہی رازداری جو بے پرواوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیتی تھی۔ ایمان داروں کے لئے مزید تحقیق کا باعث ٹھہرتی تھی اورجس طرح کسی خوبصورت چہرہ کو جس کا نصف حصہ نقاب کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے۔ دیکھنے کی آرزو ازحد دامن گیر ہوتی ہے۔ اسی طرح ان کے دل میں یہ شوق پیدا ہوتا تھا۔ کہ جن باتوں پر بھید کا نقاب پڑا ہوا ہے۔ ان کا مطلب ان پر صاف صاف کھل جائے اروہ ان لوگوں کو جو معرفت کا ایسا اشتیاق رکھتے تھے۔ ان کے پوشیدہ معنی سے واقف کر دیتا تھا۔ جب قوم اس کو رد کر بیٹھی اوراس بات میں قاصر نکلی کہ مسیح کے کام اورتعلیم کی تاثیرات کو دنیا کے کناروں تک پہنچائے تو یہی لوگ اس روحانی سوسائٹی کی بنیادبنے جو ملکی قیود اورخاندانی اورقومی امتیازات کے بندھنوں سے آزاد تھی۔ اورجس کے وسیلے سے مسیح کی روح اورتعلیم کو دنیا میں پھیلنا اورقائم رہنا تھا۔

رسولوں کی جماعت

شاید یہ بہتر ہوگا کہ ہم رسولوں کے چننے کا ذکر مسیح کے معجزات اورتعلیم کے ساتھ ساتھ یہیں کر دیں کیونکہ ہم رسولی عہدے کے تقررکو وہ تیسرا طریقہ قراردے سکتے ہینجس کے وسیلے سے اس نے اپنے کام کو انجام دیا۔ وہ بارہ اشخاص جو اس عہدے پر سرفراز ہوئے شروع میں عام شاگردوں کے زمرہ میں شامل تھے۔ اورجن لوگوں نے اس کے کام کے پہلے سال میں اس کی پیروی اختیارکی وہ بھی شاگرد کہلاتے تھے۔ لیکن

جب اس نے اپنا کام گلیل میں شروع کیا تو ان بارہ آدمیوں کو ایک خاص قسم کی قربت سے سرفراز فرمایا، یعنی انہوں نے اپنے معمولی کاروبار کو چھوڑ ہر دم اس کی صحبت میں رہنا اختیار کیا اور پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ مسیحی قربت اپنی تیسری اور آخری منزل پر جا پہنچی یعنی وہ لوگ رسولی عہدے سے ممتاز کئے گئے۔

جب اس نے دیکھا کہ میرا کام بڑھتا جاتا ہے۔ اور اسے پورا کرنا لازمی امر ہے۔ لیکن میں اکیلا اسے کر نہیں سکتا تو اس نے ان لوگوں کو رسالت کے عہدے پر سرفراز فرما کر اپنا مددگار بنایا اور انہیں بھیجا کہ جا کر اس کی تعلیم کی سادہ سادہ باتیں لوگوں کو سکھائیں اور اس کام کی انجام دہی کے لئے ان کو وہی معجزانہ طاقت مرحمت فرمائی جس سے خود مالا مال تھا۔ اس طرح کئی جگہ جہاں وہ عدم فرصتی کے سبب خود نہیں جا سکتا تھا۔ انجیل کی منادی کی گئی اور کئی بیمار جو اس کے پاس نہیں آسکتے تھے۔ شفا یاب ہوئے۔ لیکن ان لوگوں کے چننے میں اس سے بھی گہرے مقاصد اور وسیع نتائج مدنظر تھے۔ اس کا کام سب زمانوں اور تمام دنیا کے لئے تھا لہذا وہ ایک شخص کی مدت عمر میں پورا نہیں ہو سکتا تھا اور اس نے اس بات کو پہلے ہی سے دیکھ لیا، لہذ اان لوگوں کو چن کر اس بات کا انتظام کی کیا کہ وہ اس کے بعد اس کی تجاویز کی پیروی کریں اور اس کے کام اور تعلیم کی تاثیرات کو دنیا کے ہر کونے اور ہر گوشے تک پہنچائیں۔ اس نے اپنے دست مبارک سے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ ناممکن نہیں کہ ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر وہ اپنے خیالات کو خود رقم کرتا اس کے نام اور کام کو بقائے دوام حاصل ہوتی اور دنیا کے ہاتھ میں اس کی ایک کامل تصویر آجاتی اور شاید ہم اس بات کو سوچ کر شوق سے بھر جاتے اور بے ساختہ بول اٹھتے کہ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا رسالہ ہمارے لئے بے قیاس دولت کا خزانہ ہوتا۔ لیکن اس بے نظیر حکیم نے اس قسم کے کام میں ہاتھ لگانا مناسب نہ جانا بلکہ یہ بہتر سمجھا کہ اپنے مرنے کے بعد اپنی تصنیف کردہ کتابوں کے عوض میں برگزیدہ اشخاص کی زندگیوں میں جیتا رہے لیکن جب ہم ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہیں جنہیں اس نے ایسے بڑے کام کے لئے چنا تو ہم کو حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ عالی خاندان ہونے کا فخر نہ رکھتے تھے۔ اور نہ سرمایہ علم سے بہرہ در تھے۔ لازم تھا، کہ قوم کے رہبر اور پیشوا اپنے مسیح کی خدمت میں کام آتے پر انہوں نے اپنی سخت دلی کے وسیلے سے ظاہر کر دیا کہ ہم اس خدمت کے لائق نہیں۔ لیکن وہ ان کی مدد کا طالب نہ تھا۔ اور چونکہ وہ ہمیشہ سیرت کی کی خوبیوں سے کام لیا کرتا تھا۔ اور سیرت دنیوی جاہ جلال اور علمی لیاقت اور کمال کی مقید نہیں ہوتی لہذا اس نے بے ہچکچاہٹ اپنا سارا کام بارہ سیدھے سادے اشخاص کے ہاتھ میں سونپ دیا جنہیں نہ خاندانی فخر اور نہ علمی لیاقت کا ناز تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ انتخاب کئی دنوں کی سوچ اور فکر اور رات بھر کی دعا

مناجات کے بعد کیا تھا۔ اوراس انتخاب نے بعد میں ثابت کر دیاکہ اس نے اس امر میں ایسی باریک بینی سے کام لیا جو سیرت انسانی کی تہ کو پہنچ جاتی ہے۔ چناچہجس مقصد کے پورا کرنے واسطے یہ لوگ چنے گئے تھے۔ اس کے لئے نہایت موزوں نکلے اورہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کم ازکم یعنی یوحنا اوربطرس (کیونکہ ان کا کسی قدرمفصل حال ہمارے پاس موجود ہے) اعلیٰ قسم کی لیاقتوں کے آدمی ثابت ہوئے۔ ان بارہ میں سے ایک بے وفا نکلا۔ اس کے انتخاب کے بارے میں طرح طرح کی تشریحیں پیش کی گئی ہیں۔ پر یہ ایک ایسا عقدہ ہے جو پورے طورپر حل نہیں ہوا اورنہ ہوسکے گا۔ لیکن یہ کہنا عین انصاف ہے کہ ایسے اشخاص کو جو شروع میں بالکل نالائق معلوم ہوتے تھے۔ بعد میں کامیابی کے تاج سے تاجدار ہوئے۔چن لینا ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ بادشاہی ستونوں کی طرح اس بات پر شہادت دیتا رہے گا۔ کہ مسیح لکیر کا فقیر نہ تھا۔ بلکہ ساری باتیں ایسی تازگی اورنئے پن سے کرتا تھا۔ کہ ان میں ذرا بوسیدگی کی بُو نہیں آتی۔

اب اگر ہم صرف یہی بتا کر خاموش ہو جائیں کہ مسیح نے اپنی باریک بینی سے جان لیا کہ یہ لوگ کچھ عرصہ کے بعد میرے کام کو بخوبی انجام دیں گے تو اس رشتہ کا جو وہ اپنے شاگردوں کے ساتھ رکھتا تھا۔ پورا پورا حال نہ کھلے گا۔ پس چند اورباتوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے مسیح کلیسیاؤں کے قائم کرنے میں گویا ایک ایسے کام کو پورا کیا جس کی عظمت کا اندازہ لگانا انسان کے وہم سے بعید ہے اورہم کہہ سکتے ہیں۔ (گویا خیال ان کے دل میںکبھی نہ آیا ہو) کہ وہ تختوں پر بیٹھے موجودہ دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ جب ہم لوٹ کر دیکھتے ہیں۔ تو وہ ہمیں ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا عالی شان ستونوں کی قطار کی طرح آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ پر وہ نورجس سے ملبس ہو کر یہ عظیم الشان ستون چمک رہے ہیں۔اسی چشمہ نور سے نکلتا ہے جس سے انہیں چنا تھا۔ اسی نے ان کو وہ عظمت بخشی جو دنیا کے داناوں کو حیران کرتی ہے۔ اوران کی عظمت اسی کی عظمت کو ثابت کرتی ہے۔ کیا ان کو دیکھ کر یہ خیال نہیں آتا کہ وہ جس نے ان لوگوں کو ایسی خوبصورت اورمضبوط سیرت عطا فرمائی اورایسے جلیل القدرکام کے لائق بنا دیا، خود کیا ہو گا ؟ شروع میں وہ حد درجہ کے گنواراورجسمانی مزاج کے آدمی تھے۔ کیا ان سے اس بات کی کوئی امید کی جا سکتی تھی۔ کہ وہ کبھی اس کی الٰہی تجویزوں کی خوبی کو پہچان سکیں گے یا اس کے کام کو اس کے بعد انجام دیں گے۔ اوراس کی سیرت کا ایک سچا فوٹو آنے والی پشتوں کے حوالے کریں گے لیکن اس نے محبت بھری برداشت کے ساتھ ان کی تربیت کی۔بڑی بردباری سے ان کی دنیوی امیدوں کی اصلاح اوران غلط فہمیوں کی جو اس کے کلام کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوتی تھی۔ تصحیح کی اورچونکہ وہ جانتا تھا۔ کہ ان لوگوں کو آئندہ بڑی

بڑی مہمات کو طے کرنا اوراہم خدماتت کو انجام دنیا ہے اس لئے وہ انہیں دم بھر بھی اپنے سے جدا نہ کرتا تھا۔ بلکہ ہروقت ان کی تربیت میں لگا رہتا تھا۔ چنانچہ باقی شاگردوں کی نسبت یہ لوگ زیادہ اس کی صحبت میں رہتے تھے۔ اورجوکچھ وہ کرتا تھا۔ اسے دیکھتے تھے اورجوکچھ وہ کہتا تھا۔ اسے سنتے تھے۔ بعض اوقات وہ صرف انہیں سے ہمکلام ہوا کرتا تھا۔ اورآسمانی صداقتوں کے بھید اورجلال کو ان پر ظاہر اورسچائی کا تخم ان کے دلوں میں بویا کرتا تھا۔ جو وقت اورتجربہ کی مدد سے اپنے وقت پر بہت سا پھل لایا۔ لیکن جو بات ان کی تربیت میں بہت کام آئی وہ یہ تھی۔ کہ اس کی سیرت کا اثر ان پر نادیدنی اورخاموش طورپر پڑتا رہا۔ گو اس وقت کسی نے اس بات کو محسوس نہ کیا پر اس میں شک نہینکہ اس سے بڑے بڑے نتیجے پیدا ہوئے۔ اس اثر نے ان کو رفتہ رفتہ اس کی صورت میں تبدیل کر دیا۔ یہی وہ بات تھی جس نے ان کو ایسا مقدس بنا یا جیسے وہ اب نظر آتے ہیں اوراگر اس کو پیارکرنے والے ان بزرگ رسولوں کو کسی بات کے سبب رشک کی نظر سے دیکھتے ہیں تو وہ یہی ہے کہ ان کو اس کی سیرت کا جمال دیکھنے موقع نہیں ملا۔ ہم اس کی بے نظیر سیرت کی خوبیوں کو دورہی سے دیکھ کر ان پر قربان ہوتے اورگرگر کر سجدہ کرتے ہیں۔ مگر وہ لوگ نزدیک سے دیکھتے تھے اورانہیں اس کی زندگی میں گندھی ہوئی دیکھنا اورکئی سال تک ان کے زوراوراثر کو محسوس کرنا واقعی عجیب لطف رکھتا ہو گا۔ کیا ہمیں اس نادرسیرت کے خدوخال یا دہیں۔ جس کے جلال کو ان رسولوں نے دیکھا اورجس کی قدرت نے ان کی سیرت کو عجیب سانچے میں ڈھالا۔

مسیح کی سیرت

ہم نے اوپر دکھا دیا کہ مسیح میں بہ حیثیت معلم ہونے کے کون کون سی صفتیں پائی جاتی تھیں۔ اب ہم اس کی انسانی سیرت پر چند سطورہدیہ ناظرین کریں گے ، اورپہلی بات جو اس کے متعلق بہت عیاں دکھائی دیتی ہے۔ یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی سے مقصد کو خوب پہچانتا تھا۔ یہ شناخت یا احساس جا بجا اس کے کلام اور کام سے ٹپکتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ، کہ گویا اس کی زندگی کا مقصد جو ہمیشہ اس کی آنکھوں کے سامنے چمکتا تھا۔ ہر فعل میں اس کی رہنمائی کرتا اورہر مہم کو ہاتھ لگانے میں اسے عجیب قدرت اورطاقت بخشتا تھا۔ دنیا میں بے شمارزندگیاں بے مقصد اوربے مصرف نظر آتی ہیں۔ وہ مختلف کیفیتوں سے پُر ہوتی ہیں۔ اورطبعی خواہشات کے اثر سے متاثرہوکر حرکت میں آتی ہیں یا سوسائٹی کی چند روزہ لہروں سے ہم کنارہوکر بہ جاتی ہیں۔ لیکن مسیح ایک خاص غرض اورخاص مقصد کے لئے آیا تھا۔ اوروہ مقصد رنج اورو راحت میں

برابر اس کی آنکھوں کے سامنے چمکتا رہتا تھا۔ مثلاوہ اکثر کہا کرتا تھا "میرا وقت ابھی نہیں آیا"۔ گویا اس سے یہ پتہ دیتا تھا۔ کہ میری زندگی کے ہر لمحہ میں ہونا چاہیے۔ اس وقت کی پابندی سے دو باتیں پیدا ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ ہر کام سرگرمی سے کیا کرتا تھا۔ اوردوسری یہ کہ اس کی انجام دہی کو کبھی ٹال مٹول میں نہیں ڈالا کرتا تھا۔ اورپھر ان عادت سے نتیجہ بھی پیدا ہوا کہ اس کی قوت کبھی منتشر نہیں ہونے پاتی تھی۔ اورنہ وہ اس غفلت میں گرفتا رہوتا تھا۔ جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو فضول سمجھ کر نظر اندازکر دیتی ہے۔ پس اس مقصد شناسی کی وجہ سے اس کی زندگی کے مختلف کاموں میں ایک قسم کا اتحاد پایا جاتا تھا۔

ایک اورصفت جو اس کی کثرت سے پائی جاتی تھی اورصفت مذکورہ بالا سے ایک گہرا رشتہ رکھتی تھی۔ یہ تھی ، کہ اسے اپنی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا ، اس لئے نہ تو وہ وسائل کی چنداں فکر کرتا تھا۔ اورنہ مخالفت سے ڈرتا تھا۔ اگر ہم ذرا غورکرکے دیکھیں کہ اسے ایک عظیم کام کو انجام دینا تھا۔ اوراپنی قوم کی اصلاح کرنا اور ایک ایسی مذہبی تحریک کو وجود میں لانا تھا۔ جو گویا ہمیشہ تک قائم رہنے اوردنیا کے کناروں تک پہنچنے والی تھی۔ پھر اگر اسی طرح ہم اس مخالفت پر بھی نظر ڈالیں۔ جو اس کے مذہب کی ترقی کی ہر منزل پر برپا ہونے کو تھی۔ اوراس بات کو بھی یاد رکھیں کہ انسان ہونے کے اعتبار ہونے کو تھی اوراس بات کو بھی یاد دیکھیں کہ انسان ہونے کے اعتبار سے وہ کسی طرح کی غیر معمولی قدرت اورطاقت نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ محض ایک ان پڑھ آدمی تھا۔ ہاں اگر ہم ان سے باتوں پر نظر ڈالیں تو اس کا بھروسہ جس میں بے چینی اورڈانو انڈ ولی کو بالکل جگہ نہ تھی۔ ایک نہایت حیرت خیز بات معلوم ہو گی اگر اس سے بھی زیادہ حیرت خیز کوئی بات ہے تو اس کی کامیابی ہے۔ انجیلوں کے پڑھنے کے بعد ہم متعجب ہر کر پوچھتے ہیں کہ اس میں کیا تھا۔ اور اس نے کیا کیا جو تمام دنیا اس سے مغلوب ہو رہی ہے۔اس نے اس نتیجہ کو پیدا کرنے کے لئے کوئی بھاری تیاری نہیں کی تھی۔ ہم جانتے ہینکہ وہ اپنے کام کی انجام دہی میں اس بات کا محتاج نہ تھا۔ کہ پہلے عزت اورعلم اوردولت اوراختیاروالوں کو اپنا معتقد بنائے اورپھر ان کے وسیلے سے دنیا کو فتح کرے۔ یہ سچ ہے کہ اس نے اس کلیسیا ءکو اپنی عین حیات میں قائم کر دیا تھا۔ مگر یہ بھی سچ ہے۔ کہ اس نے اس کلیسیاء کی خاصیت اور انتظام کے متعلق بہت کچھ نہیں بتایا تھا۔ ہاں اس نے کوئی ایسی تیاریاں نہیں کی تھیں۔ جیسی اکثر وہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ جو مشکل خدمات اوراہم مہات کو ہاتھ لگانا چاہتے ہیں۔ وہ بھروہ سے اورخاص ایمان سے کام کیا کرتا تھا۔ نہ تدبیروں کے ادھیڑبن میں پھنستا اورنہ سازوسامان کی تیاریوں کی الجھنوں میں گرفتارہوتا تھا۔ بلکہ ہمت مردانہ کے ساتھ آگے بڑھ کر کام کو ہاتھ لگا تا تھا۔ یہی وہ صفت تھی جس کی نسبت اس نے کہا کہ وہ

پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ یہی وہ "منادی کی بیوقوفی " تھی جس پر پولوس فخر کرتا تھا۔ جس کی ظاہری بے سروسامانی کو لوگ مضحکہ میں اڑاتے تھے۔ لیکن اسی کے حصہ میں یہ بات آئی تھی۔ کہ یونانی اور رومی دنیا کو فتح کرے۔

ایک اورصفت اس میں یہ تھی کہ وہ تازہ خیال اورتازہ بیان آدمی تھی، انگریزی میں اس صفت کو ارجنا لیٹی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ذیل کے بیان سے بخوبی ظاہر ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ ان حالات اورواقعات کی پیدائش ہیں جن کا دورہ دورہ ان کے زمانے میں ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ وہ ان بے شمارلوگوں کی جوان کے زمانے میں ہوتا ہے۔ یا یوں کہیں کہ وہ ان بے شمارلوگوں کی جوان کے زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ جس ملک میں ہم رہتے ہیں اس کی عادتیں اوراس کی رسمیں، جس پشت سے ہم علاقہ رکھتے ہیں۔ اس کے مذاق اور اس کے فیشن، جو تعلیم ہم نے حاصل کی ہے اس کی روئتیں، جس جماعت سے ہم وابستہ ہیں، اس کے تعصبات اورجس فرقے کے ہم پیرو ہیں اس کے خیالات، یہ سب باتیں مل کر ہمیں اپنے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔ ہم وہی کام کرتے ہیں، اس کے تعصبات اورجس فرقے کے ہم پیرو ہیں۔ اس کے خیالات، یہ سب باتیں مل کر ہمیں اپنے سانچے میں ڈھالتی ہیں۔ ہم وہی کام کرتے ہیں۔ جو اتفاقی واقعات یا موجودہ حالات کی کیفیتیں ہمارے لئے تجویز کرتی ہیں۔ ہم جن باتوں کو مانتے ہیں انہیں سے لئے مانتے ہیں کہ خارجی باتوں کا زوراورلحاظ ہمیں مجبور کرتا ہے۔ کہ ہم انہیں مانیں، نہ اس لئے کہ باطن میں ان کی حقیقت ہم پر درخشاں ہوتی ہے۔ یا یوں کہیں کہ وہ رائیں جنہیں ہم اپنی بتاتے ہیں ان کے ٹکڑے ہوا کے ہر جھونکے میں اڑتے ہوئے ہمارے پاس آتے ہیں اورہم انہیں لے کر اپنی رائیں بناتے ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ یسوع مسیح کو کن حالات نے ایسا انسان بنایا جیسا کہ وہ تھا۔ جس زمانہ میں وہ موجود تھا۔ اس سے بڑھ کر اورکوئی زمانہ خشک اوربنجر نہ تھا۔ وہ اس نخل کی طرح تھا۔ جو ریگستان میں تنہا دکھائی دیتا ہے۔ ناصرت کے ناچیز باشندوں میں کون سی ایسی چیز تھی۔ جو ایسی عظیم الشان سیرت پیدا کرتی ؟ کس طرح وہ جو بدی کے لئے ضرب المثل تھی۔ ایسی مجسم پاکیزگی دنیا کے نمونہ کے لئے پیدا کرسکتی تھی؟ ممکن ہے کہ کسی فقیہ نے اسے معرفت کی ابجد بتائی ہو، مگر اس کی تعلیم فقیہوں کی تعلیم کے بالکل برعکس تھی۔ اوراس کی آزاد روح کبھی مختلف فرقوں کے خیالات کے پنجہ میں گرفتار نہیں ہوئی تھی۔ اس شورمیں غل کے درمیان جس نے اس زمانے کے کان بھر رکھے تھے اس نے کس طرح سچائی کی آوازکو سنا جو ان صداوں سے جو چاروں طرف سے اٹھ رہی تھیں۔ بالکل مختلف تھی؟پس جو باتیں اس کے زمانے میں پائی جاتی تھیں۔ ان میں سے کسی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ فلاں بات نے یسوع

کو ایسا بنا یا جیسا کہ وہ تھا۔ بلکہ ہم اس کی حقیقت کو اپنی زبان میں اچھی طرح بیان بھی نہیں کر سکتے جس طرح چھوٹا پودا باطن سے باہر کی طرف اگتا یا پھوٹ نکلتا ہے۔ اسی طرح اس کی اندرونی طاقتوں سے نے بیرونی اظہاروں میں اپنا جلوہ دکھایا۔ وہ آپ اپنی آنکھ سے فطرت اورزندگی کے نظاروں پر غورکیا کرتا تھا۔ اورکبھی اپنی باریک بین نگاہ کو دوسروں کی اصلاح اوراصلاح پر نہیں چھوڑتا تھا اورجیسی رعایت سچائی کی اپنی تحقیقات میں کیا کرتا تھا۔ ویسی ہی اس کی پاسداری اپنے بیان میں بھی کیا کرتا تھا۔

چنانچہ وہ بڑی دلیری اورجرات سے ان باتوں کو جنہوں راست سمجھتا تھا بیان کر دیا کرتا تھا۔ خواہ ان کے وسیلے سے موجودہ دستوروں اورعقیدوں اوررسموں کی بنیادیں ہلیں ، اوروہ خیالات جنبش میں آئیں ، جو عام لوگوں کے دلوں میں جمع ہوئے ہوئے تھے۔ا س کی قوم ایسی بنجر اورشورخوردہ زمین کی مانند تھی جس سے کسی طرح کے سبزے کی امید نہیں ہوتی مگر وہ موسیٰ اورنبیوں کے صحائف کی طرف متوجہ ہو کر اپنے خیالات کو تروتازہ کرتا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کو گو وہ ان بزرگوں کی بڑی قدرکرتا اوربڑے ادب اورعزت سے ان کی مطالب بیا ن کیا کرتا تھا۔ چنانچہ وہ ان خیالات کو جو بیج کی طرح ان کے کلام میں پوشیدہ تھے۔ کھول کر ایک مکمل صورت میں پیش کر دیا کرتا تھا مثلاً دیکھئے کہ پرانے عہد کے خدا اوراس آسمانی باپ میں جسے اس نے ظاہر کیا تکمیل مکاشفہ کے اعتبار سے کیسا فرق ہے اوراسی طرح ہیکل اوراس کے کاہنوں اورخون آلودہ قربانیوں میں اوراس عبادت میں جس کی ہدایت اس نے اس طرح کی کہ وہ روح اورراستی سے ہونی چاہیے کیسا عجیب مقابلہ پایا جاتا ہے۔ اورشریعت کی وہ قومی اوررسمی نیکی جس پر یہودی فدا تھے۔ اس نیکی سے جو ضمیر اوردل سے برآمد ہوتی ہے۔ کیسی دور ہے پس یسوع اپنی ارجنا لیٹی کے اعتبار سے موسیٰ اور الیاس اوریسعیاہ پر بھی فائق تھا۔

پھر اس کی سیرت کی ایک جلالی خاصیت یہ بھی تھی۔ کہ وہ بنی آدم کو پیارکیا کرتا تھا۔ ہم اوپر ایک جگہ بتا آئے ہیں کہ ایک بڑا مقصد اس کے دل میں تھا۔ پریاد رکھنا چاہیے کہ زندگی کے مقصد کی تہ میں ہمیشہ ایک بڑا جذبہ جو اس کے مقصد اورغرض کو ہمیشہ برقراررکھتا تھا۔ یہی تھا کہ وہ انسان سے محبت رکھتا تھا۔ اس بات کی خبرتو ہم کو نہیں دی گئی کہ کس طرح ناصرت کی تنہائی میں یہ محبت اس کے رگ وریشے میں ایسی سموئی ہوئی تھی۔ کہ اسے اپنی بہتری اوربچاو کی مطلق فکر نہ تھی۔ بلکہ مصیبت زدوں سے ہمدردی کرنے کے خیال میں سراسر ڈوبا ہوا تھا۔ یہی سبب تھا، کہ اس نے کبھی لوٹ کر نہ دیکھا بلکہ جس کام کو ہاتھ لگایا اس کے آگے ہی آگے بڑھتا گیا۔ ہم عام طورپر یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ انسانی محبت غالباً اس تصور سے تقویت

پاتی رہی ہو گی جو وہ انسانی روح کی بیش بہا قیمت کے متعلق رکھتا تھا۔ اوریہی باعث تھا کہ اس کی محبت ان تمام حدود سے تجاوزکر گئی جو اکثر لوگوں کی ہمدردی اورسخاوت کی راہ میں حائل ہوتی ہیں۔ کیسا اوقات ذات پات یا قومی امتیاز کے خیالات ہم کو ایک دوسرے سے ہمدردی کرنے سے روک دیتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں، کہ قریباً تمام ممالک میں دشمنوں سے نفرت سے کرنا جائز سمجھا جاتا ہے۔ اورقریباً سب لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ جو اشخاص تہذیب کا ستیاناس کرتے ہیں۔ ان سے اجتناب کرنا چاہیے ، پریسوع ان باتوں کی پروا نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ اس کو وہ بیش قیمت شے جو اسے دشمن اوراجنبی اورمردوں لوگوں میں برابر نظرآتی تھی۔ ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ پس یہی محبت وہ شے تھی جس سے اس کی زندگی کا مقصد پیدا ہوا تھا۔ یہی سبب تھا، کہ وہ ہر طرح کے درد اوردکھ میں مدد دینے کے لئے ہمیشہ تیار تھا۔ یہی وہ خاص وجہ تھی جس کے سبب سے اس نے شفا بخشنے کے کام کو اختیارکیا اورہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں مدد کی ضرورت ہوتی تھی اس کا محبت بھرا دل اس کو وہاں کھینچ لے جاتا تھا۔ پر اس کی پُر جوش محبت خاص کر اس بات میں نظرآئی کہ وہ روحوں کے بچانے کی بڑی کوشش کیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا، کہ یہی وہ موتی ہے جس کے بچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس کے دکھوں سے بڑھ کر اورکوئی دکھ ناقابل برداشت نہیں لوگ اکثر اوروں سے تو محبت رکھتے ہیں۔ پر ان کی روحوں کی نسبت کبھی خیال نہیں کرتے لیکن اس کی حکمت نے اس کی محبت پر ظاہر کر دیا جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی اصل بہتری اوربھلائی اسی میں ہے کہ ان کی روحیں بچائی جائیں۔ پس وہ محسوس کرتا تھا کہ اگر میں لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچاوں تو ان کی اصل اورحقیقی بہتری وجود میں آئے گی۔

لیکن اس کی انسانی سیرت کے متعلق جوصفت سب کی سرتاج ہے یہ ہے کہ وہ خدا سے محبت رکھتا تھا۔ خدا کے ساتھ خواہش اورخیال اورارادہ میں موافقت پیدا کرنا سب خوبیوں سے بڑی خوبی ہے ، مسیح میں یہ خوبی کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ ہمارے لئے خدا کو محسوس کرنا ایک بڑا مشکل کام ہے اورعام لوگوں میں تو ہزاروں لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کبھی اس کی نسبت سوچتے ہی نہیں بلکہ دیندار بھی یہ اقرارکرتے ہیں کہ اس کو ہمیشہ یاد رکھنے کے لئے دل اوردماغ کی سخت تربیت کرنی پڑتی ہے۔ اورکیا یہ یہ ٹھیک نہیں کہ جب کبھی ہم خدا کو یادکرتے ہیں تو ہمارے دل چھد جاتے ہیں۔کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جوکچھ ہم میں ہے وہ اس سے جو خدا میں پایا جاتا ہے۔ بالکل مختلف ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ جب ہم اس کی حضوری میں جاتے ہیں تو چند لمحوں کے بعد ہم پر ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہمارے خیالات اس کے خیالات نہیں اورہماری راہیں اس کی

راہیں نہیں لیکن یسوع کا یہ حال نہ تھا۔ اس کے دل میں خدا کا خیال اورعرفان ہمیشہ موجود رہتا تھا۔ اس کی زندگی میں نہ کوئی ایسا لمحہ تھا اورنہ کوئی ایسا کام جس میں خدا کا خیال نہ ہو۔ جس طرح وہ ہوا جو سانس کے وسیلے سے اندرآتی جاتی تھی۔ یا جس طرح سورج کی وہ روشنی جو اس کو منورکرتی اوراسے چاروں طرف سے گھیرے تھی اسی طرح خدا بھی اس کی ہستی کے ہر جانب موجود تھا۔ وہ جانتا تھا، کہ میرے خیالات خدا کے خیالات ہیں اورمیری خواہش خدا کی خواہش سے متفق ہے۔ اورجو مقصد میرا ہے وہی میرے خدا کا ہے۔ اب سوال پیش آتا ہے۔ کہ یہ اتحاد جو اس میں اورخدا میں پایا جاتا تھا کس طرح پیدا ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بہت کچھ تو یہ اتحاد اس کامل اتحاد سے پیدا ہوا ہوگا جو اس کی ذات کی مختلف طاقتوں میں پایا جاتا تھا۔ اورپھر کسی حد تک انہیں وسائل کے ذریعے سے بھی دستیاب ہوا ہوگا۔ جن کے ذریعے سے ہم اس کی تلاش کیا کرتے ہیں۔ یا یوں کہیں کہ وہ خدا کے خیالات اورارادوں سے کلام اللہ کے وسیلے سے واقف ہوا جس کا مطالعہ بچپن ہی سے اس کی خوشی کا باعث تھا۔ اوراسی طرح دعا نے بھی اس کو خدا کا ہم خیال بنا یا، کیونکہ وہ دعا کا ایسا قائل تھا کہ اگر کھانا کھانے کو وقت نہ ملے تو نہ ملے لیکن دعا کے لئے ضروروقت نکال لیتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اوربات بھی تھی۔ جس نے اس کے اورخدا کے خیالوں میں موافقت پیدا کردی تھی، اوروہ یہ تھی۔ کہ وہ ان آزمائشوں کا مقابلہ کیا کرتا تھا، جو ایسے خیالات اس کے دل میں ڈالنا چاہتی تھی۔ جو خدا کے خیالوں کے مخالف ہوتے تھے۔

یہی وہ بات تھی۔ جس کے سبب سے وہ اپنے کام کو بڑے اعتقاد اوردلیری سے کرتا رہتا۔ وہ جانتا تھا، کہ میں جو کام کررہا ہوں اس کے لئے خدا نے مجھے بلایا ہے۔ اورجب تک اسے پورا نہ کرلوں تب تک کوئی میرا بال تک بیکا نہیں کرسکتا۔ یہی عرفان وہ چیز تھی جس کی وجہ سے وہ اپنی خوبیوں اورلیاقتوں کو جانتا ہوا فروتنی اور فرمانبرداری کا نمونہ بنا رہا کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے خیال اورخواہش کو خدا کی مرضی سے کے تابع رکھتا تھا یہی اس پُرشان اطمینان کا رازتھا۔ جو سخت سے سخت موقعوں پر بھی اس کی سیرت کو نورانی زینت سے سجائے رکھتا تھا۔ وہ جانتا تھا، کہ بڑی سے بڑی مشکل جو مجھ پرآسکتی ہے۔ وہی ہے جو میرے باپ نے میرے لئے تجویز کی ہے، پس اس بڑھ کر اب اورکون سی تکلیف آئے گی۔ سو وہ ہمیشہ کامل آرام اورخاموشی اورخوشی کا سرچشمہ اپنے نزدیک پاتا تھا۔ جس میں ادھر اُدھر کے شورغل اورابتری سے پناہ پاتا تھا۔ یہی وہ بیش بہا خزانہ ہے جو اس نے جانے سے پہلے شاگردوں کو میراث کے طورپر عطا فرمایا جس وقت یہ کہا" میں تمہیں اطمینا ن دیئے جاتا ہوں اپنا اطمینان تمہیں دیتا ہوں"۔

اکثر مسیح کی بے گناہی بھی اس کی سیرت کی اعلیٰ خصوصیت سمجھی جاتی ہے۔ اورواقعی اس کی یہ صفت نہایت توجہ طلب ہے۔ ابرہام اورموسیٰ جیسے خدا پرست بزرگوں کے گناہ بڑی سچائی اورصفائی کے ساتھ نوشتوں میں قلمبند ہینلیکن مسیح کی کوئی کمزوری ان مینرقم نہیں۔ پرانے زمانے کے خدا ترس بندوں کی دینداری کا سب سے اعلیٰ خاصہ یہی تھا۔ کہ وہ باربار اپنے گناہوں کو یاد کرکے پچھتاتے اورتوبہ کیا کرتے تھے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ جس قدردینداری کی اعلیٰ منزل تک پہنچے ہوئے ہوتے تھے۔ اسی قدراپنی گناہ آلودگی کو دیکھ کر زیادہ آنسو بہاتے اورغمناک نالے بلند کیا کرتے تھے۔ لیکن مسیح کے حق مینیہ نہیں کہا جا سکتا، حالانکہ سب لوگ مقفق ہیں۔ کہ وہی اکیلا دین کی تاریخ میں ایک لاثانی آدمی ہے توبھی اس کی زندگی میں وہ توبہ جو دینداری کی جان سمجھی جاتی ہے دکھائی نہیں دیتی کیا اس کا یہی سبب نہیں کہ اس سے کبھی کہ اس سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہ ہوا جس سے توبہ سے کرنے کی ضرورت ہوتی ؟

اب یہ تو بالکل صحیح ہے کہ وہ بے گناہ تھا پر سوال برپا ہوتا ہے۔ کہ کیوں اس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا؟ اس کا جواب یہی ہے کہ وہ محبت مجسم تھا۔ خدا کے برخلاف گناہ کرنا خدا سے محبت نہ سے رکھنے کی وجہ سے ہے اوراسی طرح انسان کا قصوواربہونا انسان سے محبت نہ رکھنے پر دلالت کرتا ہے۔ اب وہ شخص جو خدا اورانسان دونوں کی محبت سے معمور تھا۔ نہ خدا کا اورنہ انسان کا گناہ کر سکتا تھا۔ پس اسی محبت میں جو وہ اپنے باپ اوربنی آدم کے ساتھ پورے طورپر رکھتا تھا، اس کی سیرت کے کمال کا اصل راز تھا۔

سیدنا مسیح کے شاگردوں میں جو خوبیاں اورلیاقتیں پیدا ہوئیں ، ان کا اصل منبع وہی اثر تھا۔ جس کا پرتو اس کے وسیلے سے ان پر پڑتا رہا۔ پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے وہ صداقت کب پہچاننی شروع کی جو مسیحی مذہب کی جان ہے۔ اورجس کی منادی انہوں نے مسیح کے بعد دنیا میں جا بجا کی اوریہ بتایا کہ اس کی انسانی سیرت کی نرمی اورتحمل کے پیچھے ایک اورذات بھی نہاں تھی۔ جو اس کی سب صفتوں سے افضل اور بزرگ تر تھی۔ یا یوں کہیں کہ نہیں جانتے کہ کس طرح انہوں نے معلوم کیا کہ اس میں کامل انسانیت کے ساتھ کامل الوہیت بھی مل ہوئی تھی۔ البتہ ہم یہ جانتے ہیں۔ کہ جوکچھ اس نے ان پر اپنی نسبت ظاہر فرمایا اس کا یہی مطلب تھا کہ وہ اس عجیب راز سے واقف ہوں لیکن اس کی صلیب کے وقت تک ان کا خیال اس کی شخصیت کی نسبت پورے طورپر قائم نہیں ہوا تھا۔ گو کئی بارپہلے انہوں نے اس کی عجیب شخصیت کے بارے مینبڑے بڑے اقراربھی کئے تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھید ان پر اس وقت ظاہر ہوا جب وہ مردوں میں سے جی اٹھا اورآسمان پر چڑھ گیا یا یوں کہیں کہ جب یہ واقعات ظہورمیں آئے تب وہ اعتقادات جو اس

کی شخص کی نسبت ان کے دل میں رقیق چیز کی طرح حرکت کرتے تھے۔ بلور کی طرح ایک جا منجمد ہو گئے اور وہ یہ ماننے لگے۔ کہ جس کے ساتھ ہم کو اتنے دن تک رہنے سہنے کا موقعہ ملا وہ خدائے مجسم تھا۔

ساتواں باب

مخالفت کا سال

خداوند مسیح سال بھر تک بڑی سرگرمی اور جانفشانی سے ملک گلیل میں کام کرتا رہا اور جہاں جہاں وہ جاتا تھا۔ وہاں قابل رحم بیماروں کو اپنی قدرت سے شفا بخشتا اور طالبان حق کو اپنے فضل اور سچائی کے کلام سے بہرہ درفرماتا تھا۔ غالباً سینکڑوں خاندان جنہیں اس کے طفیل سے صحت اور خوشی حاصل ہوئی اس کے نام کو محبت سے یاد کرتے اور ہزاروں اشخاص جن کے دلوں کو اس کی تعلیم اور منادی نے ہلا دیا تھا۔ اس کی الفت کا دم بھرتے تھے۔ اس کی شہرت روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ اور معلوم ہوتا تھا، کہ تھوڑے دنوں کے بعد تمام گلیل اس کی پیروی اختیار کرلیگا۔ اور آخر کار یہ تحریک تمام مخالفتوں پر غالب آجائے گی اور تمام ملک کو اس طبیب حاذق کی محبت اور اس استاد کامل کی اطاعت سے معمور کرکے جنوب کی طرف بڑھ جائے گی۔

لیکن ایک سال بھی نہیں ہونے پایا تھا۔ کہ یہ امید مایوسی کی صورت اختیار کرنے لگی۔ اہل گلیل کے دل پتھریلی زمین کی مانند تھے کیونکہ ان میں خدا کی بادشاہی کا بیج جس قدر جلد اگا اسی قدر جلد کملانے لگا اور یہ عجیب تبدیلی یک بیک وجود میں آئی اور ایسے مستقل طور پر کہ پھر اس میں سر مو فرق نہ آیا اور اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہمارے خداوند کی زندگی نے بھی ایک نئی صورت اختیار کی۔ گو وہ اس کے بعد چھ ماہ تک وہیں رہا مگر یہ چھ ماہ گذشتہ بارہ ماہ کی مانند نہ تھے۔ کیونکہ اب جو صدائیں اس کے اردگرد بلند ہوتی تھیں۔ انہیں جوش لحن حمد اور شکرگزاری کے نغمے نہیں کہہ سکتے۔ ان سے عداوت اور دشمنی اور کفر کی کی بو آتی تھی۔ پہلے وہ ملک کے وسط میں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آزادی سے جایا کرتا تھا۔ اور لوگ ہر جگہ اس سے تپاک سے ملا کرتے تھے۔ اور جو لوگ اس کا کلام سننے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتے تھے۔ لیکن اب وہ دلکش سماں مفقود ہو گیا۔ چنانچہ اب وہ چند رفیقوں کی ساتھ لے کر غیر علاقوں میں جا جا کر پناہ گزیں ہوتا تھا۔

پھر اس نے چھ مہینے کے بعد گلیل سے روانہ ہو کر یہودیہ کا رخ کیا۔ ایک وقت تھا، جب یہ امید جھلک دکھا رہی تھی۔ کہ جب اس کی قوم کے لوگ گلیل میں اس کی مسیحائی کے قائل ہو جائیں گے۔ تو جنوبی حصے کے باشندوں کے دل بآسانی مسخر ہو جائینگے۔ اور یروشلیم بھی قومی اتفاق کے مقابلہ سے عاجزآ کر اس کی پیروی اختیار کر لیگا۔ مگر اب یہ امید بالکل کا فور ہو گئی۔ پس وہ جنوبی اطراف کی جانب روانہ ہوا اور جا کر چھ ماہ تک یہودیہ اور پیریہ مینبڑی عرق ریزی سے کام کرتا رہا، اور اس میں شک نہیں کہ ان جگہوں میں جہاں جہاں اس معجزے پہلی مرتبہ وجود میں آئے وہا ں وہی پبلک جوش پیدا ہوا جو گلیل کے پُر امید زمانہ مینپیدا ہوا تھا۔ مگر ان معجزوں کا اثر صرف اتنا ہوا کہ تھوڑے سے جاں نثار شاگرد اور اس کے پیرووں کے زمرے میں شامل ہو گئے۔ جس دن سے اس نے گلیل کو چھوڑا، اسی دن سے اس نے یروشلیم کا رخ کیا، اور جو چھ ماہ یہودیہ اور پیریہ میں صرف ہوئے انہیں اس سفر کا عرصہ خیال کرنا چاہیے جو آہستہ آستہ طے ہوا لیکن اس سفر کا اختیار کرنے سے کہیں پہلے اسے معلوم تھا (اور اس نے اپنے شاگردوں کو بھی مطلع کر دیا تھا) کہ یروشلیم میں میرے سر پر تاج نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہاں لوگ مجھے بالکل رد کر دیں گے۔ آو ہم اس بات پر غور کریں کہ گلیلیوں کی اس تبدیلی کی اور کیونکر اس کے سبب سے مسیح کی زندگی اور کام میں ایک افسوسناک تبدیلی واقعہ ہوئی۔

واضح ہو کہ جو لوگ علم اور عزت رکھتے تھے۔ وہ شروع ہی سے اس کے مخالف تھے۔ البتہ وہ فرقے جو صدوقی اور ہیرودی کہلاتے تھے کچھ مدت تک بے پروا رہے کیونکہ ان کی توجہ دولت جمع کرنے اور حکام کے حضور میں عزت پانے کی طرف لگی ہوئی تھی۔ لہذا وہ اس مذہبی تحریک کی چنداں پروا نہیں کرتے تھے۔ جو ادنیٰ درجے کے لوگوں کے درمیان پیدا ہوئی۔ اگر چہ یہ شہرت جا بجا پھیل رہی تھی۔ کہ ایک شخص مسیح ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے۔ لیکن انہیں اس بات سے چنداں دلچسپی نہ تھی کیونکہ عوام جو کچھ مسیح کے بارے میں مانتے تھے۔ صدوقی اور ہیرودی اس کے ساتھ اتفاق نہیں رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے، کہ یہ بھی ان فریبیوں میں سے ہو گا جو عام لوگوں کے خیالات کے مطابق وقتاً فوقتاً برپا ہوتے رہتے ہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ اس تحریک کے باعث لوگوں کے باغی ہو جانے کا خطرہ ہے اور ڈر ہے کہ آخر کار رومی حکام ملک پر ظلم کرنے لگ جائیں، پروکیوریٹر کو لوٹ مار کرنے کا موقع ملے، اور ہمارا مال و جان خطرے میں پڑ جائے تب انہوں نے بھی کروٹ بدلی۔

لیکن جو لوگ زیادہ تر مذہب کی طرف مائل تھے اورفریسی اورفقیہ کہلاتے تھے۔ ان کا حال دگرگوں تھا۔ وہ کلیسیائی اوردینی معاملات کو دلچسپی سے دیکھا کرتے تھے۔ اورجب کبھی عام لوگوں کے درمیان کسی طرح کی مذہبی تحریک برپا ہوتی تھی۔ تو وہ چونک اٹھتے تھے کیونکہ وہ خود عوام سے تعظیم اورعزت کرانے کے خواہانتھے۔ پس جب کبھی کوئی ایسی بات مشہورہوتی کہ فلاں شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے یا کوئی نئی تعلیم یا نیا مسئلہ رواج پکڑتا جاتا ہے۔ تو وہ فوراً اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ اورخصوصاً جب وہ یہ سنتے تھے۔ کہ کوئی شخص دعوائے مسیحائی کے ساتھ ہمارے ملک میں نمودارہوا ہے تو سراسر جوش سے بھر جاتے تھے۔ کیونکہ وہ بڑے اضطراب اوربیقراری کے ساتھ مسیحی امیدوں کے برآنے کی راہ دیکھ رہے تھے اوراس کے علاوہ غیروں کی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں، کہ اس وقت وہ غالباً چھ ہزار کے قریب تھے اوراپنے ملک میں بڑے ذی عزت اورباوقار سمجھے جاتے تھے۔ یا یوں کہنا چاہے ے کہ اپنے وطن میں خالص دین اوربزرگوں کے آئین کے محافظ سمجھے جاتے تھے۔ لوگ انہیں اپنا رہبر جانتے تھے۔ اورخیال کرتے تھے، کہ مذہبی معاملات میں رائے دینا اورفیصلہ کرنا انہیں کا حق ہے۔ پس ان لوگوں پر صدوقیوں کی کی طرح یہ الزام نہیں لگ سکتا کہ انہوں نے مسیح یسوع کی طرف مطلق توجہ نہ کی کیونکہ وہ ایک ایک قدم پر اس کا پیچھا کرتے اوراس کی ایک ایک تعلیم اوراس کے ایک ایک دعویٰ پر بحث کیا کرتے تھے۔ مگر ان کا فیصلہ اس کے برخلاف ہوتا تھا۔ اورانہوں نے اپنے فیصلے کی ایسی پیروی کی کہ ان کی مخالفت میں کبھی فرق نہ آیا۔

مسیح کی تمام غمناک زندگی میں شاید یہ بات سب باتوں سے زیادہ غمناک اورناموافق معلوم ہوتی ہے۔ کہ جن لوگوں نے اسے رد کیا اورجنہوں سے اسے صلیب پر کھینچا وہ وہی لوگ تھے جو تمام قوم کا فخر اور لوگوں کے پیشوا اوررہبر تصورکئے جاتے تھے۔ جو بائبل اورگذشتہ زمانوں کی روایتوں کے سرگرم محافظ سمجھے جاتے تھے اورجو کمال شوق سے مسیح کی انتظاری کر رہے تھے۔ انہوں نے مسیح کا فیصلہ اپنے زعم میں نوشتوں کے مطابق کیا اوریہ خیال کیا کہ جو کچھ ہم نے اس کے ساتھ کیا ہے۔ وہ اپنی ضمیر کے مطابق اورخدا کی خدمت اورعزت کے لئے کیا ہے۔ جو لوگ انجیل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ان کے دل میں کبھی کبھی ان لوگوں کے لئے ہمدردی کا خیال پیدا نہ ہوکیونکہ ان کے نزدیک یسوع بالکل اس مسیح کی مانند نہ تھا جس کی انتظاری وہ کررہے تھے۔ اورجس کی انتظاری کرنا انہوں نے اپنے باپ دادوں سے سیکھا تھا۔ وہ ان کے تعصبات اورمذہبی توہمات کو پامال اوران باتوں کی تحقیرکرتا تھا۔ جنہیں وہ بچپن سے مقد س سمجھتے تھے۔ بے شک ہمیں ان کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہے ے کیونکہ کبھی کسی قوم نے ایسا جرم نہیں کیا، جیسا انہوں نے کےا اور

نہ کبھی کسی قوم کو ایسی سزا ملی۔ اسی قسم کا تاسف اوراسی قسم کی غمگینی ان لوگوں کے حالا ت سے ٹپکتی ہے جو دنیا کی تاریخ کے کسی نازک حصے سے دوچار ہو کر اور زمانہ کے آثار سے ناواقف رہ کر طرح طرح کی غلطیوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ان لوگوں کا یہی حال تھا جو ریفارمیشن کے زمانے میں بہ سبب اپنی کو تاہ بینی کے انتظام ربی کی رفتار کے ساتھ پہلو نہ پہلو نہ چل سکے۔

لیکن اب ہم دیکھیں گے کہ ان کی جڑ میں کیا گھن لگا ہوا تھا۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان کی آنکھوں پر ایسا گناہ کا پردہ پڑا ہو اتھا۔ کہ وہ نور کی شعاعوں کو محسوس نہیں کر سکتے تھے۔ صدیوں کی دنیاداری کی روحانی طبیعت کی کمزوری نے مسیح تصور کی ہیت لگا ڑدی تھی۔ پس انہوں نے مسیح کا ایک بگڑا ہوا تصور ورثہ میں پایا تھا۔ وہ یسوع کو گنہگار سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ ان کی ان رسومات سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔ جو انہوں اوران کے آباو جداد نے کلام الٰہی پر اضافہ کر دی تھیں اورنہ وہ اس اندازہ کو درست جانتا تھا۔ جس سے وہ لوگوں کی نیکی کو نا پا کرتے تھے۔ مسیح نے اپنے دعووں کے ثبوت میں مضبوط گواہی ان کے سامنے پیش کی لیکن انہیں اس اس کے پرکھنے اوردیکھنے کی آنکھیں میسر نہ تھیں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ دیانتداراورصادق دلوں کی تہ میں ایک ایسا وصف نہاں ہوتا ہے۔ جو خواہ کیسے ہی سخت تعصب اورگناہ کے پردو سے دبا ہواہو بھی جس وقت وہ شے جو برحق اورقابل تعظیم ہے جو پاک اورعظیم ہے۔ اس کے نزدیک آتی ہے تاکہ لوگ اسے قبول کریں تو خوشی اورشوق کی وجہ سے وہ پوشیدہ وصف ظاہر ہوجاتا ہے۔ لیکن لوگوں میں اس قسم کی کوئی خاصیت نہ تھی۔ بلکہ ان کے دل داغداراورسخت اورمردہ تھے۔ وہ اپنے قواعد اوراپنے اندازوں سے اس کے دعاوی کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔وہ کبھی اس کی سیرت کی عظمت کو دیکھ کر اپنی نکتہ چینیوںسے باز نہ آئے۔ یسوع حقیقت اورصداقت کو ان کے پاس لایا مگر چونکہ وہ صداقت پسند کا ن نہ رکھتے تھے۔ لہذا صداقت کی میٹھی آوازکی شیرینی کا حظ نہ اٹھا سکے۔ وہ ایسی بےھ داغ پاکیزگی ان کے پاس لایا جو برف سے سفید اوراُون سے اجلی تھی۔ جس کے دیکھنے کی تاب فرشتے نہیں رکھتے تھے۔ پر ان کے دل اسے دیکھ کر ملائم نہ ہوئے۔ اس نے ان کے پاس آکر الٰہی رحمت اورمحبت کے چہرے سے نقاب اٹھا دیا۔ مگر ان کو رچشموں نے اس کے حسن تقدس کو ذرا محسوس نہ کیا۔ ہم ایسے لوگوں کی روش کوان کی افسوسناک بدقسمتی تصورکر سکتے ہیں۔ لیکن شاید زیادہ بہتر یہ ہے۔ کہ ہم اسے خطرناک جرم سمجھ کر اس سے ڈریں اوراپنے دلوں میں کا پنیں۔ جس قدرلوگ شرارت میں پختہ کارہوتا ہے۔ جس قدرکسی قوم کے گناہ بڑھتے جاتے ہیں۔ اورصدی بصدی میراث کے طورپر آنے والی نسلوں کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ اسی قدریہ یقین بڑھتا جاتا ہے۔ کہ یہ ہولناک حالت

انجام کارکسی عظیم قومی جرم یا ناگریز قومی حادثے پر ختم ہوگی۔ اب جب وہ ناگریز حادثہ سرزد ہو جائے تب اسے نہ صرف قابل رحم سانحہ گرد اننا چاہیے بلکہ خدا کے پاک اور غیرت مند غضب کا موجب بھی سمجھنا چاہیے۔

جن باتوں کی سبب سے ان کی مخالفت شروع ہی سے اپنا جوہر دکھانے لگ گئی ان میں ایک یہ تھی۔ کہ وہ ایک غریب خاندان میں پیداہوا۔ ان کی آنکھوں اہل دنیا اورارباب علم و فضل کے تعصبات کے پردہ میں تھیں۔ لہذا وہ مرتبے اورتہذیب کی عارضی صفات سے جدا روح کے اصل جوہر کی جھلک کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ وہ ان کی نظر میں عام آدمی تھا۔ بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ اوربد تہذیب اورشریر لوگوں کے ملک گلیل میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے یروشلیم کے مشہورمدارس میں تعلیم نہیں پائی تھی۔ وہ سوچتے تھے کہ سب نبیوں اور بالخصوص مسیح کی یروشلیم میں پیدا ہونا چاہیے اوریروشلیم میں آکر تہذیب اورمذہب کے بڑے بڑے مرکزوں میں پرورش پانا اوران اشیاء سے جو قوم میں ممتاز اور قابل قدر سمجھی جاتی ہیں۔ رسوخ پیدا کرنا چاہیے۔

اوراسی طرح وہ شاگرد جو اس نے چنے اوروہ سنگت جو اس نے اختیارکی ان کے لئے ٹھوکر کا باعث ہوئی۔ جن لوگوں کو اس نے کام کے لئے چنا وہ ان میں سے نہ تھے۔ انہیں نہ اپنی حکمت کا فخر اورنہ اپنے خاندان پر نازتھا۔ بلکہ وہ کم علم لوگونمیں سے تھے۔جن کا پیشہ ماہی گیرتھا۔ ان میں سے ایک محصول لینے والا بھی تھا۔ شاید یسوع کے کسی اورفعل سے ان لوگوں کواتنی چوٹ نہیں لگی جتنی محصول لینے والے متی کے انتخاب سے لگی۔ محصول لینے والے جو غیرقوم حاکموں کے نوکر ہوا کرتے تھے۔ بہ سبب اپنے کام اورظلم اور سیرت کے حقیر سمجھے جاتے تھے۔جو لوگ حب الوطنی کی صفت رکھتے تھے۔ اورمال و عزت سے مالامال ہوتے تھے۔ وہ انہیں بالکل خاطر میں نہ لاتے تھے۔ پس خدا وند یسوع کب یہ توقع رکھ سکتا تھا۔ کہ ذی عزت اورذی علم اشخاص ان لوگوں کے حلقے میں داخل ہوں جو اس کے اردگرد جمع تھے۔ علاوہ بریں وہ سب ذیل لوگوں سے بڑی آزادی کے ساتھ ملتا جلتا تھا۔ مثلاً محصول لینے والوں اورگنہگاروں کے پاس اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اس مسیحی زمانہ میں ہم زیادہ تر انہیں باتوں کے لئے اس اس پر فدا ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ اگر وہ واقعی نجات دینے کوآیا تھا۔تو یہ لازمی امر تھا کہ وہ زیادہ تر ایسے لوگوں کی سنگت میں پایا جائے جن کو نجات کی زیادہ تر ضرورت تھی۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ اس کو یہ یقین تھا کہ ان کھوئے ہوؤں کے درمیان بہت سے ایسے لوگ ہیں جو خاص حالات کے سبب سے گمراہی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لیکن انہوں نے قصداً گناہ آلود زندگی کو اپنے لئے

نہیں چنا اوراگر میں محبت کی مقناطیسی کشش کو اس کوڑے کرکٹ کے درمیان کام میں پاک طینت اورعالی نسب لوگوں نے بھی اس کے نقش قدم پر چلنا سیکھ لیا ہے۔ چنانچہ وہ اس کے نمونے کے مطابق گناہ اور ضلالت کے گندے گندے طبقوں میں اترتے ہیں تاکہ کھوئے ہوو□ں کو ڈھونڈیں اوربچائیں۔ لیکن اس کے آنے تک اس قسم کے خیالات دنیا میں پیدا نہیں ہوئے تھے۔ پس وہ گنہگارجو تہذیب وتعظیم کے دائرے سے باہرتھے۔ حقارت اورنفرت کی نگاہ سے دیکھے اورسوسائٹی کے دشمن سمجھے جاتے تھے۔ اورکوئی ان کے بچانے کی کوشش نہ کرتاتھا۔ بلکہ برعکس اس کے یہ دیکھا جاتا تھا۔ کہ جو لوگ دین داری میں نام پیدا کرنا چاہتے تھے۔وہ ان سے بالکل الگ رہتے تھے۔ مثلاً شمعون، فریسی کو جو مسیح کا میزبان تھا پکا یقین تھا۔ کہ مسیح بنی نہیں اگر ہوتا تو فوراً جان لیتا کہ جس عورت نے مجھے چھوا ہے۔ وہ گنہگار ہے اورفوراًاسے دھمکا کر دورکر دیتا۔ جو سال شمعون فریسی کا تھا وہی سارے زمانے کا تھا۔پھر بھی اس کا انکارنہیں کیا جا سکتا تھا کہ جب مسیح نئی حالت کو دنیا میں لایااورجس وقت اس نے اس کا جلوہ انہیں دکھایا تب چاہیے تھا۔ کہ وہ نئے اصول کو پہچان لیتے اوراگر ان کے دل سخت اورظلم سے معمورنہ ہوتے تو وہ اس الٰہی طرزکی انسانیت کے کشف کو آگے بڑھ کر قبول کرتے۔ لازم تھا، کہ وہ گناہگاروں کو اپنے گناہوں سے تائب ہوتے اوربد چلن عورتوں کو اپنی کھوئی ہوئی زندگی پرآنسو بہاتے اورزکائی جیسے لالچی اشخاص کو سرگرم دینداراورکشادہ دل ضیاض بنتے دیکھ کر خوش ہوتے مگروہ خوش نہ ہوئے بلکہ اس کے اسی رحم کے باعث اس سے متنفر ہوگئے اوراسے محصول لینے والوں اورگناہگاروں کا دوست کہنے لگ گئے۔

تیسری وجہ ان کی مخالفت کی یہ تھی کہ وہ بعض بعض رسومات (مثلاً روزہ رکھنے اورکھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے وغیرہ)پر نہ خود عمل کرتا تھا اورنہ اپنے شاگردوں کو عمل کرنے کی ترغیب دیتا تھا۔ حالانکہ یہی باتیں اس زمانے میں دینداری کا نشان سمجھی جاتی تھیں۔ اس بات کا ذکر ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔ کہ کس طرح یہ رسوم وجودمیں آئیں۔ یہ سب رسمیں ایک سرگرمی کے زمانہ میں پیدا ہوئیں۔ اوراس غرض سے کہ ان کے وسیلے سے یہودی قوم کی خصوصیتیں قائم رہیں۔اوروہ غیرقوموں کے ساتھ ملنے نہ پائیں۔ بلکہ ان میں اور دوسری قوموں میں نمایاں طرق نظر آئے۔ اصل مقصد تو درست تھا مگراس کا نتیجہ افسوسناک ہوا۔لوگ بہت جلد بھول گئے کہ یہ رسمیں انسان کی ایجاد ہیں اوریہ ماننے لگ گئے کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں اوران کا ماننا ہم پر فرض ہے۔ ان کا شماررفتہ رفتہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ روزمرہ زندگی مینکوئی فعل اورکوئی حرکت ایسی نہ تھی جس پر ان رسموں کا کچھ نہ کچھ اثر نہ پڑتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے ان رسموں کو سچی دینداری اوراخلاق کی

جگہ دے رکھی تھی۔ مگر روشن ضمیر لوگوں کے لئے یہ فضول رسمینبڑے بوجھ کا باعث تھیں۔ کیونکہ ہر وقت چھوٹی چھوٹی باتوں مینبھی اندیشہ ہوتا تھا۔ کہ کہیں کوئی رسم ٹوٹ نہ جائے۔ کوئی شخص ان کے جائز ہونے پر شک نہ لاتا تھا۔ اوربڑی خبرداری کے ساتھ ان کو بجا لانا دین داری کا تمغہ سمجھا جاتا تھا۔ پریسوع ان رسموں کو اس زمانے کی خرابیوں میں شمارکرتا تھا۔ لہذا وہ ان کی پابندی کا قائل نہ تھا۔ اورنہ دوسروں کوان کا غلام بننے کی اصلاح دیتا تھا۔ وہ لوگوں کوان کی پابندی کے عوض میں انصاف اوررحم اورایمان کے سچے اصول کی طرف متوجہ ہونے کی تاکید کرتا تھا۔ اوریہ لیاقت ان میں پیدا کرنا چاہتا تھا۔ کہ وہ ضمیر کی عظمت کو پہچاننا اورشریعت کی گہری باتوں اورروحانی معنوں کو جاننا سیکھ جائیں۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ اسے بے دین اورگمراہ کرنے والا کہنے لگ گئے۔

اس میں اورمذہبی استادوں میں جو نااتفاقی پائی جاتی تھی۔ وہ سبت کے متعلق بڑے شور سے ظاہر ہوئی۔ سبت کے روز کے متعلق ان کے تجویز کئے ہوئے اوامر و نواہی اس حدتک پہنچ گئے تھے۔ کہ آرام اور خوشی اوربرکت کا دن ایسا ناگوارہو گیا تھا۔ کہ لوگ اس تنگ آ گئے تھے ، مسیح اکثر سبت کے روزبیماروں کو چنگا کیا کرتا تھا۔ لیکن وہ ایسے کاموں کے چوتھے حکم کے برخلاف سمجھتے تھے۔ اس نے باربار ان کے اعتراضوں کی غلطی فاش کی یا یوں کہیں کہ سبت کے حقیقی مطلب اورمقصد کو کئی طرح سے ظاہر فرمایا کہ وہ آدمی کے لئے بنا ہے نہ کہ آدمی اس کے لئے ، اوراس کے ثبوت میں پرانے مقدسوں کی نظیریں پیش کیں۔ اوران کے دستورات کو جو سبت کے روزعمل میں آتے تھے۔ ان کے سامنے رکھا مگر وہ قائل نہ ہوئے اورچونکہ وہ باوجود ان کے اعتراض کے بیماروں کو سبت کے دن چنگا کرتا رہا اس لئے وہ ہمیشہ اس سے عداوت رکھتے تھے۔

اب ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جو لوگ اس کی نسبتگ اس قسم کے ناقص اورکمینے خیالات اپنے دل میں رکھتے تھے۔ وہ کب اس کے اعلیٰ قسم کے دعوے سننے کو تیارہو سکتے تھے۔ مثلاً جب اس نے یہ بتایا کہ میں مسیح موعود ہوں، مینگناہوں کو معاف کرسکتا ہوں اورجب اس نے ازلی رشتے کی جو وہ باپ سے رکھتا تھا۔ ان کو خبر دی تو وہ اس کے شنوا نہ ہوئے بلکہ الٹے اس کے مخالف ہوگئے ، اوران باتوں کو کفرگوئی سمجھ کر اس کا منہ کرنے کے درپے ہوئے۔

ممکن ہے کہ ہم یہ سوچ کر اپنے دل میں حیران ہوں کہ کیا اس کے معجزوننے بھی اسن کو قائل نہ کیا۔ اگر واقعی اس نے وہ عظیم اوراورے شمارمعجزات دکھائے جو اس سے منسوب کئے جاتے ہینتو پھر کس طرح انہوں نے اس کے خدا کی طرف ہونے کی اس اعلیٰ گواہی کو رد کیا ؟ وہ بحث جو جو سنہیڈروم کے ممبروں اور

جنم کے اندھے کے درمیان واقع ہوئی جس کا بیان یوحنا کی انجیل کے نویں باب میں پایا جانا ظاہر کرتی ہے۔ کہ اس قسم کی شہادت بڑے شدومد کے ساتھ ان کے روبرو دلائجی جاتی تھی۔ لیکن وہ ایک نامعقول سے جواب سے اپنی خاطر جمعی کرلیا کرتے تھے۔ واضح وہ کہ یہودیوں کے درمیان معجزات کسی شخص کے حق میں خدا کی طرف سے ہونے کا کامل ثبوت نہیں سمجھے جاتے تھے۔ ، کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ جھوٹے بنی بھی معجزات دکھا سکتے ہیں۔ اورنہ صرف خدا کی قدرت بلکہ شیطانی طاقت بھی معجزے دکھا سکتی ہے۔ پس مسیح کے معجزوں کی سچائی کا فیصلہ ان کی رائے میں دیگر دلائل پر مبنی تھا۔ اوران دیگر دلائل کی بنا پر وہ مدت سے فیصلہ کرچکے تھے۔ کہ ان کا دکھانے والا خدا کی طرف سے نہیں۔ پس وہ کہتے تھے، کہ اس کے معجزے تاریکی کی قوتوں کی مدد سے وجود میں آتے ہیں۔ مسیح نے اس کفرآمیز الزام کا مقابلہ بارہا زبردست دلیلوں کے ساتھ کیا اوران کو لاجواب کردیا مگر اس کے مخالف اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے رہے۔

وہ ابتداءہی سے اپنے مخالفانہ فیصلے پر جم گئے تھے۔ اورس لئے وہ کبھی مسیح سے متفق نہ ہوئے۔ ابھی اس نے پہلے سال یہودیہ میں اپنا کام شروع ہی کیا تھا کہ وہ اس کی مخالفت پر امادہ ہوگئے اورجب ان کو یہ خبر ملی کہ وہ گلیل میں کامیاب ہو رہا ہے۔تو گھبرا گئے اوریروشلیم سے اپنے گماشتے روانہ کئے تاکہ جابجا ان کے معتقدوں کی مدد سے یسوع کے کام کی بیخ کنی کریں۔ جو سال اس کی خوشی کا سال تھااس میں بھی اس باربار ان کا مقابلہ کرنا پڑا۔ پہلے پہل وہ ان کے ساتھ بڑی امید رکھتا تھا مگر تھوڑے عرصے بعد بخوبی ظاہر ہوگیا کہ یہ امید کبھی بر نہ آئے گی۔ پس اس نے ان کی مخالفت کو ایک ضروری بات کے طورپر سمجھ کر قبول کیا۔ ان کے بے بنیاد دعووں کی بطالت کو لوگوں پر آشکارا کیا۔ اوراپنے شاگردوں کو ان کے خمیر سے بچنے کی تاکید کی مگر یہ لوگ بھی لوگوں کے دلوں میں کانٹے بو رہے تھے۔ اورجو بیج مخالفت اوردشمنی کا انہوں نے بویا وہ کثرت سے پھل لایا چنانچہ جب سال کے خاتمہ پر اس کی ہر دلعزیزی میں ضعف آنے لگا ، تو وہ زیادہ دلیری سے اس کی مخالفت کرنے لگے۔

اسی طرح انہوں نے صدوقیوں اورہیرودیوں کے ٹھنڈے دلوں مینبھی کسی قدرآگ بھر دی۔ شاید ان کو یہ کہا ہوگا۔ کہ یسوع بغاوت کے سامان تیارکر رہا ہے اوراس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے آقا ہیرودیس سے تخت وتاج جاتا رہے گا۔ وہ دُون ہمت اوربدچلن بادشاہ خود اس کے لہو کا پیاسا تھا ، پروہ اورہی باتوں کی وجہ سے اس سے خائف ہو رہا تھا۔ قریباً انہیں ایاّم میں اس نے یوحنا بپتسمہ دینے والے کو قتل کیا تھا۔ یہ جرم صفحہ تاریخ پر اپنا ثانی نہیں رکھتا اوراس بات کی عمدہ مثال ہے کہ گناہ کا نتیجہ گناہ ہوتا ہے۔ اورکہ جب کوئی

کینہ درعورت بدلہ لینے پرآمادہ ہو جاتی ہے۔ تو لے کرہی چھوڑتی ہے۔ اس سخت اورگھناونے جرم کے بعد ہیرودیس کے مصاحبوں نے اس کو ان پولٹیکل تجویزوں کی خبردی۔ جو ان کے زعم میں یسوع برپا کررہا تھا۔ پر جب ہیرودیس نے اس نئے بنی کی خبر سنی تو ایک ہولناک خیال اس کے مجرم ضمیر کو حرکت میں لانے کا باعث ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔ جس کو میں نے قتل کیا تھا۔ وہ اب مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ گویہ خواہش شیر ببر کی تھی جو برّے کو اپنا شکارکرنا چاہتی تھی۔ مگر یسوع نے کبھی اس کی دعوت قبول نہ کی اور ناممکن نہیں کہ اسی سبب سے ہیرودیس اپنے اراکین کی باتوں کو اوربھی توجہ سے سنتا اوراسے خطرناک آدمی سمجھ کرگرفتارکرنا چاہتا تھا۔ تھوڑے عرصے کے بعد وہ اس کے مارنے کے درپے ہوا۔ اب یسوع کو اپنے تیئں اس کے چنگل سے بچانا پڑا اوراس میں شک نہیں کہ اس بات نے دیگر بڑی بڑی باتوں کے ساتھ مل کر پچھلے چھ ماہ کے لئے جو خداوند نے گلیل میں کاٹے، اس کے طرزعمل کو بالکل بدل دیا۔

کچھ عرصہ سے تو ایسا معلوم ہونے لگا تھا۔ کہ خداوند مسیح نے جو اثرعام لوگوں پرڈال رکھا ہے وہ رفتہ رفتہ اس قدرزورپکڑ جائیگا۔ کہ بڑے بڑے عالی رتبہ اورفاضل لوگ بھی اس کے مطیع ہو جائیں گے۔ کیونکہ بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے۔ کہ جس تحریک کو شروع میں ذی اقتداراوربا اختیاربزرگوں نے ٹھٹھوں میناڑایا آخر کاروہی عام لوگوں کے دلوں میں گھرکرکے اوران کی سرگرم امداد سے مضبوط ہوکر اعلیٰ درجہ کے کے لوگوں پر غالب آئی اورعزت اورمقدرت کے مرکزوں میں تسلیم کی گئی۔ قومی قبولیت میں ایک درجہ ہوتا ہے اورجب کوئی تحریک اس درجہ یا حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تو سیلاب کی مانند پرُزورہو جاتی ہے۔ پھر کوئی تعصب یا حاکمانہ مخالفت اس کی روانی کو روک نہیں سکتی۔ یسوع گلیل کے عام لوگوں کے ساتھ بے تکلف ملتا جلتا تھا۔ اوروہ بھی اس کے ساتھ محبت اورتعظیم سے پیش آتے تھے۔ وہ اسے فریسیوں اورفقیہوں کی طرح کھاو؟ اورشرابی نہیں کہتے تھے۔ بلکہ اس کی رسالت کے قائل تھے۔ وہ اسے گذشتہ زمانوں کے بڑے بڑے انبیاء کے برابر جانتے تھے۔ اورجو لوگ اس کی عظمت کوکسی قدرزیادہ صفائی سے دیکھتے یا اس کی رقت انگیزتعلیم کی خوبیوں کو زیادہ محسوس کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے، کہ وہ یا تو یسعیاہ ہے یا یرمیاہ ہے ، لوگوں کے درمیان یہ خیال مروج تھا کہ جب مسیح آئے گا۔ تو اس سے پہلے ایک بڑا بنی برپا ہوگا۔ اوروہ بنی ان کے گمان کے مطابق ایلیاہ تھا۔

پس بعضوں کا یہ خیال تھا۔ کہ یسوع ایلیاہ ہے یا یوں کہیں کہ لوگ اسے مسیح نہینبلکہ مسیح کا پیشرو تصور کرتے تھے۔ اوراس کا سبب یہ تھا کہ جو تصورمسیح کا وہ باندھے بیٹھے تھے۔ اس کی بنیاد دنیوی شان وشوکت پر تھی اوریسوع کی ظاہری حیثیت اس تصورکے بالکل برخلاف تھی۔ البتہ بعض اوقات بڑے بڑے معجزات کو دیکھ کر کوئی ان میں سے یہ کہہ اٹھتا ہے ،کیا وہ مسیح نہیں ہے؟ مگرعموماً باوجود اس کے اورمعجزات اور لاثانی تعلیمات کے وہ اس کو وہ مسیح نہیں مانتے تھے۔ جو ان کے ذہن پر نقش ہورہا تھا۔ لہذا وہ لوگ پختہ اور عالم گیرطورپر اس کی مسیحائی کے قائل نہ تھے۔

آخرکارفیصلہ کی ساعت آپہنچی۔ یہ وہی ساعت تھی جس کی طرف بارہا اشارہ ہوچکا ہے یعنی اس سال کا آخری حصہ جو اس نے گلیل میں کاٹا تھا۔ اس موقع پر ہمارا خداوند یوحنا بپتسمہ دینے والے کی شہادت کا حال سن کرشاگردوں کے ساتھ بیابان کی طرف روانہ ہوا تاکہ وہاں جاکر اس افسوس ناک حادثہ پر غور کرکے اوراپنے جان نثاروں سے اس کے بارے میں ہم کلام ہو۔ پس وہ ایک کشتی پر سوارہوکر جھیل کے مشرقی کنارے کی جانب بڑھا اورکشتی سے بیت صیدا کے ہریالے میدان میناترا، اورپھر اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ ایک اونچے پہاڑپر چڑھ گیا، لیکن بہت دیر نہ ہونے پائی تھی۔ کہ دامن کوہ میں لوگوں کا ہجوم جمع ہوگیا اوراس غرض سے کہ اس کےکلام اوراس کے دیدار سے مخطوظ ہوں، لوگ اس کی قیام گاہ سے آگاہ ہوکر ہر سمت سے امڈآئے اوروہ جو کہ ہر قوت اوروں کے لئے اپنے آپ کو تصدق کرنے کو تیارتھا۔ پہاڑپر سے نیچے اترآیا تاکہ انہیں تعلیم دے اوران کے امراض کو دفع کرے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آفتاب غروب ہوگیا۔ اب اس نے لوگوں کی بے کسی اوربے بسی پر ترس کھاکر وہ عظیم الشان معجزہ دکھایا جس میں پانچہزاراشخاص کو سیروآسودہ کیا۔ اس معجزے کا اثر بڑے زور کے ساتھ نمودارہوا چنانچہ لوگوں نے خیال کیا کہ یہی مسیح موعود ہے۔ اور چونکہ مسیح کی مسیحائی کا ایک ہی تصوران کے دل میں جما ہوا تھا۔ اس لئے اس تصورکے مطابق انہوں نے اسے جبراً اپنا بادشاہ بنا نا چاہا۔ یعنی وہ چاہتے تھے کہ وہ ایک بغاوت کا جو مسیح کانام میں برپا کی جائے سرغنہ بنے اورقیصر روم سے اوران شہزادوں کے ہاتھ سے تاج وتخت چھین لے جنہیں قیصر نے مختلف صوبجات پر حکمران بنا دیا تھا۔

بظاہر معلوم ہوتا تھا ،کہ گویا وہ وقت آگیا ہے، جس میں اس کی محنتوں کے سر پر کامیابی کا تاج رکھا جائے گا۔ لیکن یسوع کی نظر میں یہ وقت رنج اورناکامیابی کا وقت تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ کیا میری سال بھر کی محنت کا یہی نتیجہ ہوا؟ کیا لوگوں نے میری باتوں کو سن کر یہی خیال میری نسبت قائم کیا ؟ کیا انہوں نے یہی

واجب سمجھا کہ مجھے سکھائیں کہ مجھے آئندہ کیا کرنا چاہیے اورنہ جانا کہ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ مجھ سے پوچھیں کہ انہیں کیا کرنا چاہیے ؟ اس ناموافق نتیجہ کو دیکھ کر اس نے جان لیا کہ میرے کام نے گلیل کے لوگوں پر جو اثر کیا اس کا ثبوت آج مجھ کو مل گیا، وہ بہت گہرا اثر نہیں ہے۔ اورگلیل نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس قابل نہیں کہ میں اسے اپنا مرکز بنا کر اس سے اپنی بادشاہی کو باقی سر زمین میں پھیلاوں۔ پس وہ ان کی نفسانی خواہشات کو دیکھ کر اس جگہ سے چل نکلا اوردوسرے دن کفرنحوم میں پھر ان سے ملا اوراس موقع پر ان کو بتایا کہ تم میری نسبت سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو۔ تم روٹیوں کے بادشاہ کی تلاش کرتے ہو تا کہ وہ تم کو بیکاری کے ساتھ مال کی فراوانی عطا کرے۔ روٹیوں کے ڈھیر لگائے۔ اوردودھ کی نہریں تمہارے لئے جاری کرے اورتم بے مشقت زندگی کا مزہ لوٹو، پر میں وہ بادشاہ نہیں ہوں۔ جو برکت میں اپنے بندوں کو عطا کرتا ہوں۔ وہ ہمیشہ کی زندگی کی روٹی ہے۔ لیکن اس کی یہ باتیں لوگونکے آتشی جوش کے لئے ٹھنڈے پانی کا کام کر گئیں۔ چنانچہ اسی وقت سے اس کا کام گلیل میں نامرغوب سا ہوگیا۔ اورلکھا ہے کہ " اس پر اس کے شاگردوں میں سے بہت سے پھر گئے اوراس کے بعد اس کے ساتھ نہ رہے"۔ پر وہ خود یہی چاہتا تھا، یا یوں کہیں کہ اس نے اپنی ہر لعزیزی کی جڑ پر آپ کلہارا مارا۔ اب اس وقت سے لے کر آئندہ اس نے اپنے تیئں ان چند اشخاص کی طرف متوجہ کیا جو اس کی حقیقت سے کسی قدر زیادہ واقف تھے اورروحانی باتوں کا زیادہ مذاق رکھتے تھے۔

اس کے کام کی صورت کا تبدیل ہو جانا

اگرچہ اہل گلیل نے بہ حیثیت مجموعی اپنے آپ کو ناقابل ثابت کیا تو بھی ان میں ایک بقیہ موجود تھا۔ جو وفا دار نکلا، اس بقیہ کا مرکز رسول تھے، دیگر شاگردوں کی تعداد کئی سو تک پہنچ گئی تھی۔ یسوع اب خاص طور سے ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔ جس وقت تمام گلیل نے اس کو رد کیا۔ اس وقت اس نے ان وفاداروں کو اس طرح بچا لیا۔ جس طرح کوئی جلتی ہوئی لکڑی کو بچا لیتا ہے۔لیکن ان کے لئے بھی یہ وقت ایک بڑی آزمائش کا قت تھا کیونکہ ان کے خیالات بھی بہت کچھ عام لوگوں کے خیالات تھے وہ بھی دنیاوی حشمت اوراورشوکت والے مسیح کا انتظار کر رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے تصور میں روحانی مطالب کو ملانا سیکھ گئے تھے۔ پر پھر بھی ابھی روحانی خیالات کے ساتھ روائتی اوردنیوی توہمات لگے ہوئے تھے۔ وہ بڑے ارمان اورحسرت سے کہتے ہوں گے کہ یہ عجیب راز ہے۔ کہ یسوع اب تک شاہانہ تاج سے اپنے سرکو زیب نہیں دیتا۔ یہی خیال تھا، جس نے بپتسمہ دینے والے یوحنا کو قید خانہ میں ایسا پریشان کیا کہ اس کے دل میں شکوک پیدا ہوئے، اور کہنے لگا کہ کیا یردن کے کنارے پر جو رویا مجھے نصیب ہوئی وہ کسی حقیقت کا نقشہ تھی یا محض سراب ؟ یہی بات سوچ کر اس نے یسوع کے

پاس پیغام بھیجا اوردریافت کیا کہ تو مسیح ہے یا نہیں؟ یوحنا بپتسمہ دینے والے کی موت مسیح کے شاگردوں کے لئے بڑی بے چینی کا باعث ہوئی ہوگی۔ وہ سوچتے ہوں گے کہ اگر مسیح فی الحقیقت ایسا قادر ہے جیسا کہ ہم اسے سمجھتے ہیں تو پھر اس نے کیوں اپنے دوست (یوحنا) کو ایسی شرمناک موت سے مرنے دیا؟ اگر باوجود اس قسم کی سرگردانیوں کے وہ اس کا دامن پکڑے رہے اورجس بات کے سبب سے وہ اس سے چپٹے رہے وہ اس جواب سے عیاں ہے جوانہوں نے یسوع کو اس وقت دیا جب اس نے ان سے یہ سوال کیا کہ"کیا تم بھی چلا جانا چاہتے ہو"؟انہوں نے کہا "اے خداوند! کس کے پاس جائیں؟ ہمیشہ کی زندگی کی باتیں تو تیرے ہی پاس ہیں"۔ اگرچہ ان کے خیالات صاف نہ تھے۔ اوروہ پریشانیوں اورسرگردانیوں کی تاریکی سے گھرے ہوئے تھے تو بھی اتنا ضرورجانتے تھے۔ کہ ہم اسی یسوع سے ہمیشہ کی زندگی پا رہے ہیں۔ اسی بات کے باعث وہ اس کے قدموں سے لگے رہے اورخوشی سے اس بات کا انتظارکرتے رہے کہ وہ خود ساری مشکلات کا حل کردے گا۔

آخری چھ چاہ جوگلیل میں صرف ہوئے ان میں اس نے منادی کرنے اورمعجزات دکھانے کا معمولی کام زیادہ تر بند کردیا وراپنی توجہ اپنے شاگردوں کو سکھانے کی طرف کی۔ وہ انہیں اپنے ساتھ لے کر ملک کے دور دورحصوں میں جایا کرتا تھا۔ اورجہاں تک ہو سکتا تھا۔ شہرت سے بچتا تھا، چنانچہ ان دنوں وہ کبھی ہم کو شمال کی جانب صوراورصیدا میں ملتا ہے اورکبھی شمال مشرق میں قیصریہ فلّپی کے علاقہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اورکبھی دکپلس میں جھیل کے جنوب اورمشرق میں نظرآتا ہے۔ ان سفروں کا باعث کچھ تو فریسیوں کی مخالفت تھی۔ اورکچھ ہیرودیس کے کینے کا خیال۔ مگر زیادہ تر اپنے شاگردوں کے ساتھ اکیلا رہنا چاہتا تھا۔ ان گردشوں کا ایک بیش قیمت نتیجہ قیصریہ فلّپی میں ظاہر ہوا۔ وہاں خداوند نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ لوگ میری نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟ انہوں نے لوگوں کے مختلف قیاس بیان کئے اوربتایا کہ کوئی کہتا ہے کہ تو ایک نبی ہے۔ کوئی خیال کرتا ہے کہ تو ایلیاہ ہے کہ اوربعضوں کا گمان ہے کہ تو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔ اس پر اس نے ان سے پوچھا کہ "تم کیا کہتے ہو کہ میں کون ہوں"۔ پطرس نے ان سب کے لئے جواب دیا اور کہا "تو خداوند خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ اسی بات سے قائل ہوکر انہوں نے مصمم ارادہ کیا کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم یسوع کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ یسوع نے ان کے اس اقرارکو بڑی شادمانی سے قبول کیا اورجان لیا کہ جنہوں نے یہ اقرارکیا ہے۔ میں انہی میں سے وہ آئندہ کلیسیاء پیدا کروں گا۔ جو اسی صداقت پر مبنی ہوگی جسے شاگردوں نے اپنے اقرار کے وسیلے ظاہر کردیا ہے۔

مگر اس فضیلت کو پہنچنا ان کے لئے گویا ایمان کی ایک نئی آزمائش کے لئے تیا رہونا تھا۔ چنانچہ ہم پڑھتے ہینکہ اس وقت سے اس نے اپنے آنے والی تکلیفوں اورموت کی خبر دینی شروع کی۔ اس کی تکلیفیں اور موت اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھیں۔ اوروہ جانتا تھا، کہ میرے کام کا انجام یہی ہے۔ اس بات کی طرف اس نے اس سے پہلے بھی اشارہ کیا تھا۔ مگر اس پُر محبت احتیاط کے ساتھ جس کے مطابق وہ ہمیشہ ان کی سمجھ کی سمائی کے مطابق ان کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ یہ جاننا ضروری امر ہے کہ اس سے پہلے اس نے ان کے سامنے باربار اپنے دکھوں اورموت کی طرف اشارہ نہیں کیا تھا مگر اب وہ کچھ کچھ ان باتوں کو سننے اوربرادشت کرنے کے لئے تیارتھے۔ اورچونکہ دکھ اورموت کا آنا لازم تھا، اوروقت بھی بہت نزدیک آگیا تھا۔ اس لئے وہ بار باران کو اپنی مصیبتوں کی خبر دیتا رہا مگر وہ خود ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ اس کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتے تھے۔ اپنے ہم وطنوں کی طرح ایک طرف تو وہ یہ مانتے تھے۔ کہ مسیح آتے ہی داود کے تخت پر بیٹھے گا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی مانتے تھے۔ کہ یسوع ہی وہ مسیح ہے پس یسوع کا یروشلیم مینجا کر جان سے مارا جانا اورتخت پر نہ بیٹھنا ان کے لئے ایک معمہ سا تھا۔ وہ اس کے دکھوں کی باتوں کو سنتے اورآپس میں بحث کرتے تھے۔ لیکن ان کو ناممکن سمجھتے تھے۔ وہ خیال کرتے تھے، کہ وہ اس معاملے میں بھی تمثیلی طرزپر کلام کررہا ہے۔ جیسا کہ دیگر معاملات پر کیا کرتا ہے۔ اورکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس کی موجودہ پست حالی ہوتی رہے گی۔ اور اس کاکام ایسے جلال اورفتح مندی کے ساتھ نئی صورت اختیارکرے گا۔ کہ گویا مردوں میں سے جی اٹھا ہے۔ جوں جوں اس کی موت اوردکھوں کا وقت نزدیک آتا جاتا تھا۔ وہ اسی قدرزیادہ تفصیل کے ساتھ ان کو اپنے دکھوں کی کیفیت سے آگاہ کرتا جاتا تھا۔ تاکہ تمام غلط فہمیاں ان کے دل سے دورہو جائیں مگر ان کے دل اس صداقت کو قبول کرنے کے لئے تیارنہ تھے۔اوراس بات کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آپس میں اکثر اس بات پر جھگڑا کرتے تھے۔ کہ آسمان کی بادشاہی میں سب سے بڑا کون ہوگا۔ اورسلومی کی اس درخواست سے بھی کہ اس کی بادشاہی مینا س کے دونوں بیٹوں مینسے ایک اس کے دہنے اوردوسرا اس کے بائیں بیٹھے یہی بات ثابت ہوتی ہے۔ اورجب وہ گلیل سے یروشلیم کی طرف روانہ ہوئے تو اسی خیال سے روانہ ہوئے کہ اب خدا کی بادشاہی نمودارہو گی۔ اوریسوع دارالخلافہ مینپہنچ کر اس پستی کے لباس کو جواب تک پہنے سے پھینکے گا اورہر قسم کی مخالفت کو اپنی قدرت سے مغلوب کرکے اپنے باپ دادا کے تخت پر بیٹھ جائے گا۔

اب ہم دیکھیں گے کہ یسوع خود اس سال مینکیا سوچتا تھا اورکیسے کیسے خیالات اس کے دل میں گزرتے تھے؟ اس کے لئے بھی یہ سال سخت آزمائش کا سال تھا۔ یہ پہلا مرتبہ تھا کہ اس کے چہرے پر فکر اور

اندیشے کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بارہ مہینے کے عرصے میں جو گلیل میں گزرا وہ اپنی ظاہری کامیابی کو دیکھ کر نہایت بشاش رہا کرتا تھا۔ پر اب حقیقت مینوہ مردغمناک بن گیا۔ جسب وہ پیچھے لوٹ کر دیکھتا تھا۔ تو اسے یہ بات نظر آتی تھی کہ گلیل نے مجھے رد کر دیا ہے۔ اس ملک کے بنجر پن کر دیکھ کر جس پر اس نے اتنی محنت صرف کی جو غم اس کے دل میں پیدا ہوا اگر ہم اس کا تخمینہ لگانا چاہیں تو اس محبت کو دیکھنا چاہیے جس سے وہ ان روحوں کو پیار کرتا تھا جن کے بچانے کے لئے اپنے کام میں جان فشانی کے ساتھ مصروف تھا۔ اسی طرح جب آگے کی طرف دیکھتا تھا۔ تو ادھر بھی یہی نظر آتا تھا۔ کہ جب میں یروشلیم پہنچونگا۔ تو وہاں بھی رد کیا جاؤں گا۔ اس میں ذرا بھی شک نہ تھا۔ آئندہ کے بارے میں جب کوئی خیال اس کے دل میںآتا تھا۔ تو اس کے ساتھ ہی اس واقعہ کا خیال بھی اس کی آنکھوں کے سامنے بڑی صفائی کے ساتھ موجود ہو جاتا تھا۔ اس کا خیال اس وقت اسی بات کی طرف لگا ہوا تھا۔ کہ یہ آنے والا واقعہ نہایت سخت واقعہ تھا۔ اور چونکہ وہ نزدیک آتا جاتا تھا اس لئے کبھی کبھی ایسی کش مکش اس کے دل میں برپا ہوتی تھی کہ ہم اس کی تصویر کھینچنے کی جرات نہیں کر سکتے۔

ان دنوں وہ اپنے وقت کا زیادہ حصہ دعا میںصرف کیا کرتا تھا دعا میںلگے رہنا ہمیشہ اس کی خوشی اور تقویت کا باعث تھا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ جب وہ اپنے کام میںبہت مصروف ہوتا تھا۔ اورشام کے وقت دن بھر کی محنت سے ایسا چورچورہو جاتا تھا۔ کہ تکان کے مارے کھڑانہیں رہ سکتا تھا۔ تو اس وقت بھی لوگوں سے اوراپنے شاگردوں سے جدا ہو کر اکیلا پہاڑ کی چوٹی پر چلا جاتا تھا۔ اوروہاں اپنے باپ کی صحبت میں پوری پوری رات صرف کر دیتا تھا۔ وہ کوئی بڑا کام دعا کے بغیر نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آگے سے بھی کہیں زیادہ دعا میں لگا رہتا تھا۔ اوراپنا مقدمہ خدا کے حضورآنسو بہا رکر پیش کیا کرتا تھا۔ اس کی دعاوں کا جواب ایک عظیم الشان صورت میں اس وقت اس کو ملا جبکہ اس کی صورت پہاڑپر تبدیل ہوئی۔ یہ پُرجلال نظارہ مخالفت کے سال کے وسط میں گلیل چھوڑنے اوریروشلیم کی طرف روانہ ہونے سے جہاں وہ دشمنوں کے فتوے کا نشانہ بنا ذرا پہلے عیاں ہوا۔ اس عجیب اورجلالی واقعہ کا مقصد کچھ تو یہ تھا کہ اس کے تین شاگردوں کا ایمان اس کے وسیلے سے مضبوط ہوتا کہ وہ اپنے بھائیوں کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لائق بن جائیں اورکچھ یہ کہ خود اس کے دل کو تسلی ملے۔ گویا اس کی صورت کا تبدیل ہونا اس کے باپ کی طرف سے اس کے لئے ایک انعام تھا۔ خدا نے اس نظارے کے ذریعے سے اس کی وفاداری کو جواب تک اس سے ظاہر ہوئی اعلانیہ قبول کیا اوراس کو اس باقی کام کے لئے جو اسے ابھی کرنا تھا۔ تیاری اورتقویت بخشی۔ اس موقعہ پر اس نے اپنی صلیبی موت کے

بارے میں موسیٰ اورایلیاہ سے گفتگو کی جو اس کے ساتھ پوری ہمددری کر سکتے تھے۔ اورجن کا کام اس کی موت سے پورا اورمکمل ہونے کو تھا۔

گلیل کو چھوڑکر یسوع یروشلیم کی طرف روانہ ہوا اورراستے کو طے کرنے میں چھ مہینے لگے۔ اس دراز عرصے کی وجہ یہ تھی۔ کہ اسے بادشاہی کی منادی تمام ملک مینکرنی تھی۔ یہ کام اس کے کل کام کا ایک ضروری حصہ تھا۔ اوراس نے اسے خوب انجام دیا ، پہلے اپنے شاگردوں میں سے چالیس کو بھیجا کہ وہ جا کر گاوں اور شہروں کو اس کے لئے تیارکریں اورجب خود روانہ ہوا تو پھر وہی نظارے ظہورمیںآئے جو گلیل میں رونما ہوئے تھے۔ اسی طرح لوگوں کی بھیڑاس کے پیچھے پیچھے چلتی تھی۔ اوراسی طرح معجزے وقوع میں آتے تھے۔ مگر چونکہ اس عرصہ کے مفصل حالات قلمبند نہیں ہوئے اس لئے ہم قدم بقدم اس کی پیروی نہیں کر سکتے تو بھی ہم اسے سامریہ ، پیریہ ، یردن کے کناروں اوربیت عنیا اورافرائیم کے گاوں میں کام کرتا ہوا دیکھتے ہیں تاہم یروشلیم ہی وہ منزل مقصود تھی جس کی طرف وہ رفتہ رفتہ بڑھ رہا تھا۔ اس شہر میں جو کچھ اس پر واقعہ ہونے والا تھا۔ اس کے خیال مینوہ اس قدرمحو تھا، کہ کبھی کبھی اس کے شاگرداس کی خاموشی اورتیز رفتاری کودیکھ کر حیران ہوتے اورڈرجاتے تھے۔ گاہے گاہے خوشی اورفرحت بھی نمایاں ہوتی تھی۔ جیسے اس وقت ہوئی جبکہ اس نے چھوٹے بچوں کو برکت دی یا جیسے بیت عنیا میں دوستوں کے گھر میں جانے سے ہوئی۔ پر ان دنوں عموماً اس کی طبیعت اورصورت سے ایسی فکرمندی عیاں تھی۔ کہ پہلے کبھی اس درجہ تک ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ پس اس زمانہ میں جو گفتگو یا بحث اس کے اوراس کے دشمنوں کے درمیان واقع ہوتی تھی وہ بھی پہلے کی نسبت زیادہ پُرجوش ہوا کرتی تھی۔ اورجو شرائط وہ ان کو جو اس کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت بتایا کرتا تھا۔ وہ بھی پہلے کی نسبت زیادہ سخت ہوتی تھیں۔ غرضیکہ ہر بات سے یہی ظاہر ہوتا تھا کہ خاتمہ نزدیک آتا جاتا ہے۔ وہ اس وقت دنیا کے گناہ کے کفارہ کے خیال میں مستغرق تھا اوراس کام کے انجام پانے تک اس کی روح کو سخت دکھ مینگرفتاررہنا پڑا۔ یہ غمناک واقعہ نزدیک آتا جاتاتھا۔ ان چھ مہینوں کے عرصہ میں اس نے آخری بارسے پہلے دو فعہ یروشلیم میں قدم رکھ اوردنوں دفعہ صاحب اقتداراشخاص نے سخت مخالفت کی۔ پہلی دفعہ وہ اس کے گرفتارکرنے کے درپے ہوئے اوردوسری دفعہ سنگ سارکرنے پر آمادہ ہوگئے اوریہ حکم اس سے بھی پہلے جاری کر چکے تھے کہ جو کوئی اسے مسیح کہے گا۔ وہ قوم سے خارج کیا جائے گا، پر جب لعاذر کے زندہ ہونے سے قومی دارالخلافہ کے دروازوں کے کے پاس عام لوگوں میں جوش وخروش کی روح پیدا ہوئی تو دین کے حاکموں نے دیکھا کہ اس کو جان سے مارنا ضروری ہے اوریہی فیصلہ

انہوں نے اپنی کونسل میں کیا۔ یہ فیصلہ خاتمہ سے کوئی ایک یا دوماہ پہلے ہوا تھا۔ اوراس کے سبب سے کچھ عرصے کے لئے مسیح یروشلیم سے چلا گیا لیکن وہ صرف اسی وقت تک یروشلیم سے دوررہا جب تک کہ وہ گھڑی نہ آئی جو اس کے باپ نے اس کے لئے مقرر کی تھی۔

آٹھواں باب

کام کا خاتمہ

اب ہمارے خداوند کے کام کے تیسرا سال بھی خاتمہ کو پہنچا اورفسح کی عید نزدیک آئی۔ کہتے ہیں کہ اس عید کی تقریب پر کم ازکم بیس یا تیس لاکھ آدمی یروشلیم مینجمع ہو جاتے تھے۔ جو نہ صرف فلسطین کے مختلف علاقوں سے بلکہ دوردور کے ملکوں سے خشکی اورتری کی سختیاں سہہ کرآتے تھے۔ تاکہ اس عید میں جوان کی قومی تواریخ کی بنیاد سمجھی جاتی تھی شامل ہوں،ان میں سے کئی توسنجیدہ خیالات اورحقیقی خوشی کے ساتھ آتے ہوں گے اوران کے دلی تصورات اس عظیم عید کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوں گے۔ لیکن کئی اس لئے آتے ہوں گے کہ بچھڑے ہوئے عزیزوں اوردورافتادہ دوستوں کو دیکھ کر دل ٹھنڈا کریں اورکئی تجارت اوربیوپار کے منافع سے ہاتھ گرم کرنا چاہتے ہونگے۔ پر اس دفعہ بے شمارلوگوں کے دلوں ایک میں اور ہی تحریک پیدا ہورہی تھی۔ وہ اب کی دفعہ یروشلیم میں عجیب کام دیکھنے کی امید رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے، کہ اس دفعہ ہم یسوع کو وہاں دیکھیں گے۔ وہ اس کے بارے میں طرح طرح کے خیالات اپنے ذہن مینجمائے ہوئے تھے۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو ہم دیکھتے کہ ہزاروں مسافر جو یروشلیم کو جارہے ہیں۔ راستے میں اسی کی بابت گفتگو کرتے جاتے ہیں۔اورسینکڑوں یہودی جو جہازوں پر بیٹھے ایشائے کوچک اورمصر سے یروشیلم کو آرہے ہیں اسی کے نام کا وردکر رہے ہیں۔ ماسوااان کے اس کے شاگرد بھی وہاں موجود تھے۔ان کے دل میں بھی یہ امید جوش زن ہوگی کہ اب تو لاکھوں لوگ دارالسلطنیت میں موجود ہیں ،اب ہمارا خداوند ضرورپستی کے پردے کو اتارکر اپنے جلال کوآشکارہ کرئے گا اورکسی نہ کسی عجیب صورت سے لوگوں کو قائل کردے گا کہ مسیح موعود میں ہی ہوں۔علاوہ ان کے ہزاروں آدمی ملک کے جنوبی حصہ سے آئے ہوئے تھے اورچونکہ چند دنوںسے وہ ان کے درمیان کام کررہا تھا۔اس لئے وہ بھی اس کی نسبت کچھ اسی طرح کا خیال رکھتے تھے جیسا

گلیل میں پہلے سال کے آخر میں گلیلوں کا تھا ۔اس موقعہ پر بے شمار گلیلی حاضر تھے جو اس کی نسبت اچھی رائے رکھتے اور اس کے متعلق ہر امر میں دلچسپی دکھانے کو تیار تھے۔لاکھوں اشخاص جنہوں نے اسے کبھی دیکھا تو نہیں تھا مگر اس کے بارے میں سنا بہت کچھ تھا اور اور ممالک سے بھی آئے ہوئے تھے وہ اپنے دلوں میں یہ امید لئے بیٹھے تھے کہ یا تو ہم اس کا کوئی عجیب معجزہ دیکھیں گے یا اس کا معجزانہ باتیں سن کر مخظوظ ہوں گے۔ان سب لوگوں کے علاوہ یروشلیم کے دینی عہدیدار بھی اس کی راہ دیکھ رہے تھے۔ان کے دلوں میں بھی طرح طرح کے خیالات جوش مار رہے تھے۔وہ اس گھات میں تھے کہ اب کی دفعہ اگر اور کچھ نہ ہوا تو اتنا ضرور کریں گے۔کہ آگے کو اسے کام کرنے سے بند کر دیں مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی ڈرا رہا تھا کہ اگر وہ گلیل یا کسی اور صوبہ کے لوگوں کا سپہ سالار بن کر آگیا تو ہمیں ضرور اس کا مطیع ہونا پڑے گا۔

قوم کے ساتھ آخری ناچاقی فسح سے چھ دن پہلے یسوع مریم و مارتھا کے ہمراہ لعاذر کے گاؤں یعنی بیت عینا میں وارد ہوا۔بیت عنیا یروشیلم سے دو یا تین میل کے فاصلے پر کوہ زیتون کی چوٹی کی دوسری طرف واقع تھا اور چونکہ وہ یروشیلم سے کل نصف گھنٹے کا راستہ تھا۔اس لئے عید کے دنوں میں وہاں ٹھہرنا یسوع کے لئے زیادہ آرام کا باعث تھا۔عید کی رسوم جمعرات سے شروع ہونے کو تھیں مگر یسوع چھ دن پہلے یعنی جمعہ کے روز بیت عنیا میں آگیا۔اس کے سفر کے آخری بیس میل میں ہزاروں مسافر اس کے ہمراہ تھے۔جن کی آنکھیں اس پر لگی ہوئی تھیں۔انہوں نے اس کو یریحو میں برتمائی کی آنکھیں روشن کرتے دیکھا تھا اور اس معجزے نے ان میں عجیب قسم کی نرم دلی پیدا کر دی تھی۔اور اب جب وہ بیت عنیا میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہ گاؤں لعاذر کو زندہ کرنے کے معجزے سے گونج رہا ہے۔اور جب وہ یروشلیم میں پہنچے تو انہوں نے جا بجا یہ خبر پھیلا دی کہ یسوع آگیا ہے۔

پس جب وہ سبت کے روز آرام کر کے اتوار کو یروشلیم کی طرف جانے لگا تو کیا دیکھتا ہے کہ گاؤں کی گلیاں اور آس پاس کی سڑکیں لوگوں سے بھری پڑی ہیں ؛۔ان میں کچھ تو وہ لوگ شامل تھے جو اسکے ساتھ آئے تھے اور کچھ وہ لوگ شامل تھے جو اس کے ساتھ آئے تھے اور کچھ وہ جو اس کے پیچھے یریحو سے گزرے تھے اور جنہوں نے وہاں سے گزرتے ہوئے اس کے معجزے کی خبر سنی تھی۔اور کئی ان میں سے ایسے بھی تھے جو اسے دیکھنے کو یروشلیم سے آئے تھے انہوں نے اس کو بڑی سرگرمی اور گرم جوشی سے قبول کیا اور یہ نعرے مارنے شروع کئے۔

ابن داؤد کو ہو شعنا۔مبارک وہ جو خداوند کے نام سے آتا ہے۔یہ نعرہ گویا اس کی مسیحائی کی منادی تھے۔اس لئے پہلے وہ اس قسم کی باتوں سے بچتا تھااورلوگوں کو روک دیا کرتا تھا۔مگر اب کی دفعہ اس نے انہیں ان باتوںسے نہ روکا۔شاید اس لئے کہ یہ اظہارات ان کی سچی تعظیم سے پیدا ہوئے تھے۔بہر حال اب ایسا وقت آگیا تھا کہ وہ اپنی مسیحانہ بادشاہی کے دعوے کو چھپا نہیں سکتا تھا لیکن یہ یاد رہے کہ جب اس کے ساتھ اس بات کو بھی بخوبی ظاہر کردیا کہ میری بادشاہی کس طرح کی ہے۔چنانچہ اس نے ایک گدھی کا بچہ منگوایااورجب اس کے شاگردوں نے اس پر اپنے کپڑے ڈال دئیے تو اس پر سوار ہوا اوربھیڑ کے آگے آگے چل پڑا۔اس سے ظاہر ہوا کہ وہ جنگ کے ہتھیاروں سے آراستہ یا کسی بادرفتار کوتل پر سوار ہو کر یروشلیم میں نہیں آتا بلکہ سادگی اور سلامتی کا شہزادہ بن کر اس میں داخل ہوتا ہے۔جب جلوس کوہ زتیون کی چوٹی اورپہاڑ کے دامن سے گزرکر اور نالہ کدرون کو عبورکر کے شہر کے پھاٹک پر پہنچا تو وہاں سے شہر کے کوچوں میں سے ہو کر ہیکل میں آئے۔جوں جوں وہ آگے بڑھتے جاتے تھے اژدہام زیادہ ہوتا جاتا تھا اوردیکھنے والے کھجوراورزیتون کی ٹہنیاں لے کر فتمند انہ طورپر ہلاتے اورزرو زور سے ہو شعنا۔ہوشعنا کہتے جاتے تھے۔شہر کے باشندے اپنے گھروں کے دروازوں اورمکانوں کی کھڑکیوں پر سے جھک جھک کر دیکھتے تھے اورپوچھتے تھے۔"یہ کون ہے ؟اہل گلیل اور دیگر لوگ ملکی فخر سے معمور ہو کر یہ جواب دیتے تھے یہ ناصرت کا بنی یسوع ہے "۔مگر یہ سب اعزاز باہر والوں کی طرف سے تھایروشلیم کے لوگوں نے اس کچھ حصہ نہ لیا بلکہ بڑی سرددلی سے کنارہ کشی اختیار کی۔یہودیوں کے دینی سردارخوب جانتے تھے کہ اس ساری کاروائی کا کیا مطلب ہے۔پس وہ غیظ وغضب سے بھر گئے اوریسوع کے پاس آکر پیروؤں کو ان ناشائستہ حرکات سے بند کر ؟شاید انہوں نے اس کو اشارتاً یہ بھی کہاہو گا کہ اگرتو ان کو منع نہیں کرے گا تو رومی قلعے سے نکلیں گے ؛اورتجھ پر اورتیرے شاگردوں پر حملہ آور ہونگے اورتمام شہر کو سرکشی کے جرم میں سزا وار ٹھہرائیں گے۔

سیدنا مسیح کی زندگی میں اس موقع سے بڑھ کرا ورکوئی موقعہ نہیں ہے جس کی نسبت یہ سوال کیا جائے کہ لوگ اس کے دعوے کو قبول کرلیتے توکیا نتیجہ ہوتا؟پس یہ خیال آتا ہے کہ اگریروشلیم کے باشندے بھی بیرونی صوبحات کے باشندوں کے جوش وخروش سے مغلوب ہوکراس کے مطیع ہوجاتے اورکاہنوں اور فقہیوں کے تعصبات کو عام لوگوں کی مدد چکنا چورکردتیی تو یسوع عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ایسا تاریخی زمانہ جاری کردتیا جو اس سے بعد میں جاری ہوا بالکل مختلف ہوتا ؟اس قسم کے خیالات ہماری رسائی سے بعید ہیں اگرچہ دانش مند آدمی ان سے بری بھی نہیں رہ سکتا۔

یسوع نے اس سے پہلے یروشلیم اوریروشلیم کے سرداروں سے اطاعت طلب کی مگرانہوں نے کچھ توجہ نہ کی اوراس وقت دوسری جگہ کے لوگونسے قبول کیا جانا قومی قبولیت کے لئے کافی نہ تھا۔پس اس نے اس وقت اہل یروشلیم کے فیصلے کوآخری فیصلہ سمجھا۔حالانکہ وہ لوگ جو اس وقت یروشلیم میں موجود تھے صرف اس کے اشارہ کے منتظر تھے۔اس وقت جوکچھ وہ کہتا وہ اسے بجا لانے کو بالکل تیار تھے مگر اس نے کوئی حکم نہ دیا بلکہ ہیکل میں تھوڑی دیر تک ٹھہرکر اورادھر ادھر دیکھ کر بیت عنیا کو واپس چلا گیا۔

مگرعوام کوجو مایوسی اس سے ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔اتنا کہنا کافی ہے کہ ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں۔اب سرداروں نے عوام الناس کی مایوسی کو غنیمت جانا اوراس موقعہ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔فریسیوں کوتواکسانے کی کچھ ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ وہ تو سرااس کے خون کے پیاسے تھے رہے صدوقی جو مروجہ انتظام اورامن پر جان دیتے تھے انہوں نے بھی عام لوگوں کے حال اورملکی امن کو خطرے میں دیکھ کر اپنے جانی دشمن فریسیونکا ساتھ دینا منظورکیا تاکہ یسوع کو نیست ونابود کریں۔

یسوع پھر پیر اورمنگل کے روز شہر میں آیا اورلوگوں کوشفا بخشنے اورتعلیم دینے کے کام میں حسب معمول مصروف ہوا مگر منگل کے روزدینی سرداروں نے آکر مداخلت کی۔ فریسی۔ صدوقی۔ ہیرودی سردار کاہن ،کاہن اورفقیہ سب اس سازش میں جو یسوع کے برخلاف کی گئی تھی متفق ہوئے اوراس کے پاس آکر کہنے لگے کہ توکس کے اختیار سے یہ باتیں کہتا اوریہ کام کرتا ہے ؟وہ لوگ اپنے عہدوں کے پرشوکت لباس پہنے اورتمدنی اعزازو افتخارو دستار سر پر رکھے ہوئے بڑے کرّوفر کے ساتھ اس سادہ سے گلیلی کے پیچھے پڑ گئے۔لوگوں کا اژدہام اس عجیب تماشے کو دیکھ رہا تھا۔تھوڑی دیر کے بعد بحث کا بازارگرم ہوا۔مخالفوں نے وہ سوال پوچھنے شروع کئے جو پہلے ہی سے تیار کر رکھے تھے۔اوراس مباحثے کا اہتمام شاید ان اشخاص کے سپرد کیا جو رشک افلاطون اورغیرت ارسطو سمجھے جاتے تھے۔ان کا مطلب یا تو غالبایہ تھا کہ اسے خاص وعام کے سامنے شکست دے کر شرمندہ کریں یا یہ کہ اگر تقریر میں تیز ہوکر کوئی ایسا لفظ اس کی زبان سے نکل جائے جو شنشاہ وقت کی شان کے خلاف ہو تو اس پر بغاوت کی تہمت لگائیں۔چنانچہ انہوں نے اس سے پوچھا کہ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں ؟وہ جانتے تھے کہ اگر اس نے کہا"ہاں" تو اس کا تمام اثر جو عوام الناس پر پیدا گیا ہے ایک دم میں کا فور ہو جائے گا کیونکہ قیصر کی حکومت کے تابع رہنا مسیحائی زمانے کی امیدوں کے بالکل برخلاف تھا اوراگر اس نے کہا"نہیں" تو پھر اسے قیصر سے باغی ثابت کر کے رومی حاکم کے دربار میں اس پر سرکشی کی نالش دائیر کریں گے وہ ان کے پھندوں میں کب آنے والا تھا پس وہ بڑی مدت تک ان کے حملوں سے

بڑی خوبی کے ساتھ اپنے آپ کو بچاتا رہا اور اخر کار اس کی صاف دلی نے ان کی ریاکاری کو فاش کر دیا اور اس کے طریق استدلال کی راستی نے ہر نیزہ کو جو اس پر چلایا جاتا تھا مخالفوں ہی کے سینے مینجا گاڑا۔ اب جب ان کا منہ بند ہو گیا تو اس نے ان پر حملہ شروع کیا اور ان کی صداقت کی کمی بلکہ نفی فاش کر کے تمام حاضرین کے روبرو ان کو ایسا شرمندہ کیا کہ وہ پانی پانی ہو گئے اور پھر اس کی زبان سے وہ غضب آمیز اور دہشت انگیز الفاظ نکلے جو متی کے تیئسویں 23 باب میں مرقوم ہیں جن سے ان کے عیوب جن پر اب تک خاموشی کا پردہ پڑا تھا صاف طور پر ظاہر ہو گئے اور عادات و حرکات پر سے وہ پوست اتا رڈالا گیا جس نے ان کی ریا کار طبیعت کو بالکل چھپا رکھا تھا اور ایسے کلمات ان کے حق میں کئے جو بجلی کی طرح ان پر گرے اور ان کو نہ صرف اس وقت سب لوگوں کے سامنے شرمندہ کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے ان پر شرمندگی کی مہر لگا دی۔

لیکن ان باتوں کے سبب سے ناچاقی اور بھی بڑھ گئی کیونکہ یہ لوگ ملک کے سردار اور رقوم کے رہبر سمجھے جاتے تھے پس ہزارہا آدمیوں کے سامنے عجز اور شرمندگی کے پنجہ میں گرفتار ہونا ان کے لئے بڑی حقارت کا موجب تھا۔ سو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ گستاخیال ہماری برداشت سے باہر ہیں۔ اور جب تک ان کا بدلہ نہ لے لیں گے تب تک ہم بھی آرام کی نیند نہ سوئیں گے پس سنہیڈریم کے شرکاء طیش میں آکر اسی شام کو فراہم ہوئے اور اس غرض سے فراہم ہوئے کہ اس کے نام و نشان کو صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کی تدبیر نکالیں۔ ممکن ہے کہ نیکدیمس یا ارمتیا کے یوسف نے ان کی حاسدانہ اور مجنونانہ کاروائی کو دیکھ کر کچھ مخالفت کی ہو مگر انہوں نے ان کو بھی دھمکا کر خاموش کر دیا اور پھر بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ قرین مصلحت یہی ہے کہ یسوع جان سے مارا جائے۔ اب وہ چاہتے تھے کہ یہ فیصلہ جس قدر جلد ہو سکے عمل میں آئے مگر موقع اس خواہش کے برخلاف تھا کیونکہ کم ازکم مقرری دستوروں اور قانون کی پیروی کرنا ان پر لازم تھا۔ ماسوائے اس کے تمام اجنبی جو اس وقت یروشیلم میں آئے ہوئے تھے یسوع کو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے پس ان سرداروں کو اندیشہ دامن گیر ہوا کہ اگر ہم نے اسے ان لوگوں کے روبرو گرفتار کیا تو کیا جانے کیا ہو جائے۔ لہذا مناسب ہے کہ جب تک مسافر شہر میں ہیں تب تک اس کو کچھ نہ کہا جائے لیکن ابھی وہ اس بات کا فیصلہ کرنے نہیں پائے تھے کہ ایک ایسا واقعہ سرزد ہوا جس کی توقع ان کو ہرگز ہرگز نہ تھی اور جس نے ان کے دلوں کو شاد کر دیا وہ عجیب واقعہ یہ تھا کہ اسی کے شاگردوں میں سے ایک نے ان سے رشوت لے کر اسے پکڑوانے کا وعدہ کیا۔

یہوداہ اسکریوطی وہ نام ہے جس سے ہرکس و ناکس واقف ہے۔ مشہورو معروف شاعر ڈانٹے نے اپنی کتاب "دوزخ کی رویا" میں اس شخص کو تمام مردود اورسزا یافتہ اشخاص کے درمیان سب سے نیچی اورادنے جگہ دی ہے اورا س طرح ظاہرکیا ہے کہ گویا وہی اکیلا اس سزامیں حصہ دار ہے جو خدا کی طرف سے ابلیس لعین پر نازل ہوئی ہے اورجو فتوے اس شاعر نے اس پر لگا یا ہے وہی تمام بنی آدم اس ہر لگاتے ہیں۔ پھر بھی یہ کہنا بیجا نہیں کہ وہ ایسا شرارت کا پتلا نہ تھا کہ اس کی کاروائی سمجھ میں نہ آئے یا اس کے ساتھ ذرا بھی ہمدردی نہ کی جائے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس کا گر جانے کا افسوس ناک قصہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اس نے بھی دوسرے رسولوں کی طرح اسی امید سے اس کی شاگردی اختیا رکی تھی کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب مجھے ایک بڑی ملکی تحریک مینشامل ہونے کافخر حاصل ہوگا او ر فتح کے بعد ،مسیح کی دنیوی بادشاہی میں مجھے ایک اعلےٰ منصب عطا کیا جائے گا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگرم اس میں سے پہلے کسی طرح کا جوش اورمحبت کا کوئی اظہاردکھائی نہ دیتا تو شاید مسیح اسے رسولوں کے زمرے میں داخل نہ کرتا۔ رسولوں کی جماعت میں وہی ایک ایسا شخص تھا جس کے ہاتھ میں روپوں کی تھیلی رہاکرتی تھی اوراس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ وہ نہایت پھرتیلا اورانتظامی معاملات میں صاحب لیاقت آدمی تھا پراس کی خصلت کی جڑمیں وہ گھن لگا ہوا تھا جس نے رفتہ رفتہ ان تمام اچھی صفتوں کو جو اس میں پائی جاتی تھیں کھا لیا اورآخر کارایک ہولناک جذبے کی صورت اختیارکی۔ یہ کیڑاوہی تھا جسے زرکی دوستی کہتے ہیں۔ اس نے اس کیڑے کو محبت سے پالا۔ چنانچہ شروع میں اس نے اس خیرات میں سے جو یسوع کو اس کے شاگردوں کے لئے یا ان غریبوں کی مدد کے واسطے جن سے وہ ہر روزگھرا رہتا تھادی جاتی تھی۔ تھوڑاتھوڑا چرانا شروع کیا اوریہ امید رکھی کہ جب میں نئی بادشاہی میں شاہی خزانوں کا نگران مقررکیا جاؤنگا تو دل کھول کر زرپرستی کی پیاس بجھاؤں گا۔ اب اس میں شک نہیں کہ ابتدا میں دوسرے رسولوں کے خیالات بھی اسی قسم کے دینوی تھے لیکن ان کے اورا س شخص کے حال میں زمین وآسمان کا فرق تھا۔ وہ تو ہردم روحانی بنتے جاتے تھے مگر یہ ہر گھڑی دینوی مزاج میں ترقی کرتا جاتا تھا مسیح کی حین حیات میں تو بے شک باقی رسول بھی کبھی اس منزل تک نہ پہنچے کہ روحانی بادشاہی کو زمینی بادشاہی سے بالکل جدا سمجھتے مگرباوجود اس نقص کے جوکچھ ان کے استا د سے بالکل جدا سمجھتے مگرباوجود اس نقص کے جوکچھ ان کے استاد نے روحانیت کی بابت سکھایا وہ ان کے دل مینگھر کر گیا اوررفتہ رفتہ اس قدرنگل گئے یا یوں کہیں کہ دنیاداری کے خیالات کو روحانی تصورا ت بالکل نگل گئے یا یوں کہیں دنیوی بادشاہی کے خیال کا ایک چھلکا سا باقی رہ گیا اوروہ بھی جب وقت آیا تو بھوسے کی

طرح اڑگیا مگر یہوداہ اسکریوطی کے خیالات دن بدن دنیاداری میں بڑھتے گئے اوراپنی خواہش کے سبب سے بے چین ہونے لگا کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ میری خواہش ایک دم میں پوری ہو جائے۔ منادی کرنا اورشفا بخشنا اس کے نزدیک صرف وقت ضائع کرنا تھا اوراسی طرح یسوع کی پاکیزگی اوراس کا دنیا وی عزت، وحرمت سے بے پرواہ ہونا یہوداہ کی جان کا وبال تھا وہ کہتا تھا کہ یسوع اپنی بادشاہی کو پہلے قائم کیوں نہیں کرلیتا۔ اس کے بعد جتنی منادی کرنا چاہے کرے۔ جب اس نے دیکھا کہ جس بادشاہی کی میں توقع کئے بیٹھا ہوں وہ کبھی وجود میں نہیں آئے گی تو اس نے اپنے دل میں کہا کہ میں نے بڑا دھوکا کھایا اورجب یہ خیال اس کے دل میں جم گیا تووہ نہ صرف اپنے استاد کو نظر حقارت سے دیکھنے لگا بلکہ اس سے متنفر بھی ہوگیا اورپھر جب اس نے اتوار کے روز جب کہ لوگ کھجور کی ڈالیا نبچھاتے اورہلاتے تھے یہ دیکھا کہ یسوع ان لوگوں کی تیاری سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا نا چاہتا تو اس کی رہی سہی امید بھی جاتی رہی اوراس نے سوچا کہ اب یسوع ناصری کی پیروی کرنا بالکل فضول ہے پس اس نے اپنے دل میں کہا کہ اب تو جہاز غرق ہونے پر ہے میں کیوں مفت میں اپنی جان کھوؤں۔ بہتر ہے کہ اس کشتی سے کودکر سلامتی کے کنارے پر پہنچ جاؤں اوراس کے ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اب مجھے رسولوں کے زمرے سے نکلنا تو ہے ہی ایسے طورپر کیوں نہ نکلوں کہ ایک پنتھ دو کاج کی مثل میرے حق میں پوری ہو۔ پس کوئی ایسا طریقہ اختیارکروں کہ جیب بھی گرم ہو اوریہودی سردار بھی احسان مند ہو جائیں۔ ان نالائق خیالات نے اس کو ایسا اندھا کر دیا کہ وہ یہودی حکام کے پاس حاضر ہوا اورایسے موقع پر حاضر ہوا جبکہ اس کی مدد کی ان کو اشد ضرورت تھی۔ پس انہوں نے اس کی مد د کو غنیمت سمجھا اوردام ٹھہراکر اسے روانہ کر دیا اور کہا کہ جب اچھا موقعہ ہاتھ آئے تو ہمیں خبر دنیا۔ جس جلدی سے اس نے اپنے مناسب کام کو پورا کیا انہیں اس کی امید بھی نہ تھی چنا نچہ جس رات یہ لعنتی سودا کیا گیا اس سے دوسری رات اس نے اپنے مہربان اورمحسن نجات دہندے اوراستاد کو ظالموں کے سپرد کیا۔

سیدنا مسیح اور موت۔ اس ہفتہ میں موت اپنا منہ کھولے یسوع کے سامنے کھڑی تھی اورجو حالت اس کی اس وقت تھی اس کی یاد بڑھ کر اورکوئی بیش بہا ہمارے پاس موجود نہیں۔ یوں تو ہر وقت اس کی جلیل اورجمیل سیرت اپنا جلوہ دکھاتی رہتی تھی مگر اس ناقابل برداشت مصیبت کے دنوں میں جو شوکت اورعظمت نمایاں ہوئی اس کا بیان انسان بالکل نہیں کر سکتا۔ اتنا کہنا کافی ہے کہ اس قلیل عرصہ میں اس کی سیرت کی سب سے شان داراورنہایت ملائم خاصیتں اورا س کی انسانی اورالہٰی ذات کی بے نظیر خوبیاں روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئیں۔

یروشلیم میں آنے سے کہیں پہلے اس کو معلوم تھا کہ میں وہاں جان سے مارا جاؤں گا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ایک سال سے یہ کانٹا اس کے دل میں کھٹک رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ میرے باپ کی یہی مرضی ہے کہ میں اسی طرح اس دنیا سے کوچ کرؤں اور جب وقت آیا تو اس نے ایک بے مثال دلیری اور ہمت سے مقتل کی طرف قدم اٹھایا مگر بڑی جدوجہد کے ساتھ طرح طرح کے خیالات اس کے دل میں پیدا ہوتا تھا کبھی دیر تک دریائے فکر میں ڈوبا رہتا تھا کبھی فتح مندی کی خوشی اور سلامتی کے خیال سے بھرجاتا تھا۔غرض یہ کہ مختلف قسم کے خیالات اس کے دل میں سمندر کے مدوّجزر کی طرح موجزن ہو رہے تھے۔

بعض لوگ ڈرتے ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہتے کہ جس طرح عام انسان موت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اسی طرح وہ بھی اس سے دور رہنا چاہتا تھا پر وہ اپنے ڈر کی معقول وجہ پیش نہیں کرتے۔ہم یاد رکھیں کہ یہ احساس قدرتی ہے اور بالکل اپنی ذات میں بے بد ہے اور تعجب نہیں کہ اس میں یہ احساس ہماری نسبت زیادہ پایا جاتا ہو کیونکہ اسکا جسم بالکل پاک تھا اور یہ بھی یاد رکھنا چاہے کہ وہ اس وقت نوجوانی کی حالت میں تھا۔یہ اس کی عمر کا تنتیسواں سال تھا۔زندگی کی دھاڑ بڑے زرو شور سے بہ رہی تھی اور تمام حسات کی طاقت سرسبز تھی۔پس جوانی کی طاقتوں کا جو سیل رواں کی طرح بہ رہی تھی یک بیک سوکھ جانا اور نخل زندگانی کا مرجھا جانا بے شک اس کو ناگوار گذار ہو گا۔اسی دور کو ایک واقعہ نے جو پیر کے روز سرزد ہوا،اس کے دل میں شدت سے پیدا کردیا۔چنانچہ چند یونانیوں نے اس کے دو شاگردوں کے پاس آکر کہا کہ ہم یسوع کو دیکھنا چاہتے ہیں۔اس زمانے میں کئی بت پرست لوگوں نے جو یونانی عملداری میں رہا کرتے تھے اپنے زمانے کی بیدنیی اور بد اخلاقی سے تنگ آکر یہودیوں کے مذہب میں پناہ پائی تھی جو ان کے درمیان مقیم تھے اور یہواہ کی پرستش اختیار کی تھی۔یہ یونانی جو یسوع کو دیکھنا چاہتے تھے اسی قسم کے لوگوں میں سے تھے مگر ان کی درخواست نے اس کے دل میں وہ خیال پیدا کئے جن کا خواب بھی ان کو کبھی نہیں آیا تھا۔مسیح کو فقط دو یا تین مرتبہ ان لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا، وہ فلسطین کے اردگرد کے ملکوں میں رہتے تھے مسیح صرف اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے لئے آیا تھا مگر جب اسے ایسے لوگوں کے ساتھ ملاقات کرنے کا موقعہ ملا اس نے ان میں ایسا ایمان اور ایسی شرافت پائی کہ کئی موقعوں پر اس نے خود یہودیوں کی بے اعتقادی اور بے ادبی اور کمنیگی سے ان کا مقابلہ کیا۔اب یہ خیال بار بار اس کے دل میں آتا ہوگا کہ کاش میں فلسطین کی حدود کو چھوڑ کر ان قوموں سے جاہلوں جن کی طبیعت ایسی سادہ اور ایسی فیاض ہے۔اس کی آنکھوں کے سامنے بارہا اس کے کام کے متعلق ایسے نظارے آئے ہوں گے جیسے بعد میں پولوس کو نصیب ہوئے جس نے جابجا مسیح کے نام کی

منادی کی اوراتیھنز اورروم اوردیگر بڑے بڑے مغربی مرکزوں میں جا کر انجیل سنائی۔اگر مسیح بھی اسی طرح کام کرتا تو اس کو کیسی خوشی حاصل ہو تی۔کیونکہ اس کے اندر قدرت کی ندیاں جاری اور رحمت کا دریا موجزن تھا اوریہ صفیتں اس قسم کے کام سے خاص مناسبت رکھتی ہیں پر موت امیدوں کے چراغ کو بجھانے کے لئے سامنے کھڑی تھی۔پس ان یونانیوں کی ملاقات نے ایسے خیالات کا سلسلہ برپا کر دیا کہ ان کی درخواست کا جواب دینے کے عوض وہ رنج کے بھنور میں پڑگیا۔چہرے پر اداسی چھا گئی اورتمام بدن اندرونی جدّو جہد کے سبب کانپ اٹھا مگر یہ غمناک حالت فوراًکا فورہو گئی اوراس نے ان خیالات کو ظاہر کیا جن کے وسیلے سے ان دنوں اپنی روح کو مضبوط کیا کرتا تھا۔وہ خیالات ان الفاظ میں قلمبند ہیں۔جب تک گیہوں کا دانہ زمین میں گر کر مر نہیں جاتا اکیلا رہتا ہے لیکن جب مر جاتا ہے تو بہت سا پھل لاتا ہے اورمیں اگر زمین سے اونچے پر چڑھایا جاؤں گا تو سب کو اپنے پاس کھینچ لونگا"۔ان کلمات مبارک کا کیا مطلب ہے ؟ کیا ان کا یہ مطلب نہیں کہ اگرچہ موت اس کو بڑی بھیانک معلوم ہوتی تھی تو بھی اس کی حقیقت شناس آنکھ اس کے پرے تک دیکھتی تھی اوروہ جانتا تھا کہ اگر میں شخصی طورپر غیر قوموں میں جا کر کام کرتا تو اس کا اثر اورنتیجہ ایسا عظیم اوروسیع نہ ہوتا جیسا اب میری قربانی سے پیدا ہوگا لیکن ان تمام خیالات کے علاوہ ایک اورخیال اس کے دل میں موجود تھا جو ان سب پر حاوی تھا۔چنانچہ وہ سوچتا تھا کہ یہی موت تو وہ موت ہے جو میرے باپ نے میرے لئے مقررکی ہے۔یہ خیال تمام تسلی کی جڑ اوراطمینان کا منبع تھا اوراسی سے وہ اپنی خاکسار اور پر توکل روح کی تشفی اس قسم کے مشکل وقتوں میں کیا کرتا تھا۔"اب میری جان گھبراتی ہے پس میں کیا کہوں ؟اے باپ مجھے اس گھڑی سے بچا۔لیکن میں اسی سبب سے تو اس گھڑی کو پہنچا ہوں۔اے باپ !اپنے نام کو جلال دے"۔

ہم یہ بھی یادرکھیں کہ موت اس کے پاس اکیلی نہیں آئی بلکہ ہر طرح کے دہشت ناک معاونوں کو اپنے ساتھ لے کر آئی یا یوں کہیں کہ کئی واقعات اس کی موت کے ساتھ ایسے وابستہ تھے جنہوں نے اس کے پیالے کو اوربھی تلخ کر دیا۔ان میں سے ایک یہ تھا کہ اسے اپنے ہی شاگرد کے فریب کا نشانہ بننا پڑا جسے اس نے چن کر اپنے آغوش محبت میں جگہ دی تھی اورپھر دیکھئے کہ کوئی غیر قوم اس کی جان کے درپے نہ تھی بلکہ اسی کی قوم اس کے خون کی پیاسی تھی اوروہی شہر اس کا مقتل بنا جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز جانتا تھا۔وہ تو اس لئے آیا تھا کہ اپنی قوم کو عرش تک پہنچائے اوراسے دل و جان سے پیارکرتا تھا کیونکہ اس کے تمام حالات سے پوری پوری واقفیت رکھتا تھا اوران لوگوں کو خوب جانتا تھا جو اس کی مانند اس سے پہلے اس کو پیارکرتے کرتے

گزرگئے تھے اورا سے یہ بھی معلوم تھا کہ میں اس کے لئے کیا کچھ کرسکتا ہوں اوریہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں ماراگیا تو فلسطین اوریروشلیم پر ہزارہا قسم کی لعنتیں نازل ہوں گی۔متی کی انجیل کے چوبیسویں باب میں وہ الفاظ قلمبند ہیں جو اس نے منگل کی شام کو اپنے شاگردوں کے روبرو اس وقت بیان فرمائے جس وقت وہ کوہ زتیون پر بیٹھے تھے اوروہ شہر جس پر قہر الٰہی نازل ہونے والا تھا ان کے سامنے تھا۔ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے ان واقعات کو جو یروشلیم پر حادث ہونے کو تھے بڑی صفائی سے دیکھا۔اگر ہم اس کے غم کا اندازہ لگانا چاہیں تو ان کلمات کی طرف متوجہ ہوں جو اس کے لبوں سے اتوار کے روز نکلے۔وہ وقت اس کی فتمندی کا وقت تھا۔جو لوگ خوشی سے معمور تھے اس کو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے آگے لئے جاتے تھے مگر جب وہ اس مقام پر پہنچا جہاں یروشلیم یک بیک اس کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہوا تو وہاں ٹھہر گیا اورنہایت گریہ و زاری کے ساتھ ان حوادث کی جو اس پر نازل ہونے والے تھے نبوت کرنے لگا۔لازم تو یہ تھا کہ وہ دن یروشلیم کی شادی کا دن ہوتا ،ہاں اس دن خدا کے بیٹے کے ساتھ شادی کر کے اس بستی کو جشن منانا چاہیے تھا مگر جشن کہاں ؟ وہاں تو وہ زردی تو وہ زردی اورسردی یروشلیم کے منہ پر چھائی ہوئی تھی جو موت کے وقت مرنے والوں کے چہروں پر نمودار ہوتی ہے۔پس وہ اپنے بچوں کو اپنے پروں تلے چھپاتی ہے اسی طرح اس کو اپنی رحمت کے سائے تلے لینے کو آمادہ تھا۔اب دیکھتا ہے کہ زاغ وزعن ہوا میں اڑرہے ہیں اورمنتظر ہیں کہ اس کے گوشت وپوست کو نوچ کر کھا جائیں۔

اس ہفتے میں وہ ہر روز شام کے وقت بیت عنیا کو لوٹ جاتا تھا پر کبھی لمبی تان کر نہینسوتا تھا۔اغلب ہے کہ اس نے اپنی کئی راتیں اس ہفتے میں تنہا جاگ جاگ کر کاٹیں۔غالباًوہ اکیلا پہاڑ کی غیرآباد چوٹی پر جایا کرتا تھا یا ان زتیون کے درختوں اورباغوں میں جو پہاڑ کے پہلوؤں میں لہلہاتے تھے جاکر اپنا وقت کاٹا کرتا تھا اورناممکن نہیں کہ بارہااس سڑک پر بھی جاتا ہوگا جس پر سے اتوار کے روز جلوس گزرا تھا اورجب چلتے چلتے اس موقع پر پہنچتا ہوگا جہاں ایک دفعہ پہلے ٹھہرا تھا تو وادی میں سے شہر یروشلیم کو دیکھتا ہوگا جس کے رہنے والے رات کی خاموشی اورچاند کی روشنی میں نیند کے مزے لیتے تھے اورا سے دیکھ کر ایسے جگر فگار نالے بلند کرتا ہوگا جو اس نوحے سے بھی جس نے اتوار کے روز لوگوں کے دل ہلادئے کہیں زیادہ درد انگیز ہوتے ہوں گے اورکئی بارا رات کی تنہائی میں اپنے دل کو وہی صداقت آمیز باتیں سناتا ہوگا جو اس نے یونانیوں کے سامنے بیان فرمائیں۔

اس وقت وہ بالکل اکیلا تھا ،ایسا کہ اس کی غم ناک تنہائی کو دیکھ کر دل پاش پاش ہو جا تا ہے۔ساری دنیا اس کی مخالفت پر تلی کھڑی تھی یروشلیم کے لوگ حسد کے مارے اس کی جان کے خواہاں تھے اوربا ہر سے آئے تھے وہ بھی مایوس ہو کر روگرداں ہو گئے تھے او رنہ کوئی اس کے رسولوں میں ایسا تھا جو ا س کی درد ناک حالت سے بخوبی واقف ہوتا اوراسے اپنا ہم رازبناتا۔یوحنا سے بھی اس بات کی توقع نہ تھی اس ہو لناک تنہائی نے اس کے تلخ پیالے کو اوربھی کڑوا بنا دیا اوراس نے محسوس کیا کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ میں مرنے کے بعد بھی جیتا رہوں۔اس نے دیکھا کہ جو بادشاہی میں قائم کرنے آیا ہوناوراسے فنا نہیں ہونا چاہیے وہ تو تمام دنیا کے لئے ہے او راسے تمام پشتوں اورزمانوں میں قائم رہنا اوردنیا کے ہر حصے میں پھیلنا ہے مگر میرے مرنے کے بعد یہ کام میرے رسولوں کے ہاتھ میں آئے گا جواب اپنے تئیں ایسے کم درد اوربے درد اوربے علم ظاہر کر رہے ہیں۔کیا وہ اس کا م کے لائق ہیں کیا ان میں سے بھی ایک دشمن نہیں نکلا ؟کیا میرے پیچھے میرا کام (شاید شیطان نے بھی اس کو اسی طرح کہہ کر آزمایا) تباہ نہیں ہو جائے گا اورمیری وہ تمام تدبیریں جو دنیا کی اصلاح کے لئے کی گئی ہیں کا فورنہیں ہوجائیں گی ؟

لیکن وہ حقیقت میں اکیلا نہ تھا وہ درختوں کے گھنے سائے میں جا کر اورکوہ زتیون کی چوٹیوں پر چڑھ کر اس کے زوال تسلی کو ڈھونڈتا تھا جوا سے ان دنوں میسر تھی اوروہی تسلی اس کو بے بیان فکر کے وقت کثرت سے حاصل ہوئی۔اس کا باپ اسکے ساتھ تھا۔پس جب اس نے رو روکر اورآنسو بہا بہا کر دعا مانگی تو اس کی سنی گئی کیونکہ وہ خدا سے ڈرتا تھا۔اس نے اپنی روح کی بے چینی کو اس خیال کے وسیلے سے دورکیا کہ جوکچھ مجھ پر بیت رہا ہے اسے باپ کی حکمت اورمحبت نے بھیجا ہے اورمیں اپنے باپ کا جلال ظاہر کرتا ہوں اوروہ کام کر رہا ہوں جو اس نے میرے سپرد کیا ہے۔اس خیال کے وسیلے سے وہ ہر طرح کے خوف کو دوراوراپنے دل کو ایک بے بیان اورپر جلال خوشی سے معمورکرسکتا تھا۔

آخر کا رخاتمہ کا وقت آپہنچا یعنی جمعرات کی وہ شام آگئی جبکہ یروشلیم کے ہر گھر میں فسح کھا یا جاتا تھا۔یسوع بھی اپنے بارہ رسولوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھا۔وہ جانتا تھا کہ اس دنیا میں یہ میری آخری رات اورمیرے دوستوں کے ساتھ یہ میری آخری ملاقات ہے۔ہماری خوش قسمتی سے اس وقت اورموقع کا مفصل حال ہمارے پاس موجود ہے جس سے ہر مسیحی کم وبیش واقف ہے یہ وقت اس کی زندگی میں ایک عظیم الشان وقت تھا اس کی روح ایک بے بیان محبت اورجلال سے معمور تھی۔البتہ شام کے شروع میں غم کے بادل نے اپنی تاریکی کا کچھ کچھ سایہ اس پر ڈالا تھا ،مگر اب وہ بالکل غائب ہو گیا تھا۔چنانچہ جب اس نے

شاگردوں کے پاؤں دھوئے ،فسح کھایا ،عشائے ربانی کی رسم مقرر کی ،آخری تقریریں بیان فرمائیں اورسردار کاہن ہونے کی حیثیت سے سفارسی دعا مانگی تو اس کی سیرت کی جلالی شوکت تمام کمال کے ساتھ جلوہ نما ہوئی۔وہ اس وقت ان خیالوں میں محو تھا جودوستی سے تعلقل رکھتے ہیں۔چنانچہ وہ "محبت جس سے وہ اپنوں کو پیارکرتا تھا" دریا کی طرح جاری تھی اورایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ اپنے شاگردوں کے تمام نقصوں کو بھول گیا ہے۔اوران کی کامیابی اورفتح مندی کی پیش بینی سے شاداں ہورہا ہے۔کوئی خیال ایسا نہ تھا جو اس کے باپ کے چہرے کو اس سے چھپاتا۔کوئی بات ایسی نہ تھی اس کے دل سے دورکرتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہر طرح کا دکھ اورغم بالکل دورہوگیا ہے اورا س کی سرفرازی کا جلال اس کو چاروں اطراف سے۔گھیر رہا ہے۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد غم اوردکھ کی حالت نے پھر عود کیا۔فسح کھانے کے بعد کوئی آدھی رات کے قریب وہ اوراس کے شاگرد بازارسے گزرکر مشرقی دروازے پر پہنچے اوراس دروازے سے شہر کے باہر نکل کر اور کدرون کے نالے کو عبورکر کے اس جگہ گئے جہاں وہ اکثر جایا کرتا تھا۔یہ جگہ کوہ زتیوں کے دامن میں واقع تھی اورگتسمنی کا باغ کہلاتی تھی۔وہاں وہ جانکا ہ اوردہشت انگیز جان کنی واقع ہوئی جس کی یاد کبھی دنیا سے نہیں کٹے گی۔یہ اس گہری غمگینی کا جو تمام ہفتہ بھراس شادمانی سے لڑتی رہی جس کا اعلیٰ نظارہ فسح کے وقت جلوہ گر ہوا ایک آخری حملہ تھا یا یوں کہیں یہ جان کنی ان آزمائشوں کا آخری دھاوا تھا جن سے اس کی زندگی کبھی آزادنہ نہ تھی۔لیکن ہم اس نظارے کی تشریح نہیں کر سکتے کیونکہ ہم اس ک نسبت خواہ کہتا ہی لکھیں اس کا گہرا مطلب پورے طورپر بیان نہیں کرسکتے مثلاًہم کس طرح دنیا کی گناہ کے بوجھ کی جو اس وقت اس پر آگرا تھا اورجو اس کی جان کنی میں سب سے بڑا عنصر تھا اورجس کا کفارہ وہ دے رہا تھا تشریح کر سکتے ہیں۔

لیکن یہ جان کنی کامل فتح میں تبدیل ہو گئی۔اس کے شاگردوں نے تو ان گھنٹوں کو سوارکر ضائع کیا جن میں ان کو اس نازک وقت کے لئے تیارہونا چاہیے تھا جو تھوڑی دیر کے بعد آنے والا تھا مگر اس نے انہی گھنٹوں میں اپنے آپ کو تیارکر لیا۔آزمائش کے آخری حملے پر بھی فتح پائی پس موت کی تلخی دورہو گئی اوراب وہ بالکل تیار تھا کہ ان دکھوں میں سے گذرے جو تھوڑی دیر کے بعد آنے والے تھے اورایسے اطمینا ن اورجلال کے ساتھ گذرے کہ اس کا دکھ اورصلیب دونوں بنی آدم کے لئے فخر کا باعث ہوں۔

پیشی۔ اس باطنی جدوجہد پر فتح پائے، بہت دیر نہ ہوئی تھی کہ اس نے زتیون کے درختوں میں سے اپنے دشمنوں کو جو آرہے تھے، چاند کی روشنی میں دیکھا۔ وہ اسے پکڑنے کے لئے آئے تھے اوران کا پیشوا یہوداہ اسکریوطی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یسوع اکثر اسی جگہ آرام کیا کرتا ہے اور سوچتا تھا کہ میں اسے وقت سوتا پاؤں گا۔ یہی سبب تھا کہ اس نے یسوع کے پکڑوانے کے لئے آدھی رات کا وقت پسند کیا۔ یہودی سرداروں کے نزدیک بھی یہی وقت زیادہ موزوں تھا کیونکہ وہ ان گلیلیوں کے مزاج کو خواب جانتے تھے جو اس وقت شہر میں آئے ہوئے تھے کہ اگر صبح ہونے سے پہلے پہلے یسوع گرفتار ہو جائے اوراس پر قوم اور حاکم کی طرف سے سزا کا فتوےٰ لگ جائے تو پھر کسی طرح کا خوف نہ رہے گا کیونکہ اس وقت ہم اسے ایسے مجرم کی صورت میں لوگوں کے سامنے پیش کریں گے جو ازروئے قانون سزا کے لائق سمجھا گیا ہے۔ یہ لوگ اپنے ساتھ لالٹینیں اور مشعلیں لائے کیونکہ ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی غار میں گھس جائے یا ہمیں جنگل میں اس کا پیچھا کرنا پڑے۔ مگر ان کا یہ خیال غلط تھا کیونکہ جب وہ باغ کے دروازے پر پہنچا تو یسوع خود بخود ان کے پاس آیا اوراس وقت اس کی پر جلال اور پر شوکت حضوری نے اس کے مخالفوں پر ایسا اثر کیا کہ وہ لڑکھڑاکر گر پڑے۔ اس کے بعد اس نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کیا او روہ اسے شہر کی طرف لے گئے۔ رات کا باقی حصہ اور صبح کا وقت ان قانونی رسوم کے ادا کرنے میں کٹا جن کا بجانا لانا لازمی امر تھا۔ یسوع کے مخالف جانتے تھے کہ جب تک یہ قانونی منزلیں طے نہ ہوں تب تک وہ جان سے نہیں مارا جاسکتا۔

مسیح کی پیشی دو عدالتوں میں ہوئی۔ ان میں سے ایک دینی اوردوسری سرکاری تھی اور ہر ایک کی تین تین منزلیں تھیں۔ پہلی پیشی، پہلے حناؔ کے، پھر کائفا کے اورپھر سنہیڈرم کے سامنے ہوئی سنہیڈریم کے سامنے وہ دو مرتبہ آیا۔ ایک دفعہ اس وقت جبکہ ممبران سنہیڈرم مقررہ باقاعدے طورپر فراہم ہوگئی تھی۔ سرکاری پیشی پہلے پلاطوس کے ہیرودیس کے اورپھر دوبارہ پلاطوس کے سامنے ہوئی۔

اگر پوچھا جائے کہ ان دوہری دوہری پیشوں کا کیا سبب تھا تو اس کا یہ جواب ہے کہ اس دوہری پیشی کا باعث ملک کی پولٹیکل حالت تھی ہم کئی بار بتا چکے ہیں کہ یہودیہ رومیوں کے قبضے میں تھا اوراس رومی صوبہ کا حصہ سمجھا جاتا تھا جو سریایاارام کہلاتا تھا اس کا رومی حاکم قیصریہ میں رہا کرتا تھا۔ مگر رومیونں کا یہ معمول تھا کہ جن ممالک کو اپنے قبضے میں لاتے تھے انہیں ان کے طرزحکومت سے بالکل محروم نہیں کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ لوہے کے عصا سے حکمرانی کیا کرتے تھے۔ محصول اورجزیہ بڑی سختی سے لیتے تھے۔ بغاوت کو فوراً اپنے زرو آور بازو سے دورکر دیتے تھے اوربڑے بڑے موقعوں پر اپنے اختیار اورحکومت کا

سکہ جمانے سے باز نہیں آتے تھے مگر باوجود اس سختی اور تحکم کے اپنی مفتوحہ قوموں کو ایسے ایسے قومی دستور جاری رکھنے کی اجازت دیتے تھے جو ان کے شاہانہ اختیار اور دبدبے میں کس طرح کی خلل اندازی نہیں کرتے تھے خصوصاً مذہبی معاملات میں تو یہ آزادی سب کو دی جاتی تھی۔ پس سنہیڈرم کو جو یہودیوں کے مذہبی مقامات کی ایک اعلیٰ کچہری تھی اب تک دینی معاملات کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا مگر جب جائے تو اس مجرم کو قیصریہ بھیجنا پڑتا تھا تاکہ اس کے جرم پر پہلے رومی حاکم غور کرے اور اگر وہ بھی سنہیڈرن کے فیصلے کی تائید کرتا تھا تو مجرم جان سے مارا جاتا تھا ورنہ بری ہو جاتا تھا پر اگر رومی حاکم ایسے موقع پر یروشلیم میں حاضر ہوتا تھا تو مجرم کو قیصریہ نہیں جاتا پڑتا تھا۔ اب چونکہ وہ جرم جو مسیح پر لگایا گیا دینی تھا اس لئے اسے یہودیوں کی دینی کچہری میں لانا پڑا اور جو فتوے سنہیڈرم نے اس پر لگایا وہ یہی تھا کہ وہ جان سے مارا جائے مگر رومی قانوں کے مطابق سنہیڈرم کو یہ طاقت حاصل نہ تھی کہ اپنے فتوے کو آپ عمل میں لائے پس ضرور تھا کہ وہ پہلے رومی حاکم کے حضور بھیجا جائے جو اس وقت یروشلیم میں حاضر تھا کیونکہ فسح کی تقریب پر وہ ہمیشہ یروشلیم میں آجاتا تھا اب ہم ان جان گذار واقعات کا جو ان پیشوئسے وابستہ ہیں کچھ مفصل حال بیان کریں گے۔

مسیح کے دشمن پہلے اس کو حنا کے محل میں لے گئے۔ یہ پیر فرتوت اس وقت اسی سال کا تھا اور بیس برس تک سردار کاہن رہ چکا تھا۔ اگرچہ وہ کہانت کے عہدے پر مامور نہ تھا تو بھی لوگ اس کو سردار کاہن ہی کہا کرتے تھے اور اس کے پانچ بیٹے بھی اسی لقب سے ملقب تھے حالانکہ ان میں سے کوئی اس وقت اس عہدے پر مامور نہ تھا۔ اس وقت جو شخص اس رتبہ پر ممتاز تھا وہ کائفا کا داماد تھا۔ حنا بسیب اپنی پیری اور لیاقت اور خاندانی مقدرت کے بڑے بزرگ سمجھا جاتا تھا اور گو وہ اس وقت انتظامی طور پر تو سنہیڈرم کا میر مجلس نہ تھا تو بھی حقیقت میں کرسی نشین ہونے کی عزت اس کو دی جاتی تھی مگر اس نے مسیح کے معاملے میں کوئی رائے نہ دی۔ وہ صرف اسے دیکھنا اور چند سوالات پوچھنا چاہتا تھا۔ پس تھوڑی دیر کے بعد اس نے اسے کائفا کے پاس بھیج دیا۔ کائفا کا محل سے غالباً بہت دور نہ تھا، بلکہ اسی قطار میں واقع تھا جس میں یہودی عہددار رہا کرتے تھے۔ کائفا سردار کاہن تھا اور سردار کاہن ہونے کے سبب سے اس سنہیڈرم کی میٹنگ ازروے قانون طلوع آفتاب سے پہلے منعقد نہیں ہو سکتی تھی مگر یہ لوگ مخالفت کے سبب سے ایسے اندھے ہو رہے تھے کہ جتنے اس جگہ اس وقت موجود تھے وہ سب ایک جا فراہم ہو گئے تاکہ صبح سے پہلے پہلے قرارداد جرم تیار کریں اور مسیح کے برخلاف اس کے مدعیوں کی گواہی جمع کریں۔ مطلب یہ تھا کہ دن چڑھے پر ان لوگوں کو جو باہر

سے یروشلیم میں آئے ہوئے تھے کسی طرح کی مداخلت کا موقع نہ ملے اورجب سورج نکل آئے تو تھوڑی دیر کے لئے باقاعدہ طورپر فراہم ہوکر اس پر سزا کا فتوی لگا دیں اورپھر اسے حاکم کے پاس لے جائیں۔اسی تجویز کی پیروی کی گئی چنانچہ جس وقت یروشلیم کے باشندے لمبی تانے پڑتے تھے اس وقت یہ حسد کے پتلے اپنی سیاہ اورڈراونی تدبیروں کو پوراکرنے کے جورتوڑمیں لگے ہوئے تھے۔

اس عجیب کچہری کی بات جو بات ہماری توجہ سب سے پہلے اپنی طرف کھنیچتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس مقدمے کوکسی خاص جرم کی بنا پر شروع نہیں کرتے کیونکہ ایسا کرنا بہت ہی مشکل تھا اوراس کا باعث یہ تھا کہ ممبران سنہیڈرم میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔مسیح کی زندگی میں کئی باتیں ایسی تھیں جنہیں فریسی تو بہت برا سمجھتے تھے مگر صدوقی ان کی کچھ پرواہ نہینکیا کرتے تھے۔اسی طرح کئی ایسی باتیں بھی تھیں جن کی برداشت صدوقی نہیں کرتے تھے۔مگر فریسی ان کوا چھا جانتے تھے مثلاًمسیح کا ہیکل کو پاک وصاف کرنا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے صدوقیوں کو غیظ وغضب سے بھر دیا مگر فریسی اس سے بہت خوش ہوئے۔

کائفا نے اس کی تعلیمات اوراس کے رسولوں کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا۔غالباًاس کا مطلب یہ تھا کہ دیکھے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی ایسی تعلیم بھی پائی جاتی ہے جس سے یہ نتیجہ نکل سکے کہ وہ ملکی انتظام کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے اوراگر کوئی ایس نکتہ مل جائے تو اس کی بنا پر اسے حاکم کے سامنے پیش کر ے مگر یسوع نے اس کے سوال کا یہ جواب دیا کہ میں حفیہ نہیں دبلکہ اعلانیہ تمام دنیا کے سامنے تعلیم دیتا رہا ہوں اورمیں چاہتا ہوں کہ مجھے بتایا جائے کہ میں نے کیا قصورکیا ہے اس نے جواب کی غیرمعمولی طرزکو دیکھ کر کائفا کے کسی خوشامدی اہل کار نے اس کے رخسارپر طمانچہ مارامگران منصف مزاج حضرات نے اس نابکا رکوکچھ بھی نہ کہا۔اس ناسزاحرکت سے روشن ہے کہ وہ ان بے انصافوں سے کیسے انصاف کی توقع رکھ سکتا تھا۔اس کے بعد کوشش کی گئی کہ اس کے برخلاف گواہوں کی گواہی لی جائے اوراس سے کسی قسم کا الزام تیا رکیا جائے۔اس غرض کی انجام دہی کے لئے کئی شخص اٹھے اور کہنے لگے کہ ہم نے اس کویہ کہتے سنا ہے اوروہ کہتے سنا ہے مگراس کوشش کا نتیجہ کچھ نہ نکلا کیونکہ گواہ آپس میں متفق نہ تھے آخرکا ردوآدمی اٹھے جوایک بات پر جو اس کے کام کے آغازمیناس کی زبان سے نکلی تھی اس پر الزام لگانے لگے ،کیونکہ ان کے زعم میں وہ بڑی خراب بات تھی مگریہ الزام بھی بوسیدہ تھا اوراگر اسے حاکم کے سامنے جرم کی صورت میں پیش کرتے توان کی نادانی فاش ہوجاتی۔

اب ارادہ تو انہوں نے مصمم باندھ رکھا تھا کہ اسے جان سے مارڈالیں لیکن شکاران کے ہاتھ سے نکلا جاتا تھا اوریسوع خاموش کھڑا دیکھ رہا تھا کہ مخالفوں کی گواہیاں کس طرح ایک دوسری کی کاٹ رہی ہیں۔اس عجیب خاموشی ظاہرکر رہی تھی کہ وہ اپنے منصبوں سے نہایت بلند اوراعلیٰ ہے اوراسکے دشمن بھی اس بات کو محسوس کر رہے تھے۔پس آخر کار جب اورکچھ نہ ہوسکا تو میر مجلس بگولا ہوکر اسے بولنے کے لئے مجبور کرنے لگا۔کیا سبب تھا کہ وہ رعد کی طرح کڑکنے لگا ؟اس کا سبب یہ تھا کہ ایک طرف تووہ شرمناک نظارہ جو گواہوں کی جھوٹی گواہی سے عیاں ہورہا تھاان لوگوں کو شرمندہ کر رہا تھا اوردوسری طرف یسوع کی پرجلا ل خاموشی ان حضرات کی ضمیروں کو جوآدھی رات کے اندھیرے میں ایک بے قصورکے خون کی ادھیڑبن میں لگے ہوئے تھے ستا رہی تھی

جب مقدمہ میں کچھ جان نظر نہ آئی تو کائفا اپنی جگہ سے اٹھا اورمصنوعی سنجیدگی سے پوچھنے لگا"کیا تو خدا کا بیٹا مسیح ہے "؟۔یہ سوال یسوع پر محض جرم لگانے کی نیت سے کیا گیا تھا،لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا خداوندا جس وقت بول سکتا تھا ،اس وقت چپ رہامگر اس وقت جب کہ جپ رہ سکتا تھا بول اٹھا اوراس نے بڑی سنجیدگی سے اقرارکیا کہ میں مسیح خدا کا بیٹا ہوں۔یہ بات سن کر وہ جو اس کی عدالت کرنے بیٹھے تھے ،بہت خوش ہوئے کیونکہ یہ جواب ان کی حسب منشا تھا۔پس انہوں نے متفق ہوکر اس پر کفر کا فتوی لگایا اوراسے واجب القتل ٹھہرایا۔

ساری کاروائی جلد جلد طے کی گئی اورکسی نے ان قوانین کی پروانہ کی جو انصاف کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ان کی کا روائی کا مدعا یہ نہیں تھا کہ انصاف یا حق رسی ہو لیکن صرف یہ کہ یسوع مجرم گردانا جائے۔کیسا غضب ہے کہ جو لوگ اس کے مدعی تھے وہی اس کے منصف بھی تھے کسی نے اس سے یہ سوال نہ پوچھا کہ اے یسوع کیا تو بھی اپنے گواہ اپنی بریت کے لئے پیش کرنا چاہتا ہے ؟ہاں !اتنا اس کے مخالفوں کی تعریف میں کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ فتوٰے ایک طرح بالکل راست تھا کیونکہ کوئی انسان وہ دعوی نہیں کر سکتا جو مسیح نے کیا۔کوئی بشر اپنے آپ کو خدا نہین کہہ سکتا مگر ان کی شقاوت اوربد بختی اس میں تھی کہ انہوں نے کبھی اس کی حقیقت سے واقف ہونے کی کوشش نہ کی اورنہ کبھی رضا مندی ہی دکھائی۔ان کے دل کی آنکھوں کو خود غرضی اورتعصب نے اندھا کر دیا تھا۔پس یہ فیصلہ جو انہوں نے اس وقت کیا ایسے دل سے نکلا تھا جس کے دروازے صداقت کے برخلاف بند تھے اورجس میں عناد اورانتظام کا زہر اپنا کام کرگیا تھا۔

ان کے نزدیک پیشی کے متعلق جو کچھ ہونا چاہیے تھا وہ ہو چکا تھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ صبح کے وقت جو اجلاس حسب قاعدہ منعقد ہو گا وہ چار لمحوں میں ختم ہو جائے گا۔اب یسوع ظلم پیشہ اور ستم شعار محافظان جیل اور بیرحم لوگوں کے سپرد کیا گیا۔اس قلم عاری ہے۔طعن اور دشنام کی بوچھاڑ جو ہمیشہ اہل مشرق کی بدنامی کا باعث سمجھی جاتی ہے شروع ہوئی۔معلوم ہوتا ہے کہ ممبران سنہیڈرم بھی اس بد لگامی میں شامل تھے کیونکہ یہ شخص جو ان کو شرمندہ کرتا اور ان کے اختیارات پر حملہ آور ہوتا تھا اور ان کی ریاکاری کی قلعی کھول دیا کرتا تھا ان کے نزدیک سخت نفرت کا باعث تھا۔صدوقی البتہ کسی قدر بے پرواتھے مگر جب ان کو ایک دفعہ جوش آجاتا تھا تو ان کی بے پروائی بالکل دور ہو جاتی تھی اور وہ ایک دم آتش غضب سے بھر کر شعلہ اور بھبوکا ہو جاتے تھے اور اگر فریسیوں کے مجذوبانہ جوش کی پوچھو تو اس کی نسبت چپ ہی رہنا بہتر ہے کیونکہ وہ کبھی اسے گھونسے مارتے ،کبھی اس پر تھوکتے اور کبھی اس کی آنکھیں بند کر کے اسے طمانچوں سے پیٹتے تھے اور اس کے پیغمبری دعوؤنکو ٹھٹھوں میں اڑانے کے لئے اس سے کہتے تھے اگر تو نبی ہے تو بتا کہ تجھے کس نے مارا ہے ؟ہم ان باتوں کو جو انسانیت پر داغ لگاتی ہیں زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔اب وہ مسیح کو چھ یا سات بجے صبح کے زنجیریں پہنا کر رومی حاکم کے مکان کی طرف چلے۔وہ کیسا عجیب اور دل خراش نظارہ تھا جس وقت یہودی قوم کے کاہن اور معلم اور قاضی اپنے مسیح کو لئے جاتے تھے تاکہ ایک غیر قوم شخص کے ہاتھ سے اس کا خون کرائیں۔یہ ساعت گویا تمام قوم کی خودکشی کی ساعت تھی۔کیا اسی واسطے خدا نے ان کو چنا اور ایسی فضیلت اور فوقیت بخشی تھی ؟کیا اسی واسطے عقاب نے قدرت کے بازوؤں پر بٹھا کر ان کو آسمانوں کی ہوا کھلائی اور ہر مشکل اور آفت کے نیچے سے پناہ دی تھی ؟کیا یہی دن دیکھنے کو ان کے باپ دادا کو مصر اور بابل کے چنگل سے چھڑایا ؟کیا اسی نتیجے کے باپ دادا کو مصر اور بابل کے چنگل سے چھڑایا ؟ کیا اسی نتیجے کے لئے وہ صدیوں سے اپنے جلال کے کرشمے ان کو دکھا رہا تھا ؟ان کی حرکت تو یہی ظاہر کرتی تھی کہ گویا انتظامات ربی ٹھٹھوں میں اڑا ئے جارہے ہیں مگر کون خدا کو ٹھٹھوں میں اڑا سکتا ہے ؟ اس کے ارادے دہمیشہ تاریخ کے دور میں اس طرح آگے آگے بڑھتے جاتے ہیں کہ کوئی چیز سد راہ نہیں ہو سکتی۔وہ انسان کی رضامندی اور مد د کا محتاج نہیں۔پس یہ اندو ہناک گھڑی بھی جس میں یہودی قوم اس کے انتظاموں کو ٹھٹھوں میں اڑا رہی تھی ،اسی لئے مقرر ہوئی تھی کہ اس کی حکمت اور محبت کی گہرائی ظاہر ہو۔

جس رومی حاکم کے روبرو مسیح کو حاضر ہونا تھا وہ پنطیس پیلاطس تھا جو چھ سال سے یہودیہ کا حاکم تھا یہ شخص پکا رومی تھا ،مگر ان پرانے اور سادہ رومیوں کی مانند نہ تھا جو گذشتہ زمانہ میں موجود تھے

بلکہ قیصری زمانے کے رومیوں کی مانند تھا۔اس میں شک نہیں کہ اس کی طبعیت میں پرانے رومیوں کے انصاف کی کچھ کچھ رمق باقی تھی لیکن وہ عشرت پسند اورمتکبر اوربد چلن آدمی تھا وہ ان یہودیوں کو جن پر حکمرانی کرتا تھا حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا پس وہ اس کو بالکل عزیز نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر بد انتظامی اورظلم اورلوٹ مار کی تہمت لگایا کرتے تھے۔پیلاطس یروشلیم میں بہت کم آتا تھا اوراس کا سبب یہ ہوگا کہ وہ شخص جو روم کے عشرتی سامانونکا شیفتہ تھا جو تھیڑوں اورطرح طرح کی فرحت بخشی کھیلوں کی گرم بازاری میں لگا ہوا تھااورعیاش سوسائٹی کا فریفتہ ہو رہاتھا ،کب یروشلیم جیسے شہر کو جہاں دینی باتوں کا چرچا ہوتا رہتا تھا اور بغاوت کی آگ سدا سلگتی رہتی تھی ،پسند کر سکتا تھا ؟ اورجب کبھی آتا تھا تو ہیرودیس کے شاہی محل میں اتر اکرتا تھا کیونکہ رومی حاکموں کا دستور تھا کہ جب وہ مفتوحہ ممالک میں جاتے تھے تو ان بادشاہوں کے محلوں میں رہتے تھے جو حکومت سے برطرف کئے جاتے تھے۔

اہل سنہڈرن اوروہ لوگ جو بازارمیں ان کے ساتھ مل گئے تھے یسوع کو اس سڑک سے لے گئے جو اس باغ کے بیچ سے گذرتی تھی جسمینخوبصورت روشیں اورتالاب اوردرخت پائے جاتے تھے اورشاہی محل پر پہنچ کر اسے محل کے سامنے کھڑا کیا۔پیلاطس میدان میں اس جگہ کے سامنے جہاں محل کے دونوں بازوآپس میں ملتے تھے اورجہاں فرش پر طرح طرح کے رنگ اورقطع کے پتھر جڑے ہوئے تھے اپنی مسند پر بیٹھ کر کچہری کرنے لگا۔

یہودی سرداروں کو یہ یقین تھا کہ پیلاطس ہمارے فیصلہ کو قبول کرلیگا اورمقدمہ کے نشیب و فراز پر غورکئے بغیر اس فتوی کو تائید کرئے گا جوہم نے لگا یا ہے کیونکہ رومی صوبجات کے حاکم بسا اوقات اسی طرح کیا کرتے تھے۔خصوصاًمذہبی مقدمات میں یہ اسدتفاق اکثر دیکھنے میں آتا تھا اوراسکی وجہ یہ تھی کہ بسیب اجنبی ہونے کے ہو مذہبی معاملوں کو بخوبی سمجھ نہیں سکتے تھے۔پس جب پیلاطس نے پوچھا کہ یسوع نے کیا قصورکیا ہے تو وہ ایک زبان ہو کر چلااٹھے کہ "اگر یہ بدکارنہ ہوتا توہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے"۔مگرپیلاطس اس وقت ان کی درخواست قبول کرنے کو تیارنہ تھا۔لہذا اس نے کہا کہ اگر تم نہیں چاہتے کہ میں حالات دریافت کروں توبہتر ہے کہ تم اسے وہ سزا دے کر چھوڑدو جس کے دینے کی اجازت تم کو سرکار کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ یسوع کے حالات سے کسی قدرواقف تھا۔چنانچہ وہ چاہتا تھا کہ حسد کے سبب سے انہوں نے اس کو پکڑا ہے۔یسوع اتوار کے روزشاہانہ شوکت سے جب یروشلیم میں داخل ہواتھا تواس عجیب واقعہ کی خبر ضرورپیلاطس کو ملی ہوگی مگراس نے یہ دیکھ کر کہ یسوع نے لوگوں

کے جوش اورتعظیم سے کوئی پولیٹکل مقصد پوراکرنے کی کوشش نہیں کی ،یہ نتیجہ نکال لیا ہوگا کہ وہ سرکاری معاملات میں خلل اندازی کرنے والا آدمی نہیں اوراسکی بیوی کا خواب بھی دلالت کرتا ہے کہ مسیح نسبت محل میں بات چیت ہواکرتی تھی اورناممکن نہیں کہ اس دنیا دارمہذب حاکم اوراس کی بیوی نے یہ دلچسپ قصہ سن کرکہ یروشلیم میں ایک دہقان آیا ہے جس نے کاہنوں کا دم ناک میں کررکھا ہے بڑی خوشی منائی اور ہنس ہنس کرراہ کی تکان کو دورکیا ہو۔اب جب ان سے پوچھا گیا کہ اس کا کیا جرم ہے ،اورتم کس طرح اس کو ثابت کرتے ہوتوانہوں نے طرح طرح کے جھوٹے الزام لگانے شروع کئے جن میں سے تین بالکل صاف ہیں۔
پہلا الزام یہ تھا کہ وہ قوم کو بہکاتا ہے۔دوسرا یہ کہ وہ قیصر کو خراج دینے سے منع کرتا ہے۔تیسرا یہ کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے۔غورکیجئے کہ سنہیڈرم میں تواس پر کفرگوئی کا الزام لگایا تھا ،پراب اورہی الزام لگائے جاتے ہیں اوراس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خوب جانتے تھے کہ کفرگوئی کا الزام پلاطوس کے دربارمیں کارگر نہ ہوگا۔رومی اس قسم کے الزاموں اورجرموں کی چند اں پرواہ نہیں کرتے تھے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب چند سال بعد پرواہ نہیں کرتے تھے۔چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب چند سال بعد پولوس پر یہی الزام گالیو کی کچہری میں لگایا گیا تواس کے مدعیوں کی طرف ذرا توجہ نہ کی بلکہ ان کو کچہری سے نکال دیا۔پس مسیح کے مخالفوں نے ایسے نئے جرم گھڑنے شروع کئے جو ثابت کرتے تھے کہ وہ گورنمنٹ سے باغی ہے ،لیکن یہ کیسا کمینہ پن تھا۔دیکھیے انہیں نہ صرف ریاکاری کے بند میں پھنسنا پڑا بلکہ صاف صاف جھوٹ بھی بولنا پڑا۔اب ہم ان کو دروغ گونہ کہیں اورکیا کہہ سکتے ہیں ؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ گذشتہ منگل کو جب اس سے اسی مضمون پر سوال کیا گیا تواس نے اس جرم سے بالکل مختلف جواب دیا تھا۔چنانچہ اس نے بڑی صفائی سے بتا دیا تھا کہ "جو قیصر کا ہے قیصر کو دو"۔

لیکن پلاطوس خوب جانتا تھا کہ یہ وفا داری جو اس وقت قیصر کو خراج دینے کے بارے میں دکھائی جاتی ہے اس کا کیا مطلب ہے وہ ان کو نمک حلالی اورسرگرمی کو اچھی طرح سمجھتا تھا پس وہ ان کے شوروغل سے جان بچانے کے لئے اپنی جگہ سے اٹھا اورمسیح کو محل کے اند رلے گیا تا کہ وہاں جا کر اس سے خود حالات دریافت کرے۔یہ گھڑی اس کے لئے نہایت سنجیدہ گھڑی تھی لیکن وہ اس کو نہیں جانتا تھا کہ وہ کس کا ہاتھ تھا جو اسے اس جگہ کھینچ لایا ؟ہزاروں رومی حاکم جا بجا رومی سلطنیت میں پائے جاتے تھے اورانمی اصولوں کے پابند تھے جن کا پابند پلاطوس تھا مگر اس کا کیا سبب ہے کہ یہی حاکم چنا گیا کہ ان اصولوں کو مسیح کے مقدمہ کے متعلق کام لائے ؟جن باتوں کا پلاطوس اس وقت فیصلہ کررہاتھا ،ان کے نتائج اس کو

معلوم نہ تھے شاید اس مجرم کوا س وقت اس کے سامنے کھڑا تھا وہ اوروں کی نسبت کسی قدرزیادہ عجیب سمجھتا ہو مگر وہ یہ کہتا ہو گا کہ میرا ایسے ایسے ہزاروں آدمیوں سے بالا پڑچکا ہے۔پس وہ کب یہ خیال کرسکتا تھا کہ اگرچہ اس وقت انصاف کی چوکی پر تو میں ہی بیٹھا ہوا ہوں لیکن درحقیقت میری اوراس انتظام کی جس کے اصولوں کے مطابق میں عدالت کر رہا ہوں اس عادل حقیقی کے روبروپیشی ہو رہی ہے جس کے کمال کا نو ر ہر شخص کے عیب اور ہر انسانی انتظام کو فاش کر دیتا ہے۔پلاطوس نے اس وقت مسیح سے چند سوالات ان الزاموں کی نسبت کئے جو اس پر لگائے گئے تھے خصوصاًاس کے بادشاہی دعوے،کے متعلق اس سے دریافت کیا۔یسوع نے اسے بتا یا کہ میں پولٹیکل معنی میں کبھی بادشاہ بننے کا دعوے،نہیں کیا مگر صداقت کا بادشاہ ہونے کا دعوے،کیا ہے۔یہ ایسا جوا ب تھا جو ان صداقت دوست لوگوں کی توجہ کھنچنے کے لئے کافی تھا جو غیر قوموں کے درمیان تلاش حق میں سرگرداں ہو رہے تھے کہ پلاطوس کے دل میں حق کا احساس ہے یا نہیں۔لیکن وہ اس قسم کی باتوں کا ذوق نہیں رکھتا تھا لہذا اس کی بات ہنسی میں اڑا دی۔پھر بھی وہ اس بات کا قائل ہو گیا کہ یسوع کے پاک اورمطمین اورغمناک چہرے پر کوئی ایسے آثارنہیں پائے جاتے جن سے یہ ظاہر ہو کہ وہ سرکاری امن میں ابتری پیدا کرنا چاہتا ہے۔پس وہ محل سے نکل آیا اوریہودیوں سے کہنے لگا کہ چونکہ میں یسوع میں کوئی ایسا قصورنہیں پاتا۔اس لئے اسے چھوڑدیتا ہوں ۔

یہ سن کر یہودی مایوسی کے مارے غصہ سے بھر گئے اورچلاّچلاّکر ان الزاموں کو مسیح پر لگائے گئے تھے دہرانے لگے۔یہ طریقہ یہودیوں ہی سے مخصوص تھا چنانچہ کئی دفعہ اس سے پہلے انہوں نے اپنے شوروغل کی منطق سے اپنے اجنبی حاکموں پرفتح پائی تھی اوران کے فیصلوں کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کروا لیا تھا اب پلاطوس کا فرض یہ تھا کہ وہ ان کو شوروگل کی طرف ذرا توجہ نہ کرتا بلکہ اسکو اسی وقت چھوڑدیتا مگر اس کے خمیر میں وہ حکمت عملی گھسی ہوئی تھی جو رومی انتظام کی جان تھی یعنی وہ باہمی امن اورمدّبرانہ چالاکیوں کا معتقد تھا۔پس جب اس نے ان چیخوں کے درمیان جو اس کے کانوں کے پردے پھاڑرہی تھیں،ان کو یہ کہتے سنا"یہ سارے یہودیہ میں بلکہ گلیل سے لے کر یہاں تک لوگوں کو سکھاسکھا کر ابھارتا ہے" تو اس بات سے وہ بہت خوش ہوا ،کیونکہ اس کو ایک بہانہ مل گیا جس سے وہ اس تکلیف دہ معاملے سے بالکل سبکدوش ہوسکتا تھا۔چنانچہ اس نے کہا کہ میں یسوع کو ہیرودیس کے پاس جو گلیل کا حاکم ہے اوراس وقت یروشلیم میں آیا ہوا ہے بھیج دوں گا تاکہ وہ اس کا مقدمہ کرے۔رومی عملداری میں یہ دستور تھا کہ جس علاقہ میں کوئی شخص گرفتارکیا جاتا تھا ،اس کا حاکم اس کو علاقے کے حاکم کے پاس بھیج دیا کرتا تھا جس سے

وہم علاقہ رکھتا تھا۔ لہذا پلاطوس نے یسوع کو اپنے باڈی گارڈ کے ہمراہ ہیرودیس کے محل کی طرف روانہ کیا اورمسیح کے مخالف بھی ان کے ساتھ اسی طرف چل پڑے۔ جب وہاں پہنچے تودیکھا کہ ہیرودیس اپنے چھوٹے سے دربارمیں خوشامدی اہل کاروں اورمذیموں کے بیچ مسند پر بیٹھا ہے اورادھر ادھر باڈی گارد کے سپا ہی موجود ہیں۔ ہیردویس بھی رومیوں کی طرح جن کا وہ حلقہ بگوش تھا باڈی گارڈ رکھا کرتا تھا اوراس وقت عہد کے لئے یروشلیم مینآیا ہواتھا۔ وہ یہ سن کرکہ یسوع آیا ہے بڑاخوش ہوا کیونکہ جس ملک پر وہ حکمران تھا اس کے اس سرے سے اس سرے تک یسوع کی شہرت پھیل رہی تھی۔ ہیرودیس مشرقی بادشاہوں کا ایک عمدہ نمونہ تھا کیونکہ اس کے دل میں صرف ایک ہی خیال بھرا ہو اتھا اور وہ یہ کہ اپنے دل کو ہر طرح خوش رکھناچاہیے۔ عشرت اورتفریح اس کادستورالعمل تھا اوریروشلیم میں بھی اس وقت تماشے ہی کے لئے آیا تھا۔ سوجب یسوع اس کے پاس آیا تواس نے خیال کیا کہ آب دل لگی کا اچھا موقعہ مل گیا۔ کچھ عرصہ کے لئے میری اورمیرے درباریوں کی طبیعت خوب لگی رہی گی۔ اسے امید تھی کہ یسوع ضرورکسی نہ کسی طرح کی کرامات دکھا کر ہمیں خوش کریگا۔ ہیرودیس کسی بات کی طرف سنجیدگی سے دھیان نہیں لگا سکتا تھا۔ چنانچہ یہودی توجوش وخروش سے بھرے ہوے اس بات کی امید رکھتے تھے کہ وہ ان کی مرضی کے مطابق فیصلہ کر یگا مگراس نے ذراتوجہ نہ کی بلکہ ایسے بے ترتیب سوال یکے دیگرے کرنے شروع کئے کہ جواب دینے کی مہلت نہ دی۔ آخر کا رتھک کر چپ ہوگیا۔ اوریسوع کے جواب کی انتظاری کرنے لگا مگر یسوع نے اس کے سامنے ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہ نکالا۔ ہیرودیس یوحنا بپتسمہ دینے والے کو قتل کو بھول گیا تھا اورجو خیالات اس کی خونریزی سے اس کے دل میں پیدا ہوئے وہ بھی کا فورہوگئے تھے ،کیونکہ اس کا دل چکنے گھڑے کی مانند تھا جس پر پانی کی بوند کبھی نہیں ٹھہرتی ،مگر یسوع یوحنا کے قتل کو نہیں بھولا تھا اوروہ اپنے دل میں کہتا تھا کہ ہیرودیس کو میرے سامنے جو یوحنا کا دوست ہوں آنکھ اٹھانے سے شرم کھانا چاہیے۔ پس خداوند نے ارادہ کیا کہ میں ایسے شخص کے ساتھ ہرگز ہرگز بات نہ کروں گا ،جو مجھے فقط ایک اچنبھے دکھانے والا آدمی تصورکرتا ہے اوریہ چاہتا ہے کہ میں اسے اپنی کرامات کے تماشے سے رجھاؤں سووہ اس شخص کی طرف جس نے اپنے آپ کو یہاں تک خراب کردیا تھا کہ ضمیراورانسانیت کا نام ونشان تک اس میں نہ رہا ،دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن ہیرودیس جو بالکل مردہ ہوگیا تھا اس خاموش نفرت کی پیسنے والی تاثیر کو محسوس نہیں کرسکتا تھا۔

مگر ہیرودیس بھی اس مقدمہ میں سنجیدگی کو کام میں نہ لایا اورمسیح سے معجزہ دیکھنے کی بے فائدہ کوشش کرنے کے بعد اب اس نے اوراس کے سپاہیوں نے یسوع کو ذلیل کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اسے ایک ایسی

چمک دات پوشاک پہنائی جیسی رومی دربار میں وہ لوگ پہنا کرتے تھے جو شاہانہ تخت پر بیٹھنے کی امید رکھتے تھے اور ہیرودیس کا بھی یہی مطلب تھا کہ اس پوشاک سے ظاہر ہو کہ کہ یسوع بھی یہودیوں کے تخت کا امیدوار ہے لیکن ایسا امیدوار جو ذلت اور خواری کے سوا اور کسی بات کے لائق نہیں۔اس ذلت کے ساتھ یسوع کو پھر رومی حاکم کے دربار کی طرف لوٹنا پڑا۔اب پلاطوس سے وہ باتیں سرزد ہوئیں جنہوں نے اس کو زمانہ سازی کا ایک ایسا نمونہ بنا دیا جس کو مسیح کی بے گناہی کا نور صدیوں سے فاش کرتا آیا تھا اس کو اسی وقت بری کر دیتا مگر اس نے چالاکی سے کام لینا چاہا اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایک غلطی کے بعد دوسری غلطی میں گرفتا رہو گیا اور راستی کا بالکل خون کر بیٹھا۔اس نے یہودیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اس شخص میں نہ مجھے اور نہ ہیرودیس کو کوئی قصور معلوم ہوتا ہے ،پس میں اسے کوڑے مار کر چھوڑ دیتا ہوں۔اس میں پلاطوس کی حکمت عملی یہ تھی کہ وہ خیال کرتا تھا کہ کوڑے یہودیوں کے آنسو پونچھ دیں گے اور یسوع کو چھوڑ دنیا انصاف کی دیوی کے لئے بھینٹ کا کام کر جائے گا۔

لیکن ابھی وہ اس تجویز کو پورا کرنے نہیں پایا تھا کہ ایک اور واقعہ سرزد ہوا جس نے ایک مرتبہ پھر پلاطوس کو یسوع کے چھوڑنے کا موقعہ دیا۔رومی حاکم کو اجازت تھی کہ فسح کے روز قیدیوں میں سے ایک قیدی کو لوگوں کے لئے چھوڑ دے۔اس دستور کو اہل یروشلیم بہت پسند کرتے تھے کیونکہ قید خانہ میں بہتیرے ایسے قیدی ہوتے تھے جو رومیوں کے جوئے سے متنفر ہو کر آزادی کے لئے بغاوت کا جھنڈا اٹھاتے تھے اور عوام کے نزدیک اسی حرکت کے سبب سے بڑے بہادر گنے جاتے تھے۔آج چونکہ فسح کا دن تھا لہذا لوگ شہر کی گلیوں اور کوچوں سے جوق در جوق نکل آئے اور بڑے جوش و خروش اور شور و غل کے ساتھ شاہی محل کے دروازے پر آن موجود ہوئے تاکہ اپنا سالانہ انعام پائیں۔لوگوں کی یہ پر شور درخواست پلاطوس کے حسب خواہش تھی کیونکہ اس کے دل میں یہ امید پیدا ہوئی کہ شاید اب بھی میں اس مشکل حالت سے جس میں پھنس رہا ہوں بچ نکلوں گا مگر یہ ان کی گردن کے لئے ایک نیا پھندا تھا۔اب پلاطوس نے ان سے کہا کہ اگر چاہو تو یسوع کو تمہارے لئے چھوڑ دوں۔تھوڑی دیر کے لئے وہ خاموش رہے مگر جب یاد آیا کہ ہمارا ایک رفیق شفیق برابا بھی قید میں پڑا ہے تو اس کی رہائی کی درخواست کی۔یہ شخص اپنی سرکشی کے سبب مشہور تھا کیونکہ اس نے رومی حکومت کی بیخ کنی کے لئے علم بغاوت بلند کیا تھا۔لوگ ابھی اس کی نسبت سوچ ہی رہے تھے کہ یہودی سرداروں نے کانا پھوسی شروع کر دی اور انہیں ترغیب دی کہ یسوع کی رہائی پر متفق نہ ہوں۔دیکھئے سنہیڈرم کے ممبران کی یہ کارروائی کیسی قابل داد ہے ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ وہ یہ جتاتے تھے کہ

ہم جان نثاراوروفادار رعایا ہیں اوررومی قانون اورانتظام کو پسند کرتے ہیں لیکن جب یسوع کے رہا ہونے کی ایک صورت نظر آئی تو فوراً اس کی طرف ہوگئے جو بغاوت کا سرغنہ تھا اوراپنی کوششوں میں کامیاب ہوئے کہ تمام لوگوں کو ورغلا لیا۔ چنانچہ وہ سب کے سب برابا۔ برابأ پکارنے لگے۔ پلاطوس نے یہ سن کر کہا میں یسوع سے کیا کروں ؟شاید وہ سوچتا تھا کہ میرے اس سوال کو سن کرلوگ کہیں گے کہ اسے بھی چھوڑدے مگر یہ اس کی غلطی تھی۔کیونکہ سنہیڈرم والوں نے اپنا کام ایسی خوبی سے کر لیا تھا کہ ہزارہا آوازیں یہ کہتی ہوئی آئیں ""اسے صلیب دے " ؟پس جس طرح ان کے دینی حاکموں نے کہا اسی طرح وہ بول اٹھے یا یوں کہیں کہ جو فیصلہ ان کے رہبروں نے کیااس پر انہوں نے بھی اپنے دستخط کر دئیے۔ان کی یہ حالت دیکھ کر پلاطوس بڑاغصے ہوا اور کہنے لگا۔"کیوں ؟ اس نے کیا قصورکیا ہے ؟مگر اس کی خفگی اورایسے جوابوں سے کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔کیونکہ فیصلہ توا ن کے ہاتھا میں چھوڑدیا گیا تھا جن کے سر پر بھوت سوارہو رہاتھا پس اس کا یہ سوال سن کروہ اوربھی چلاّچلا۔کر کہنے لگے "اسے لے جا اورصلیب دے !صلیب"!!

لیکن پلاطوس ابھی انصاف کا خون کرنے کے لئے پورے طورپر تیارنہ تھا۔وہ ابھی ایک اورچال چلنا چاہتا تھا مگر پہلے اس نے یہ حکم دیا کہ یسوع کے کوڑے لگائے جائیں۔یہ فعل عموماً صلیب دینے سے پہلے وقوع میں آیا کرتا تھا۔اب سپاہی ا س کو اپنی چوکی میں لے گئے او روہاں اس کو بے عزت کرکے اورتکلیف دے کر اپنی ظلم پسند طبعیت کو سیر کیا۔ہم ا س شرمناک اور درد انگیز نظارے کا حال بہت دیر تک سنانا چاہتے۔غورکیجئے کہ جب یہ لوگ اپنے سخت ہاتھوں سے اس کو جو انسانیت کو ایسی عزت دیتا اورایسا پیارکرتا تھا دکھ دیتے ہوں گے توا س کے دل میں کیا کچھ گذرتا ہوگا اورکیسا صدمہ پہنچتا ہوگا جب وہ اس قدر نزدیک سے اس بے حد ظلم کو دیکھتا تھا جو انسا ن سے سر زد ہو سکتا ہے۔سپاہی اپنی ظالمانہ حرکات کے مزے لے رہے تھے اورظلم پر ظلم کرتے جاتے تھے ،چنانچہ جب کوڑے لگا چکے تواس کو ایک کرسی پر بٹھا دیا او ربادشاہوں کے ارغونی چوغہ کی نقل میں کہیں سے پھٹا پرانا چوغہ لا کر اسے پہنا دیا۔ عصا کی جگہ ایک سر کنڈا اس کے ہاتھ میں دیا اوران جھاڑیوں میں سے جواس پاس اگ رہی تھیں خاردارٹہنیاں لے کر او رانہیں توڑمروڑکر تاج بنا یا اوراس کے سر پر رکھ کر ایسا دبا یا کہ کانٹے اس کی نورانی پیشانی میں جا گھسے۔اس کے بعد ہر ایک ٹھٹھے سے اس کے سامنے جا کر سجدہ کرتا اوراس کے منہ پر تھوکتا تھا اورجو سر کنڈا اس کے ہاتھ میں تھا وہی چھین کراس کے سرا ورمنہ پر مارتا تھا۔

جب وہ اپنی ناشائستہ حرکات اور ظلم سے آخر کار سیر ہو گئے تو اسے ارغوانی چوغ اور کانٹوں کے تاج کے ساتھ پلاطوس کے پاس لائے۔لوگ سپاہیوں کے اس نئے چٹکلے کو دیکھ کر ہنستے ہنستے پاگل ہو گئے۔اب پلاطوس نے اس کو ایسی جگہ کھڑا کیا جہاں سے سب لوگ اسے دیکھ سکتے تھے اور یہودیوں سے کہا کہ "اس آدمی کو دیکھو "اس کا مطلب یہ تھا کہ تم اس آدمی کو دیکھو جس کے ساتھ اس سے زیادہ سختی کرنے کی ضرورت نہیں۔تم کیوں اس کی جان کے پیچھے پڑے ہو؟ اس کو مارنے سے تمہیں کیا فائدہ ہوگا ؟ کیا ایسا خستہ حال آدمی کسی طرح کا نقصان پہنچا سکتا ہے ؟ مگر جو الفا ظ پلاطوس کے منہ سے نکلے وہ ان کا مطلب آپ ہی نہیں سمجھتا تھا۔اس کے یہ الفاظ "" اس آدمی کو دیکھو" تما م دنیا میں گونج رہے ہیں اوران کے سبب سے ہر زمانہ کے لوگوں کی آنکھیں اس مرد غمناک کی مائل ہیں۔لیکن جب ہم اس کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں ؟ یہ کہ اس کے چہرے پر سے تو شرم کا سایہ دور ہو گیا ہے اور پلا طوس اور سپاہیوں اور کاہنوں اور دیگر مخالفوں کے چہروں پر جا پڑا ہے۔اس کے جلال کے نور نے بے حرمتی کے داغوں کو دور کر دیا ہے اور کانٹوں کے تاج کے سنیکڑوں کناروں کو جلتے ہوئے شعلے کی طرح درخشاں کر دیا ہے۔اب ہم تھوڑی دیر کے لئے پلاطوس کی طرف آتے ہیںجس طرح وہ یسوع کی عظمت کو محسوس کرنے میں قاصر نکلا،اسی طرح ان لوگوں کی طبیعت اورمزاج کے جاننے میں ناقص نکلا جن پر حکومت کیا کرتا تھا وہ سوچتا تھا کہ وہ مسیح کو ایسی خستہ حالی میں دیکھ کر خاموش ہو جائیں گے اوران کے انتقام کی پیاس اس ذلیل نظارے سے بجھ جائے گی مگر وہ ان باتوں کو کب سنتے تھے۔وہ تو شروع ہی سے یہی حجت کرتے تھے کہ یہ شخص جو نہ دولت کا فخر رکھتا ہے اور نہ بادشاہ بننے کی طمع کب مسیح ہونے کا دعوی کر سکتا ہے ؟اوراب تو بات اور بھی بگڑ گئی تھی کیونکہ وہ غیر قوم سپاہیوں کے ہاتھ سے کوڑے کھا چکا تھا اور ٹھٹھوں میں اڑا جا چکا تھا۔پس اب یہ بے حرمتی کا نظارہ ان کے دلوں کو پلاطوس کی بات ماننے کی ترغیب کہاں دے سکتا تھا ؟نہیں بلکہ ان باتوں نے ان کو اور بھی نفرت اور دیوانہ پن سے بھر دیا اور وہ پہلے سے زیادہ زور سے چلانے لگے۔"اسے صلیب دے !اسے صلیب دے !!

آخر کار انہوں نے وہ الزام بھی اگل دیا جو اب تک ان کے دلوں کی تہ میں چھپا ہوا تھا اور جسے اب زیادہ چھپا نہیں سکتے تھے۔چنانچہ وہ چلا اٹھے "ہم اہل شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا "۔مگر یہ بات سن کر پلاطوس کے دل میں اور ہی خیالات پیدا ہو گئے جو یہودیوں کے وہم میں بھی نہیں آئے تھے۔پلاطوس کے وطن میں کئی پرانی روائتیں دیوتاؤں کے بیٹوں کی مروج تھیں جو بتائی تھیں کہ وہ دنیا میں غریب بن کر آئے اور ایسے طور پر رہے کہ کوئی ان کو عام لوگوں سے

امتیاز نہیں کر سکتا تھا اور لوگوں کا ان کے متعلق یہ عقیدہ بھی تھا کہ ان سے دو چار ہونا بڑے خطرے کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ ڈرتے تھے کہ اگر ان کو کسی سے دکھ پہنچا تو ان کے دیوتا باپ ضرور دکھ دینے والے کو دکھ پہنچائیں گے لیکن اب لوگ اس قسم کے قصوں کو ماننا چھوڑ بیٹھے تھے کیونکہ بنی آدم میں کوئی آدمی ایسا نظر نہیں آتا تھا جس میں ایسی عجیب خصوصیتیں ظاہر ہوں جن کے سبب سے وہ دیوتاؤں کا فرزند مانا جائے لیکن پلاطوس کی آنکھ نے یسوع میں کچھ ایسے سر کی بات محسوس کی ہوگی جس کے سبب سے اس کا دل دہشت سے بھر گیا اور اب جب اس نے لوگوں کے ہجوم کو یہ کہتے سنا کہ "اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا ٹھہرایا"۔ تو یہ نیا مکاشفہ بجلی کی طرح اس پر آیا۔ ان لفظوں نے اس کے حافظے کی تہوں میں سے ان پرانے اور بھولے ہوئے قصوں کو جو اس نے عالم طفلی میں سنے تھے نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیا اور اس کے دل میں ایسا خوف بھر دیا جو بت پرستی سے خاص ہے اور جس پر یونانی زبان میں کئی بڑے بڑے ناٹک (ڈرامے) موجود ہیں یا یوں کہیں کہ ایسے ڈرامے ہوئے ہیں جن کے مضمون سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ڈرتے تھے کہ کہیں بھول چوک سے بھی ایسا جرم نہ ہو جائے جس کے سبب سے آسمانی طاقتیں انتقام لینے پر آمادہ ہو جائیں۔ اب پلاطوس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس طرح کیسٹر اور پالکس جو پیٹر کے بیٹے تھے کہیں اسی طرح یسوع بھی یہودیوں کے یہواہ کا بیٹا نہ ہو۔ پس وہ فوراً اسے محل میں لے گیا اور ایک نئے خوف اور ذوق سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا "تو کہاں سے ہے"؟ مگر یسوع نے اس کے جواب میں ایک لفظ نہ کہا اور اس کا سبب یہ تھا کہ جب یسوع اسے اپنی بابت سب کچھ بتانے کو تیار تھا اس وقت اس نے اس کی طرف ذرا التفات نہ کی بلکہ اسے کوڑے لگوا کر انصاف کا ستیا ناس کر دیا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ کوئی اس وقت مسیح کی طرف توجہ نہیں کرتا جس وقت وہ اس سے بولتا یا بولنا چاہتا ہے۔ وہ ایک ایسا وقت دیکھے گا جب وہ چاہے گا کہ مسیح بولے لیکن اسے کچھ جواب نہ دیا جائے گا۔ اب یہ مغرور حاکم کبھی یسوع کی اس خاموشی سے تعجب کرتا تھا اور کبھی غصہ ہوتا تھا۔ آخر طیش میں آکر کہنے لگا "تو مجھ سے بولتا نہیں؟ کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے تیرے چھوڑ دینے کا بھی اختیار ہے اور صلیب دینے کا بھی"؟ اس کے جواب میں یسوع نے اس شاہانہ دبدبہ سے جو باوجود ظالمانہ ذلت و خواری کے اس کی صورت سے ٹپک رہا تھا یہ کہا "اگر تجھے اوپر سے نہ دیا جاتا تو تیرا مجھ پر کچھ اختیار نہ ہوتا"۔

پلاطوس اپنے اختیار اور طاقت پر نازکر کے کہتا تھا کہ "میں جو چاہوں سو تیرے ساتھ کر سکتا ہوں " مگر درحقیقت وہ بہت ہی کمزور تھا کیونکہ وہ اس پکے ارادے سے باہر آیا تھا کہ میں یسوع کو چھوڑدوں گا مگر اس پر قائم نہ رہا ۔یہودیوں نے اس کے چہرے کو دیکھ کر معلوم کر لیا کہ اس کے دل میں کیا ہے ۔پس انہوں نے اپنا آخری جملہ ان الفاظ کے وسیلے سے کیا جنہیں وہ اب تک دل میں چھپائے ہوئے بیٹھے تھے یعنی اسے دھمکی دے کر کہا کہ "اگر تو اسے چھوڑدئے گا تو ہم تجھ پر قیصر کے دربار میں نالش کریں گے " ہماری دانست میں الفاظ مذکورہ ذیل کا جو ان کی زبان سے نکلے یہی مطلب ہے " اگر تو اسے چھوڑدیتا ہے تو قیصر کا خیر خواہ نہیں" ۔یہی اندیشہ پیشی کے شروع سے پلاطوس کے دل میں کھٹک رہا تھا ۔یہی وہ بات تھی جس کے سبب سے پلاطوس منصفانہ فیصلہ پر قائم نہ رہا ۔رومی حکام کسی بات سے اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا ان نالشوں اور شکایتوں سے جو ان کے برخلاف قیصر کے دربار میں کی جاتی تھیں ۔پلاطوس کے زمانہ میں اس قسم کی شکائتیں اور بھی نقصان دہ سمجھی جاتی تھیں کیونکہ اس وقت ایک ایسا شخص رومی تخت پر بیٹھا ہوا تھا جو بڑا ردی اور بد گمان اور ظالم آدمی تھا ۔وہ اپنے خادموں کو بے عزت کر کے خوش ہوتا تھا اور اگر اپنے ماتحتوں میں سے کسی کو تخت کے دعوے دار کی رعایت کرتے دیکھ لیتا تھا تو وہ فوراً آگ بگولا ہو جاتا تھا ۔پلاطوس یہ خوب جانتا تھا کہ میرا کام ملاخطے کے لائق نہیں کیونکہ اس میں ظلم اور خرابی کے داغ لگے ہوئے ہیں ۔یاد رکھنا چاہیے کہ کسی شخص کو نیکی کرنے سے کوئی بات اتنا نہیں روکتی جتنا اس کی گذشتہ عمر کی بدی روکتی ہے ۔پس یہودیوں کا ڈراوا پلاطوس کے اس ارادے کو ہلانے میں وہی کام کر گیا جو پانیوں کے سیلاب عین اسی وقت آئے جب کہ اس نے اپنے ضمیر کی اطاعت کا قصد کر لیا تھا ۔مگر وہ ایسا بہادر نہ تھا کہ اپنا نقصان گوارا کر کے بھی اس بات کی پیروی کرتا جس کو وہ راست سمجھتا تھا وہ دنیا کا غلام تھا سو اس نے فوراً دیکھ لیا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ یسوع کو یہودیوں کے حوالے کر دے ۔

اب کچھ تو وہ اس بات سے غصہ ہو رہا تھا کہ ان یہودیوں نے مجھے بڑا لتاڑا ہے اور کچھ کچھ مذہبی خیال کے سبب سے بھی پژمردہ خاطر ہو رہا تھا ۔اس آخری خیال کے سبب سے اس نے پانی منگوایا اور سب کے سامنے اپنے ہاتھ دھوکر کہا میں اس راستباز کے خون سے بری ہوں ۔لیکن اس نے بڑی غلطی کی کیونکہ ہاتھ دھونے کے عوض لازم یہ تھا کہ وہ انہیں مسیح کی رہائی کے لئے استعمال کرتا ۔خون آسانی سے دھویا نہیں جاتا ۔لوگوں نے پلاطوس کے پس وپیش کرنے کو خوب ٹھٹھوں میں اڑایا اور چلا کر کہنا شروع کیا 'اس نے خون ہم پر اور ہماری اولاد پر" ۔

اب پلاطوس نے ان کی بے ادبی سے تنگ آکر یہ ارادہ کیا کہ میں بھی ان کو خوب شرمندہ کروں گا۔پس اس نے یسوع کوایک ایسی جگہ جہاں سے اسے سب دیکھ سکتے تھے کھڑا کر کے ان کو ٹھٹھوں میں اڑانا شروع کیا۔چنانچہ یسوع کو یہودیوں کا بادشاہ کہہ یہ جتانے لگا کہ یہی شخص جو نہایت گنگال اور بے لاچار ہے حقیقت میں تمہارا بادشاہ ہے۔"کیا میں تمہارے بادشاہ کو صلیب دوں"؟وہ یہ سن کر بہت شرمندہ ہوئے اوربلند آواز سے کہنے لگے "قیصر کے سوا ہمارا کوئی بادشاہ نہیں"۔دیکھئے یہ اقراریہودیوں کے لبوں سے کیسا سجتا ہے۔یہ کہنا گویا اپنی قوم کی آزادی اورتواسریخ کو برباد کرنا تھا۔پلاطوس نے ان کے اس اقرارکو تسلیم کیا اوریسوع کو ان کے حوالے کردیا۔

صلیب

جب وہ پلاطوس کے ہاتھوں سے اپنا شکار چھنینے میں کامیاب نکلے تو اسے صلیب دینے کو مقتل کی طرف روانہ ہوئے۔اب ان کے دل ٹھندے ہوگئے۔چنانچہ وہ راستے میں اپنی نالائق اور ناروافتحمندی کو طرح طرح سے ظاہر کرتے جاتے تھے۔یوں تو مسیح کے جلّادیہودی سردار تھے وہ اس خراب کام کے متعلق ایسے سرگرم تھے کہ اسے سرکاری پیادوں کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتے تھے بلکہ ساری جماعت کے آگے آگے خود جارہے تھے تاکہ مقتل میں جاکر اوراس کی تکلیفوں کو دیکھ کر اس کے خون سے اپنے انتقام کی پیاس بجھائیں۔اس وقت قریباًصبح کے دس بج گئے تھے اورلوگوں کا شمار جو حاکم کے محل پر حاضر تھے ،رفتہ رفتہ بڑھ گیا تھا اور جب وہ اہل سنہیڈرم کے پیچھے پیچھے شہر میں سے گزرتے ہوں گے تو اس وقت اورلوگ بھی ان سے آملے ہوں گے اورچونکہ آج فسح کا دن تھا اورلوگوں کو اپنے کاروبار سے فرصت تھی اوراس لئے ہزارہا لوگ تماشے کے لئے جمع ہوگئے۔خصوصاوہ لوگ جو سنہیڈرم کے ممبروں کے ہمدرد تھے مسیح کو صلیب پر دیکھنے کے لئے ضرورموجود ہوئے ہوں گے۔ان لوگوں کو دیکھ کر ہم قیاس کرسکتے ہیں کہ ہمارے خداوند کو ہزاروں سخت دل اوربید رد لوگوں میں سے گزرکر اپنے مقتل کو جانا پڑا۔

جس جگہ وہ صلیب پر کھینچا گیا اس کا ٹھیک پتہ معلوم نہیں غالباً یہ شہر کے باہر تھی اورایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی جگہ لوگ پھانسی دئیے جاتے تھے۔انجیل میں کوئی ایسا مقام نہیں پایا جاتا جس سے ظاہر ہو کہ وہ کلوری کہلاتی تھی۔اورنہ مقتل کے قرب وجوارمیں کوئی ایسا پہاڑہی واقع ہے جسے دیکھ کر ہم یہ نتیجہ

نکال سکیں کہ وہ پہاڑ پر مصلوب ہوا تھا گلگتھا کی جس کا ترجمہ" کھوپڑی کی جگہ "کیا گیا ہے یا تو یہ وجہ تسمیہ ہے کہ اس جگہ کی شکل انسان کی کھوپڑی کی مانند تھی یا یہ کہ وہاں ان لوگوں کی کھوپڑیاں پائی جاتی تھیں جو قتل ازیں موت کا شکار ہو چکے تھے ۔یہ وجہ زیادہ معقول معلوم ہوتی ہے بہر حال یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ جگہ ایسی کشادہ اور کھلی تھی کہ بہت سے لوگ وہاں سما سکتے تھے اور اسی طرح یہ بھی روشن ہے کہ وہ سڑک کے کنارے تھی ۔کیونکہ انجیلوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سوا جو وہاں پہلے سے موجود تھے آتے جاتے تماشائی بھی کھڑے ہو کر یسوع کے دکھوں کو دیکھنے لگ گئے تھے ۔

صلیب کی موت واقعی بڑی ہولناک موت تھی ۔سیسرو جو اس سے خوب واقف تھا بتاتا ہے کہ وہ نہایت سخت اور حقیر قسم کی موت تھی ۔چنانچہ وہ کہتا ہے "وہ کسی رومی کے بدن کے نزدیک نہ آنے پائے ۔نہیں بلکہ اس کے خیالات اور آنکھوں اور کانوں کے پاس بھی نہ آنے پائے "۔ یہ سزا غلاموں اور باغیوں کو دی جاتی تھی اور ان کی ذلت کا خاص نشان سمجھی جاتی تھی ۔واقعی ایک زندہ آدمی کو صلیب پر میخوں سے گاڑنا ایک ایسا نظارہ تھا کہ اس سے زیادہ ہیبت ناک اور کوئی نظارہ نہیں ہو سکتا ۔اگر میخیں گاڑتے گاڑتے موت آجاتی تو بھی مصلوب کو بڑی تکلیف اٹھانی پڑتی تھی ،مگر صلیبی موت کی بڑی قباحت یہ تھی کہ مصلوب کو دو دو تین تین دن تک عذاب کے مارے کراہنا پڑتا تھا ۔ہاتھ اور پاؤں جن مینمیخیں ٹھونکی جاتی تھیں اور پیاس اس قدر لگتی تھی اور اس قدر دم بدم بڑھتی جاتی تھی کہ مصلوب " پیاس پیاس " پکارتا رہتا تھا ۔بدن کو ساکن رکھنا بڑا مشکل کام تھا کیونکہ جب درد محسوس ہوتا تھا تو اس سے بچنے کے لئے جسم خود بخود ہلنے لگ جاتا تھا مگر جسم کی ہر جنبش دکھ کی نئی صورت پیدا کرتی تھی ۔

ہم اس ہیبت ناک نظارے کے بیان کو طول دینا نہیں چاہتے سو ہم اس کا ذکر چھوڑ کر اس بات پر غور کریں گے کہ کس طرح یسوع اپنی روح کی طاقت اور رضا الٰہی پر راضی ہونے کی قدرت اور اپنی محبت کے زور سے صلیب کی شرم اور سختی پر غالب آیا ۔جس طرح شام کے وقت جب شفق پھولی ہوئی ہے آفتاب اپنی رنگین کرنوں سے ایک میلے سے حوض کو سونے کی سیر بنا دیتا ہے اور ہر چیز کو جو اس کی روشنی میں آتی ہے اپنے نور سے ملبس کر دیتا ہے اسی طرح مسیح نے صلیب کو جو غلامی اور ذلت کا نشان سمجھی جاتی تھی دنیا کی سب سے پاک اور جلالی چیز کی علامت بنا دیا چونکہ مصلوب کے سر میں میخیں نہیں گاڑی جاتی تھیں اس لئے سر کھلا رہتا تھا پس یسوع ادھر ادھر ہو رہا تھا اسے دیکھ سکتا تھا اور بول بھی سکتا تھا ۔جب وہ صلیب پر ٹنگا ہوا تھا اس وقت سات جملے اس کی زبان سے نکلے جنہیں سات روزن کہنا چاہیے جن میں سے ہم اس کے دل اور دماغ کے

اندر نظر ڈال کر یہ دریافت کر سکتے ہیں کہ جو کچھ اس وقت اس کے دہنے بائیں ہو رہا تھا اس کا اثر اس پر کیسا ہو رہا تھ ۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سکون اور شوکت جو اس کی ذات سے پیشی کے تمام عرصہ میں ظاہر ہوئی صلیب پر بھی جلوہ نما تھی اور اس کے اطمینا ن اور جلا ل نے ان تمام صفات کو جن میں اور کوئی اس کا ثانی نہ تھا پو رے طور سے روشن کر دیا ۔یاد رہے کہ اس نے اپنے دکھوں پر فتح پا نے کے لئے اس جبر اور صبر سے کا م نہیں لیا جو فرقہ سٹواک کے ساتھ مخصوص تھا بلکہ اس نے ان دکھوں پر اس محبت کے وسیلے سے فتح پائی جو خود کو بھول جاتی ہے ۔جب وہ اپنی صلیب اٹھا ئے مقتل کی طرف جا رہا تھا ،اس وقت وہ اپنی تکان اور ماندگی کو بھول گیا اور یروشلیم کی بیٹوں اور ان فرزندوں کے فکر سے غمگین ہو ا ۔جب لوگ اسے صلیب پر میخوں سے ٹانگ رہے تھے اس وقت وہ میخوں کے درد کو بھول کر اپنے خونیوں کے لئے معا فی کی دعا مانگتا تھا اور جب صلیب پر لٹکا یا گیا تو اس نے اپنی تکلیفوں کو اس چو رسے دلچسپ گفتگو کر کے ہلکا کیا جو اس کے ساتھ مصلوب ہوا تھا اور اسی طرح اپنے درد کی شدت کے وقت اپنی ماں کے آرام و آسائش کے لئے ایک نیا گھر تجویز فرمایا ۔پس جب ہم اس کو صلیب پر دیکھتے ہیں تو وہ ہم کو بدلا ہوا یسوع نہیں دکھا ئی دیتا بلکہ وہی یسوع معلوم ہوتا ہے جو خود غرضی سے بالکل آزاد اور اوروں کے لئے اپنے آپ کو نثا سر کرنے والا تھا ۔

اگر کسی جگہ اس پر گہرا زخم لگ سکتا تھا تو اس کی محبت پر لگ سکتا تھا اگرچہ وہ جسما نی تکلیفیں جو اس کی مبارک بدن کو سہنی پڑیں ،نہایت شدید اور دیرپا تھیں تو بھی ہم اس کی تکلیفوں کو ان سے جو بہتوں کو اس دنیا میں اٹھا نی پڑیں زیادہ شدید نہیں کہہ سکتے تاوقت یہ کہ یہ نہ مانیں کہ ا نے اپنے بدن کی اعلیٰ ساخت کے باعث ان دکھوں کو اس درجہ تک محسوس کیا جہاں تک عام آدمی محسوس نہیں کر سکتے ۔وہ پانچ گھنٹہ سے زیادہ صلیب پر نہ رہا اور یہ عرصہ معمولی عرصہ سے اتنا کم تھا کہ جب سپاہی اس کی ٹانگیں توڑنے لگے تو وہ یہ دیکھ کر وہ مر گیا ہے حیران ہوئے لیکن اس کا اصل دکھ اور اس کی سب سے بڑی تکلیفیں وہ تھیں جو دل اور دماغ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ جو سرتا پا محبت کے لئے اس طرح ترستا تھا جس طرح ہرنی پانی کے چشموں کے لئے ترستی ہے اس وقت لوگوں کی نفرت اور دشمنی کے سمندر سے جو طغیانی پر آیا ہوا تھا اور جس کی لہریں صلیب تک جا دتی تھیں ،گھرا ہوا تھا اس کی روح ہر طرح کے داغ سے منزہ تھی ۔پاکیزگی اس کی جان تھی مگر گناہ اس وقت اس پر گرا پڑتا تھا اور اس سے مس پیدا کرنا چاہتا تھا مگر اس کا ایک ایک روتگٹا اس سے بچنا چاہتا تھا ۔

سنہیڈرم کے ممبران نے ہر طرح حقارت آمیز طعنوں اور حاسدانہ نفرت سے بھرے ہوئے ٹھٹھوں کا پل باندھ دیا اور سب لوگوں نے بڑی وفاداری سے ان کی تقلید کی لیکن یہ لوگ کون تھے ؟کیا وہی نہ تھے جن کو وہ

ہمیشہ پیار کرتا رہا اوراب بھی کرتا تھا؟مگر انہی لوگوں نے اس کی محبت کو پامال کیا۔ان کے الفاظ کے وسیلے سے شیطان نے پھر وہی آزمائش پیش کی جس کے ساتھ وہ اس پر ہمیشہ حملہ کرتا رہا اور وہ یہ کہ اپنے فائدہ کے لئے کوئی فوق العادت کرشمہ دکھا کر اب بھی اپنی قوم کو مطیع بنائے۔ان لوگوں کو جو اس وقت جوش سے بھرے کھڑے تھے جن کے چہروں کو ان کے دلی کینے اور حسد نے بدہیئت بنا رکھا تھا۔تمام بنی آدم کی بدی کا ایک خلاصہ کہنا چاہیے۔اس کی آنکھیں ان کو دیکھتی تھیں ان کی سختی ان کی بد حالی،ان کے کفر اور ان کے کمینہ پن نے برچھیوں کی طرح اس کے سینے کو چھلنی چھلنی کر ڈالا تھا۔

پر اس کے دکھوں میں ایک اور پر راز دکھ شامل تھا اور وہ یہ کہ دنیا کا گناہ نہ صرف انہی لوگوں کے وسیلے سے جو اس وقت اس کے پاس حاضر تھے اس پر آگرا،بلکہ گذشتہ اور آیندہ کے زمانے کا گناہ بھی اس پر رکھا گیا اور خدا کی بھسم کرنے والی خاصیت جو اس پاکیزگی اور محبت کے نور کا دوسرا پہلو ہے اپنی بھسم کرنے والی خاصیت جو اس پاکیزگی اور محبت کے نور کا دوسرا پہلو ہے اپنی بھسم کرنے والی آگ کے شعلے مسیح کے اردگرد بلند کر رہی تھی تا کہ دنیا کا گناہ جو اس پر آپڑا تھا،بھسم کیا جائے۔خدا کو یونہی پسند آیا کہ وہ اس کو جو گناہ سے واقف نہ تھا لیکن ہمارے لئے گہنگار بنا غم میں ڈالے۔

جن دکھوں کا اوپر ہوا وہی وہ دکھ تھے جہنوں نے صلیب کی موت کو بھیانک اور ہولناک بنا دیا۔دو گھنٹے کے بعد اس نے اس دنیا سے اپنا منہ پھر کر عالم جاودانی کی طرف رخ کیا۔اس وقت ایک عجیب قسم کی تاریکی تمام سر زمین پر چھاگئی اور یروشلیم اس کا لے بادل کے نیچے جس کی بڑھتی ہوئی سیاہی اس کی سزا کی مانند معلوم ہوتی تھی کانپ اٹھا۔قریباً سب لوگ اسے چھوڑ کر گلگتھا سے چلے گئے اور وہ اس کی تاریکی میں جو باہر پھیلی ہوئی تھی اور اس غم کے اندھیرے میں جو باطن میں پھیل رہا تھا کتنی مدت تک صلیب پر لٹکا رہا اور آخر کار اندرونی دکھ کے سمندر کی تہ سے وہ آواز پیدا ہوئی جس کا مطلب بیان کرنا انسان کی طاقت سے بعید ہے۔"اۓ میرے خدا!اۓ میرے خدا!تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟یہ سب وقت تھا جبکہ اس مرد غمناک کی روح نے اپنے دکھ کی سب سے گہری تہ کو چھوا۔

تھوڑی دیر کے بعد اندھیرا زمین کی سطح پر سے کافور ہو گیا اور سورج نمودار ہوا اور مسیح کی روح بھی دکھ کے گہن سے نکل آئی چنانچہ جو فتح اس نے ظاہر ہوئی "پورا ہوا"۔اس کے بعد اس نے اپنی جان ایک دل پسند زبور کی آیت کے الفاظ اپنی زبان سے نکالتے ہوئے خدا کے سپرد کی'۔'اۓ خدا میں اپنی روح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں"۔

مردوں میں سے جی اٹھنا اور آسمان پر چڑھ جانا

دنیامیں کبھی کسی کام یا مہم کے نامکمل ہونے سے ایسی مایوسی نہیں ہوئی جیسی مسیح کے کام سے اس سبت کے روزہوئی جو پرانے عہد نامے کا آخری سبت تھا۔معلوم ہوتا تھا کہ اب یسوع کے ارادے کبھی پورئے نہیں ہوں گے۔جب وہ مرگیا اوردفن کیا گیا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا مسیحی مذہب بھی فوت ہوگیا اوراس کی قبر میں اس کے ساتھا گاڑا گیا ہے۔ہم جو اس زمانے کے ہیں جب گذشتہ صدیوں کی طرف لوٹ کر دیکھتے ہیں تو ہمیں قبر پر سے ءپتھر ہٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے اورہمارے دل میں وہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی جوا س وقت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئی اوراس کا سبب یہ ہے کہ بعد کے واقعات نے ہم کو انتظام ربی کے بھید سے آگاہ کردیا ہے۔پس جب ہم اس کی قبر پر کھڑے ہوتے ہیں تو ہمارے دل میں مایوسی نہیں آتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ پتھر ہٹایا جائے گا اوروہ جی اٹھے گا لیکن جب وہ گاڑا گیا اس وقت وہاں ایک شخص بھی یہ امید نہ رکھتا تھا کہ وہ روزحشر سے پہلے کبھی مردوں میں سے جی اٹھے گا۔

اورسنیہڈرم کے شریک اور یہودی سردارتو اس با ت کے بالکل قائل ہوگئے تھے۔موت ہر طرح کی بحث اورجھگڑوں کو تمام کردیتی ہے اسی طرح مسیح کی موت نے بھی اس جھگڑے کو جو اس کے اوریہودی سرداروں کے درمیان پایا جاتا تھا تمام کردیا اورایسی صورت میں فتح یہودی لیڈروں کے حصے میں آئی۔یسوع نے مسیح موعودہونے کا دعوی کیا پرا س دعوے کے ساتھ ان نشانات میں سے جن کے وہ منتظر تھے کوئی بھی ان کی حسب خواہش نہ دکھایا۔اسے قوم نے کبھی اپنا مسیح سمجھ کر قبول نہ کیا اورنہ اس کے شاگرد ہی بے شماریا صاحب اقتدارتھے اوراگراس کے کام کی طرف دیکھا جائے تو وہ بھی دویا تین سال سے زیادہ عمر کا نہ تھا اوروہ خوداس وقت قبرمیں بے حس وحرکت پڑا تھا۔پس کون اس کو یاد کرسکتا تھا؟۔

شاگردوں کی دل شکنی میں بھی کوئی کسر باقی نہ تھی۔چنانچہ جس وقت وہ پکڑا گیا اس وقت وہ سب اسے چھوڑکر بھاگ گئے۔پطرس سردارکاہن کے گھر تک اس کے ساتھ گیا،مگر وہ وہاں جاکر اوربھی زیادہ شرمناک حالت میں گرفتارہوا۔چنانچہ اپنے مالک کا انکارکر بیٹھا۔یوحنا نے البتہ گلگتھا تک اسکا ساتھ دیا مگر وہ بھی شاید ناامیدی میں یہ امید رکھتا ہوگا،کہ ممکن ہے کہ اب بھی وہ صلیب سے اترآئے اورداؤد کے تخت پر رونق افروز ہو لیکن یہ آخری لمحہ بھی گزرگیا اوروہ امید بر نہ آئی اب یہ شاگردا س کے سوا اورکیا کر سکتے تھے کہ مایوس ہوکر اپنے گھروں کو واپس آئیں اورپھر ماہی گیری کا پیشہ اختیا رکریں اورعمر بھر اپنی غلطی کو جس کے

سبب سے انہوں نے ایک جھوٹے مسیح کی پیروی کی تھی یاد کر کے اپنے سر دھنا کریں اور اپنے دل سے پوچھا کریں کہ وہ تخت کہاں ہیں جن پر ہمکو بٹھانے کا وعدہ اس نے کیا تھا؟

بیشک یسوع نے تو اپنے دکھوں اور موت اور جی اٹھنے کی خبر ان کو دے دی تھی مگر وہ ان باتوں کا مطلب نہیں سمجھتے تھے۔اب یا تو وہ ان کو بالکل بھول گئے تھے یا ان کا مطلب اور ہی نکالنے لگ گئے تھے۔سو جب وہ اس دنیا سے رحلت کر گیا تو ان باتوں نے ان کو تسلی نہ دی۔چنانچہ وہ عورتیں جو پہلے مسیحی سبت کے دن اس کی قبر پر آئیں ،اس امید سے نہیں آئی تھیں کہ قبر کو خالی پائیں گی بلکہ وہ اس لئے آئی تھیں کہ لاش کو مصالحہ اور خوشبو سے آراستہ کریں۔مریم شاگردوں کے پاس اس لئے دوڑی دوڑی نہیں گئی تھی کہ ان کو یہ بتائے کہ خداوند جی اٹھا ہے بلکہ وہ ان کو یہ کہنے گئی تھی کہ ان کو یہ بتائے کہ خداوند جی اٹھا ہے بلکہ وہ ان کو یہ کہنے گئی تھی کہ اس کی نعش قبر میں نہیں ہے معلوم نہیں کہ لوگوں نے اسے کہاں رکھ دیا ہے ؟پھر جب عورتوں نے شاگردوں کو بتایا کہ خداوند نے ہم سے ملاقات کی ہے تو ان کے الفاظ بھی شاگردوں کو مہمل سے معلوم ہوئے۔یوحنا خود بتایا ہے کہ نہ پطرس اور نہ وہ یہ جانتا تھا کہ وہ نوشتوں کے مطابق پھر جی اٹھے گا۔کیا ان لفظوں سے جو ان دو شاگردوں کے منہ سے نکلے جو اماؤس کو جارہے تھے بڑھ کر اور الفاظ بھی تاسف آمیز ہیں ؟وہ کہتے تھے "ہم کو امید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دیگا ؟۔جب شاگرد فراہم ہوئے تو انہوں نے رونا اور ماتم کرنا شروع کیا۔ہاں ان لوگوں سے زیادہ اور کوئی مایوس اور شکستہ دل نہ تھا۔

مگر ہم خوش ہیں کہ وہ مغموم اور مایوس ہوئے۔وہ شک لائے تاکہ ہم ایمان لائیں یہی عقیدہ اس مشکل سوال کا حل ہے ،کہ وہ کیا بات تھی جس کے سبب سے چند ہی دنوں کے بعد یہ لوگ جو اب مایوس معلوم ہوتے ہیں بڑی خوشی اور بھروسے سے بھر گئے اور ان کا ایمان تروتازہ ہوا اور مسیحی مذہب ایسی تازگی اور طاقت سے حرکت میں آیا کہ ویسی تازگی اور طاقت اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئی تھی ؟یہ لوگ ہمیں بتاتے ہیں کہ اس کا سبب یہ تھا مسیح مردوں میں سے کہ جی اٹھا تھا۔وہ ہم کو بتاتے ہیں کہ وہ کس طرح خالی قبر پر گئے کس طرح یسوع مریم مگدلینی اور دوسری عورتوں کو دکھائی دیا' کس طرح پطرس پر اور ان دو شاگردوں پر جو اماؤس کو جا رہے تھے ظاہر ہوا کس طرح ایک دفعہ گیارہ کو نظر آیا ؛۔کس طرح ایک دفعہ یعقوب نے اور ایک دفعہ پانچ سو نے اس کو دیکھا۔کیا یہ شہادتیں ماننے کے قابل نہیں ؟اگر یہ شہادتیں اکیلی ہوتیں تو شاید ہم ان کو نہ ماننے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ مسیح کا مردوں میں سے جی اٹھنا (جس کا دعویٰ وہ کرتے ہیں) ایسا واقعہ تھا جس کے ساتھ واقعہ تھا جس کے ساتھ مسیحی مذہب بھی اپنی قبر میں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم پوچھتے ہیں

کہ اگر پہلا دعویٰ سچا نہیں تو مسیحی مذہب جو اس کی موت کے سبب سے بے جان ہو گیا تھا۔ کس طرح پھر زندہ ہوا؟ شاید کوئی یہ کہے کہ سبب سے بے جان ہو گیا تھا۔کس طرح پھر زندہ ہوا؟ شاید کوئی یہ کہے کہ یسوع نے ان کے دلوں شاہانہ امیدوں سے بھر دیا تھا۔ اور اگرچہ وہ امیدیں پوری نہ ہوئیں تو بھی ان لوگوں کے لئے مشکل تھا ۔ کہ ایسی امیدوں کو دل میں ایک مرتبہ جگہ دے کر پھر اپنے ادنیٰ کاموں میں مصروف ہوں ۔ پس انہوں نے آپ لئے مسیح کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا ایک قصہ گھڑ لیا لیکن انہیں وہم گیا تھا کہ ہم نے اسے دیکھا ہے مگر یہ دعوے قائم نہیں رہ سکتے کیونکہ جب ان کے ایمان نے پھر تقویت پائی تو انہوں نے دنیوی خیالات کو بالکل چھوڑ دیا اور روحانی مزاج بن گئے ۔ پھر وہ تختوں کی امید نہیں رکھتے تھے بلکہ ہر دم اپنے آپ کو ایذا اور موت کا شکار سمجھتے تھے مگر باوجود اس کے ایسی دانائی اور سرگرمی اور بڑے بڑے نتائج کی امید رکھنے والے ایمان سے مسیح کے نام کی منادی میں مصروف تھے کہ پیشتر کبھی ایسی خوبیاں ان میں نظر نہیں آتی تھیں ۔ پس اب اصل میں یہ ہے کہ جس طرح مسیح کی عجیب تبدیلی کے ساتھ جی اٹھا اس کا دین بھی عجیب تبدیلی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا یا یوں کہیں کہ اس کے مذہب نے بھی جسمانیت کو اتار پھینکا لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ یہ تبدیلی کس طرح وقوع میں آئی ؟ شاگرد یہ جواب دیتے ہیں کہ اس تبدیلی کا باعث مسیح کا کا جی اٹھنا اور اس کے دیدار کا وہ نظارہ ہے جو اس کے جی اٹھنے کے بعد ہم کو نصیب ہوا مگر ان کی گواہی فیصلہ کن ثبوت نہیں بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہی عجیب تبدیلی جو وقوع میں آئی، یسوع کے مردوں میں سے جی اٹھنے کا سب سے پختہ ثبوت ہے وہ تبدیلی یہ تھی کہ وہ جو پہلے بزدل تھے یک بیک دلیر بن گئے ۔ وہ جو پہلے ناامید تھے امید سے بھر گئے ۔ وہ جو پہلے کم اعتقاد تھے ایمان میں پختہ ہو گئے اور دنیا کو آئندہ کے بارے میں پر حکمت تصورات سے بھر گئے اور کلیسیاء کو قائم کرنے کے لئے تمام ضروری اوصاف ان میں پیدا ہو گئے اور دنیا کو مسیح کے پاس لانے اور بنی آدم کے درمیان مسیحی مذہب کو پاکیزگی کے ساتھ قائم کرنے کی حکمت ان میں آگئی۔ پرانے عہد نامے کے آخری سبت اور ان دو تین ہفتوں کے درمیان جن کے اندر یہ عجیب تبدیلی وجود میں آئی ضرور کوئی نہ کوئی واقعہ سرزد ہوا ہو گا۔ جسے اس نتیجہ کا کافی سبب سمجھنا چاہیے ۔ اس عقدہ کو صرف یہی دعویٰ حل کر سکتا ہے کہ یسوع مردوں میں سے جی اٹھا ۔ پس اس کا جی اٹھنا ایک ایسے ثبوت پر قائم ہے جو گواہوں کے ثبوت سے کہیں مضبوط اور زبردست ہے اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ مسیح کا جی اٹھنا ایسے ثبوت پر قائم ہے کیونکہ اگر مسیح نہیں جیا تو ہمارا ایمان بے فائدہ ہے لیکن اگر وہ جی اٹھا ہے تو اس کی تمام زندگی جو اعجاز سے پر تھی اعتبار اور قبول کرنے کے لائق ہے کیونکہ اس کا جی اٹھنا تمام معجزوں سے بڑا معجزہ

ہے اس کا خدا کی طرف سے ہونا بھی اسی سے ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ خدا کے سوا اورکون اس کو زندہ کر سکتا تھا؟ اوراسی سے ابدی دنیا کی حقیقتیں برحق معلوم ہوتی ہیں۔

خداوند مسیح زندہ ہونے کے بعد اتنی مدت تک اس دنیا میں رہا کہ اس کے پیرواس کے جی اٹھنے کے بالکل قائل ہو گئے ۔یاد رہے کہ شاگرد بڑی دیر میں اس بات سے قائل ہوئے۔ چنانچہ جب انہوں نے عورتوں سے اس کے جی اٹھنے کی خبر سنی توانہوں نے پورایقین نہ کیا۔ توما نے دوسرے رسولوں کی گواہی پر شک کیا اور ان پانچ سو نے جن کو وہ ایک گلیلی پہاڑپر ملا اپنی آنکھ کی گواہی کا اعتبارنہ کیا جب تک کہ اس کی آوازکو نہ پہچانا مگر جس صبر وبرداشت سے وہ ان شک لانے والوں کے ساتھ سلوک کرتا رہا اس نے ثابت کر دیا کہ گو اس وقت اس کی جسمانی صورت کسی قدرتبدیلی ہو گئی ہے تو بھی اس کا دل پہلے طرح محبت اوربرداشت سے بھرا ہوا ہے۔ یہ حقیقت بڑے موثر طورپر اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ان کو انہی جگہوں میں ملتا رہا جہاں جلال کو پہنچنے سے پہلے آیا جایا کرتا تھا۔ یہ وہی پرانی جگہیں تھیں ۔ جہاں وہ دعا مانگا اورمنادی کیا کرتا تھا۔ جہاں جا جا کر اس نے اپنے کام کو انجام دیا ۔ جہاں اپنے دکھ سہے تھے یا یوں کہیں کہ وہ جی اٹھنے کے بعد بھی گلیل کے پہاڑاورپسندیدہ جھیل اورکوہ زیتون اوربیت عنیاہ میں نمودارہوا اوریروشلیم میں جس نے اسے قتل کیا دکھائی دیا اوروہ اب بھی اسے پیارکرنے سے بازنہیں رہ سکتا ۔

مگراس کے ساتھ ہی ایسے نشانات بھی موجود تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اب اس دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا ۔چنا نچہ اسکی انسانیت میں جی اٹھنے کے بعد ایک قسم کی جدائی پید اہو گئی تھی مثلاً جب مریم نے اس پاؤں کو چومنا چاہا تو اس نے اس کو چھونے سے منع کیا ۔وہ اپنے دوستوں کے درمیان ایسے طورپر یک بیک نمودارہو جاتا تھا کہ اس رازکا بیان ہماری طاقت سے بعید ہے ،اورجس طرح یک بیک ظاہر ہوتا تھا اسی طرح غائب بھی ہو جاتا تھا اورکبھی کبھی دکھائی دیتا تھا کیونکہ جس طرح پہلے ان کے ساتھ شیرو شکر تھا اس طرح اب نہ تھا ۔آخر کارچالیس دن کے بعد جب وہ غرض جس کے لئے وہ اتنے دن تک زمین پر رہا پوری ہو گئی اوراس کے شاگرد اپنی خوشی کی نئی طاقت کے ساتھ تمام قوموں کو اس کی زندگی اورمحبت کا مژدہ دینے کے لئے تیا رہو گئے تو اس کی جلالی انسانیت اس دنیا کو صعود کر گئی جو اس کا اصلی وطن تھا ۔

فائدہ ۔جب وہ جسم جس کے وسیلے سے کوئی زندگی اس دنیا میں نمودارہوتی ہے ،فنا ہو جاتا ہے تواس زندگی کا تعلق اس دنیا سے قطع نہیں ہوتا کیونکہ وہ بنی آدم کی زندگی کے دریا میں گر کر اپنے سارے زرو سے اپنا اثردکھاتی رہتی ہے ۔حق تو یہ ہے کہ بسا اوقات یہی تاثیر جو بعدظاہر ہوتی ہے ثابت کرتی ہے کہ آدمی کی

زندگی درحققیقت کیسی وزن دار تھی ۔مسیح کی زندگی کا بھی یہی حال ہے کہ انجیلونکے ۔بے مبالغہ بیان سے تواس نتائج آفرین قدرت کا پتہ نہیں لگتا جو اس کی زندگی سے اس وقت جاری ہوئی جس وقت معلوم ہوتا تھا کہ یسوع بالکل فنا ہوگیا ہے ۔جو اثر اس کی زندگی نے موجودہ دنیا پر پیدا کر رکھا ہے اس کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حقیقت میں کیسا عظیم الشان شخص تھا ۔ہاں جو نتیجہ اب ہم کو نظر آتا ہے اسے دیکھ کریہ کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ اس نتیجے میں نظر آتا ہے وہ سب کچھ اس کے سبب یا علت میں بھی موجود تھا ۔ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی زندگی تمام بنی آدم کی زندگی کی پر چھائی ہوئی ہے اوراس کی تاثیروں کے طفیل سے انسان کے دل میں روحانیت کی گلزارکھلی ہوئی ہے اورتمام تاثیروں کو اس طرح جذب کرتی جاتی ہے جس طرح کسی دریا میں جو ملک کے بیچ سے گزرتا ہے کہ اس کے معاون گرکر معدوم ہو جاتے ہیں ۔اس کی وسعت کی نسبت اس خاصیت زیادہ قابل غور ہے ۔

پراس کی حقیقت کی اصل شہادت نہ تو زمانہ حال کی تہذیب کی عام تاریخ میں ملتی ہے اورنہ کلیسیا کی ظاہری سرگذشت میں اس قدرپائی جاتی ہے جس قدران کا ایمان داروں کے مسلسل تجربوں میں دیکھی جاتی ہے ۔جو مسیحی پشتوں کے بیچ میں سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے ایک سلسلہ باندھ کر اپنے خداوند سے جا ملتے ہیں وہ لاکھوں روحیں جنہیں اس نے ان کے گناہ اوردنیا سے نجات دی اپنے تجربہ کے وسیلے سے ثابت کرتی ہیں کہ تاریخ نئی پیدائش بخشنے والے نجات دہندے کے وسیلے سے جو بنی آدم کے سلسلے میں ایک عام کڑی نہ تھا دوٹکڑے ہوگئی ہے ۔ان کا تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ اسے بنی آدم اپنی طاقتوں کے وسیلے سے پیدا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ وہ ایک کامل نمونہ ہے اوربنی آدم میں خاص ابن آدم وہی ہے ۔وہ لوگ جو ایک طرف خدا کی پاکیزگی کو محسوس کرتے اوردوسری طرف اپنی گنہگاری کو پورے طور سے جانتے ہیں مگر پھربھی اس سلامتی سے خوش حال ہیں جو پاک زندگی کا ایک بے زوال منبع ہے ۔ان کا تجربہ ثابت کرتا ہے کہ دنیا میں ایک حقیقی میل کی ایک راہ کھل گئی ہے جس کے وسیلے سے گنہگارانسان خدائے پاک کے ساتھ مل جاتا ہے ۔ہزارا ہا بنی آدم جو اس خدا کے دیدار سے مالا مال ہیں جو مسیح کے کلام سے صاف کی ہوئی آنکھ کو ایسا خالص نور معلوم ہوا ہے جس میں تاریکی کو ذرا دخل نہیں ،اپنے تجربہ سے ظاہر کرتے ہیں کہ ازلی خدا کا آخری مکاشفہ دنیا کو اسی کے وسیلے سے پہنچا جو خدا کو ایسے کامل طور سے جانتا تھا کہ اس کا علم کو دیکھ کرا سے خدا سے کم نہیں کہہ سکتے ۔

مسیح کی زندگی دنیا کی تاریخ سے کبھی معدوم نہ ہوگی بلکہ اس کا اثر دن بدن زیادہ زورپکڑتا جاتا ہے ۔موجودہ دنیا میں جس قدرنئی باتیں ظاہر ہوتی جاتی ہیں اوربنی آدم کے افضل تصورات جس قدرنشوونما پاتے جاتے ہیں اورجس قدران کی اعلیٰ طاقتیں بڑھتی جاتی ہیں اوربہتر جذبات پاک ہوتے جاتے ہیں اسی قدرمسیح کی حقیقت روزبروزمنکشف ہوتی جاتی ہے اوربنی نوع انسان یہ چاہتے ہیں کہ تمام انسانی زندگی اس کے تصورات اوراس کی سیرت کے سانچے میں ڈھالی جائے ۔

التماس

کتاب "حیات المسیح "جواب جدا چھپ کرہدیہ ناظرین کی جاتی ہے اوراق ترقی میں کئی صاحبان کی نظر سے گذرچکی ہے ۔اردو زبان میں دوتین نامکمل کتابوں کو چھوڑکر اورکوئی کتاب اس قسم موجود نہیں اورمجھے امید ہے کہ جب تک اس سے بہترکوئی اورحیات المسیح تیارنہ ہوتب تک یہی موجودہ ضرورت کو رفع کرتی رہے گی ۔انگریزی زبان میں کئی کتابیں اس مضمون پرپائی جاتی ہیں جن کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو بہت فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔مسیح کی زندگی کے تمام واقعات سلسلہ وارذہن نشین ہوجاتے ہیں اوریہ پتہ لگ جاتا ہے کہ فلاں واقعہ اس کی زندگی کے فلاں وقت سے علاقہ رکھتا ہے ۔یہ کام آسانی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ جوایسا کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں ان کو اشغال زندگی فرصت نہیں دیتے اورجنہیں فرصت حاصل ہے وہ شاید لیاقت نہیں رکھتے ۔

لہذا اناجیل کے مطالعہ میں اس قسم کی کتابیں بہت مدد دیتی ہیں اس بات سے کوئی انکارنہیں کرسکتا کہ حیات المسیح خواہ کیسی ہی مطول اورمفصل ہوپھر بی وہ رتبہ نہیں رکھتی جوا ناجیل کو حاصل ہے ۔پس حیات المسیح گویا ایک طرح کی مدد ہے جس کے وسیلے سے انجیلوں کے بیانات روشن ہو جاتے ہیں ۔جو شخص انسان کے تالیف کردہ سوانح عمری پر اکتفا کرتا ہے اورانجیلوں کا مطالعہ نہیں کرتا وہ اس روحانی لطف سے کلام کے پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے محروم رہتا ہے ۔پس مجھے امید ہے کہ جوصاحبان اس کتاب کوپڑھیں گے وہ اس سے ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی تحریک پائیں گے جس میں خداوند کی زندگی کا اصل حال درج ہے ۔میں یہ بھی جتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے اس کتاب کی تالیف کا بھی حق حاصل نہیں گو اس کے تیارکرنے میں میں نے ایڈرشام اورفیرراورانڈریوزاورنینڈر کی تصانیف سے بھی بعض بعض جگہ مدد لی ہے اورمیں ان کی

کتابوں سے بہت کچھ اس میں درج کر سکتا تھا مگر چونکہ اس بات کا خیال دامن گیر تھا کہ کتاب کی ضخامت بڑھنے نہ پائے ،لہذا فقط چند موقعوں پر اکتفا کی ۔

زیادہ تر مدد اس کے تیار کرنے میں سٹاکر صاحب کی کتاب حیات المسیح سے لی گئی ہے بلکہ اس کتاب کا بہت سا حصہ اسی کتاب سے لیا گیا ہے ۔ترقی میں جو کچھ شائع ہوا وہ صرف سٹاکر صاحب کی کتاب کا خلاصہ تھا ،مگر اب اس پر بہت کچھ بڑھایا گیا ہے ۔کئی مفید اور کارآمد حواشی بھی اضافہ کئے گئے ہیں اور جتنا حصہ ترقی میں شائع ہو چکا ہے اس کی نظر ثانی کی گئی ہے ۔مجھے امید ہے اور میری دعا بھی یہی ہے کہ اس کتاب کے وسیلے سے بہت لوگوں کی زندگیاں اس کتاب کی مانند بن جائیں جس کی پاک اور الٰہی زندگی کا بیان اس کتاب میں قلمبند ہے اور کئی ایک کے دل میں اس کا ایسا عشق پیدا ہو کہ جب تک وہ اس پر ایمان نہ لائیں تب تک ان کو آرام نہ ملے کیونکہ دلی آرام کی ندیاں اسی طرح ان کے اندر جاری ہو سکتی ہیں ۔

خادم طالب الدین پاسٹر۔ ہندوستانی پریسبٹیرین چرچ ۔لاہور